315

تاریخ

History

اشاعت

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (TOSS)، **حیدرآباد۔**

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (TOSS)

پہلی اشاعت: 2024ء

تمام حقوق محفوظ ہیں

اس اشاعت کے کسی بھی حصے کو ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی شکل میں یا کسی بھی ذریعہ سے دوبارہ پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، بازیافت کے نظام میں ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا ہے یا کسی بھی شکل میں منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

Printed in India

at the **Telangana Govt. Text Book Presss**

Mint Compound, Khairatabad, Hyderabad, Telangana

پیش لفظ

" تعلیم صرف روزگار حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ خود کی ترقی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔" اور " تعلیم سب کے لیے مفت اور لازمی ہونی چاہیے۔ نیز تعلیم سب سے طاقتور ہتھیار ہے جس کے ذریعے آپ دنیا کو بدل سکتے ہیں۔" بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر۔

لہٰذا بچوں کو لازمی تعلیم فراہم کرنا دستور ہند کے تحت ایک بنیادی حق ہے اور یہ معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ تلنگانہ حکومت بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کے نظریات کی روشنی میں اس سمت میں اہم کردار ادا کر رہی ہے، اور تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (TOSS) کے ذریعہ ایسے بچوں کو تعلیم فراہم کی جا رہی ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر رسمی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔

سال 2023 سے تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی میں انٹرمیڈیٹ تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لیے درسی کتب کو از سر نو ترتیب دیا گیا ہے تاکہ یہ موجودہ سماجی حالات سے ہم آہنگ ہو سکیں اور قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے بنیادی اصولوں کو شامل کریں۔ اس پالیسی میں دی گئی رہنما ہدایات کا مقصد تعلیم حاصل کرنے کے مجموعی تجربے کو بہتر بنانا اور طلباء کی متنوع ضروریات کو پورا کرنا ہے۔

قبل ازیں درسی کتب محض سوالات و جوابات پر مشتمل گائیڈز تھیں۔ TOSS نے نئی درسی کتب کو طالب علم مرکوز انداز میں تیار کیا ہے، جس میں طلباء کی مختلف اکتساب کی صلاحیتوں اور ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس طریقہ کار سے طلباء کی فعال شرکت اور اکتساب اور پڑھنے کے عمل میں دلچسپی کو فروغ ملتا ہے۔ کتابوں میں اساتذہ کے لیے اضافی تدریسی مواد اور وسائل بھی شامل کیے گئے ہیں تاکہ وہ سبق کو مؤثر اور دلچسپ انداز میں پیش کر سکیں۔

تاریخ کی درسی کتاب کو مجموعی طور پر 31 اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں بھارت کی تاریخ اور تلنگانہ کی تاریخ ریاست کے قیام تک شامل ہیں۔ ہر سبق میں تعارف، مقاصد اور اکتسابی نتائج دیے گئے ہیں، جو طلبا کو سبق کو سمجھنے، اس کے مقصد اور تدریس کی ضرورت کو جاننے میں مدد دیتے ہیں، ساتھ ہی ان کی اخلاقی تربیت اور ہمہ جہت ترقی کو بھی فروغ دیتے ہیں۔

میں ان تمام افراد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس تاریخ کی درسی کتاب کو مکمل کرنے میں بھرپور تعاون فراہم کیا۔ ہم تلنگانہ حکومت اور تلنگانہ اسٹیٹ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کے نہایت مشکور ہیں۔ خاص طور پر میں مدیر، کوآرڈینیٹر، لیکچررز اور ڈی ٹی پی آپریٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی خدمات انتھک محنت کے ساتھ انجام دیں۔

ڈائریکٹر

TOSS، حیدرآباد

Textbook Development Committee

EDITOR

Prof. Indira P

Professor

Department Of History,Osmania University

COURSE WRITERS

Prof. Indira P

Department Of History, Osmania University

Dr. K. Murli,

Assistant Professor , Gdc, Nirmal

T. Ajay

Lecturer, Oucpg, Sec-bad,

Dr. Raheem Mohammad,

Junior Lecturer in History

GJC Mulugu

COORDINATOR

A.Srinivas Rao

State Coordinator, TOSS, Telangana, Hyderabad.

Translaters

Dr. Shaik Haji Hussain

Lecturer , GDC, Hussainalam, Hyderabad

Mrs, Salma Khatoon

Lecturer, IPGDC, Nampally , Hyderabad

DTP, Page Layout & Design at :

Imprint Computech, Balanagar, Medchal-Malkajgiri-500037

فہرست

سلسلہ نشان	باب کا نام	صفحہ نمبر
1	تاریخ کو بطور مضمون سمجھنا اور اس کی اہمیت	1-6
2	ہندوستان کی تاریخی شناخت: جغرافیائی خصوصیات، ماحولیاتی عوامل اور ان کا ہندوستان کی تاریخ پر اثر تنوع میں اتحاد– تاریخ کے مطالعہ کے ذرائع	7-14
3	قبل از تاریخ اور ابتدائی تاریخ: قدیم ہندوستان میں معاشروں کی بنیاد، وادی سندھ کی تہذیب: پہلی شہری بستیاں	15-22
4	قدیم ہندوستان میں مذہبی ترقیات: ویدک دور (1500-600 قبل مسیح) -جین مت اور بدھ مت، 6ویں صدی قبل مسیح	23-37
5	لوہے کا دور، دوسری شہری ترقی، اور علاقائی ریاستوں (مہاجن پد) کا قیام: اشرافیہ حکمرانی اور بادشاہت	38-42
6	مگدھ کا عروج– پورس اور بھارت کو متحد کرنے کا تصور– غیر ملکی حملے: فارسی اور یونانی (سکندر کا حملہ)	43-48
7	موریہ سلطنت: بھارت کی پہلی عظیم سلطنت کی بنیاد	49-56
8	مابعد موریہ دور– سیاسی تقسیم (تقریباً 200 قبل مسیح تا 600 عیسوی)	57-66
9	گپتا خاندان کا عروج- واکٹا کا اور ہُن حملے	67-74
10	بھارت ساتویں صدی عیسوی کے بعد: حکمران خاندانوں کا ظہور اور شہنشاہ ہرش وردھن کا عروج	75-79
11	ہرش کے بعد کا دور: علاقائی خاندانوں کا ظہور– سہ طرفہ جدوجہد- راجپوت ریاستوں کا عروج: تنازعات اور اثرات	80-88
12	جنوبی ہندوستانی سلطنتوں کا ظہور- (6ویں صدی عیسوی سے 13ویں صدی عیسوی تک)	89-98
13	عربوں کی سندھ پر فتح- ترکوں کا حملہ اور ہندوستان میں دہلی سلطنت کا قیام	99-113

14	بھکتی اور صوفی تحریکیں-مشترکہ ثقافت	114-119
15	مغل سلطنت کی بنیاد اور سرُ سلطنت کی طاقت	120-126
16	اکبر اور مغلیہ نظم ونسق کا استحکام (1556-1605)– جہانگیر، شاہجہان، اور اورنگزیب کی خدمات	127-142
17	وجے نگر سلطنت- بہمنی سلطنت- سکھ اقتدار اور مرہٹوں کا عروج	143-152
18	یورپیوں کی ہندوستان آمد– تاجروں کے طور پر اور برطانوی طاقت کا استحکام	153-158
19	ہندوستان کی صوبائی ریاستیں	159-162
20	انیسویں اور بیسویں صدی میں ہندوستانی نشاۃ ثانیہ	163-170
21	ہندوستانی جدوجہد آزادی	171-176
22	تلنگانہ کی تاریخ-جغرافیائی خصوصیات-ذرائع اور ماقبل تاریخی دور	177-183
23	ستواہنا اور اکشواکو	184-190
24	وشنوکندین اور چالوکیہ سلطنت	191-198
25	کاکیتہ سلطنت	199-203
26	مسونوری خاندان اور ریچارلا/ پدمنائیکا/ ویلاما خاندان	204-207
27	قطب شاہی سلطنت (1518-1687)	208-211
28	آصف جاہی دور حکومت (1724-1948)	212-220
29	تلنگانہ کی علیحدہ ریاست کے لیے تحریک (1948-2014): تلنگانہ کا تصور (1948-1970)	221-229
30	محترک مرحلہ (1971-1990)	230-233
31	تلنگانہ ریاست کی تشکیل (1991-2014)	234-242

باب 1 تاریخ کو بطور مضمون سمجھنا اور اس کی اہمیت

1.1 تعارف

تاریخ، ایک مضمون کی حیثیت سے اپنی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ تاریخ میں ادوار، جغرافیہ اور اس وقت کے حالات سے متعلق بات کی جاتی ہے جن میں انسان رہتا تھا۔ اس علم کا دائرہ وسیع ہے چونکہ اس کا تعلق دیگر معاون علوم سے ہے۔ یہ علم کافی طاقتور بھی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ہمارے ماضی کا عکس ہے۔ اس لیے ایک مضمون کے طور پر تاریخ اور موجودہ تناظر میں اس کی اہمیت کے بارے میں جاننا اور پڑھنا نہایت ضروری ہے۔

1.2 مقاصد

- ☆ تاریخ کو مضمون کے طور پر پڑھنا
- ☆ اہمیت اور وسعت
- ☆ تعلق اور موزونیت
- ☆ پڑھنے کی ضرورت

1.3 اکتسابی نتائج

- ☆ تاریخ کو موجودہ مسائل کو حل کرنے اور مستقبل کے چیلنجوں سے نمٹنے کے لئے رہنما کے طور پر سیکھنا۔
- ☆ تاریخ ریکارڈ کے طور پر مطالعہ کے دیگر شعبوں میں مدد کرے گی۔
- ☆ تاریخ معیشت پیدا کرتی ہے اور سماجی و سیاسی تعلقات استوار کرتی ہے
- ☆ تاریخ، ثقافت کی نمائندگی کے لئے ملک کا سفیر کے طور پر

1.4 تاریخ کا تعارف

تاریخ، ہمارے ماضی کو جاننے کی کوشش ہے جس میں ہماری ابتدائی نسلیں کیسے رہتی تھیں۔ تاریخ، وقت اور جگہ کے اندر انسان کا مطالعہ ہے۔ یہ ماضی کی روشنی میں حال کی وضاحت کرتی ہے۔ تسلسل اور ہم آہنگی تاریخ کے ضروری تقاضے ہیں۔ تاریخ ہمیں مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد کرتی ہے اور یہ جانچ کر کے کہ ماضی نے کس طرح سماجوں اور لوگوں کے درمیان تعلقات استوار کر کے مقامی، قومی اور عالمی سطح پر حال اور مستقبل کی تشکیل کرتی ہے اور یہ جاری ہے علاوہ ازیں پیچیدہ سوالوں اور دشواریوں سے نمٹنے میں مدد کرتی ہے۔

چونکہ تاریخ کا مطالعہ کئی وجوہات کی بناء پر اہمیت کا حامل ہے۔ بالخصوص ہماری ثقافت اور تہذیب کی جڑوں کے بارے میں گہرائی سے جاننے کے لیے۔ اس لیے تاریخ کا مطالعہ مختلف طریقوں اور ذرائع سے کرنا ضروری ہے جیسے تحقیق، کھدائی اور تاریخی مقامات کا دورہ کر کے۔

1.5 تاریخ اور اس کا معنی

انگریزی لفظ 'History' یونانی لفظ Historia' سے ماخوذ ہے جس کے معنی تفتیش/استفسار یا سچائی کو سامنے لانے کے لیے تحقیق کرنا ہے۔

1.6 ہیروڈوٹس: بابائے تاریخ

ہیروڈوٹس جسے ''بابائے تاریخ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، جس نے یونانی-فارسی جنگوں کے بارے میں لکھا جس میں قدیم مصریوں اور فارسیوں سے متعلق معلومات شامل ہیں۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف مختلف اسکالرز نے اپنے مضمون کے اعتبار سے اپنی سمجھ اور انسانوں کا جغرافیہ کے ساتھ اس کے تعلقات کے مطابق کرتے ہیں۔

ہیروڈوٹس (Herodotus) کے مطابق، "**تاریخ کے معنی ماضی کے دلچسپ اور یادگار واقعات کا جاننا اور استفسار کرنا ہے**۔" یہاں ماضی میں پیش آنے والے دلچسپ اور الگ الگ واقعات کا پتہ لگانے کے لیے تاریخ کو پہلے سے طے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ میں ان جگہوں کو بیان کرنے کے لیے متعدد انحراف شامل ہیں جن کا انہوں نے دورہ کیا تھا اور ان لوگوں کو جن کے رسم و رواج کا انہوں نے مشاہدہ کیا اور ریکارڈ کیا تھا۔

تھوسیڈائڈز (Thucydides) نے ان مضامین کو سائنسی خطوط پر تیار کیا۔ انہوں نے شواہد کی بنیاد پر Peloponnesian Wars لکھی اور وجوہات اور اثرات یا نتائج کے درمیان تعلق کو دکھایا۔

علاوہ ازیں تاریخ کے دو معنی اخذ کئے جاتے ہیں' مورخ کی طرف سے کی جانے والی تفتیش اور ماضی کے حقائق جس میں کوئی پوچھ گچھ کرتا ہے وہ ایک سماجی عمل ہے، جس میں افراد سماجی حیوان کے طور پر مشغول رہتے ہیں۔ مورخ اور اس کے حقائق کے درمیان تعامل کا باہمی عمل، جسے وہ حال اور ماضی کے درمیان تعامل کہتے ہیں، تجریدی اور الگ تھلگ افراد کے درمیان نہیں، بلکہ آج کے معاشرے اور کل کے معاشرے کے درمیان کا تعامل ہے۔

برک ہارٹ کے الفاظ میں، تاریخ 'اس بات کا ریکارڈ ہے کہ ایک دور دوسرے میں قابل ذکر ہے'۔ ماضی ہمارے لیے صرف حال کی روشنی میں قابل فہم ہے؛ اور ہم حال کو صرف ماضی کی روشنی میں ہی پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔

ایکٹن نے کیمبرج ماڈرن ہسٹری کے منصوبے پر 1896 کی رپورٹ میں جس کا حوالہ انہوں نے اپنے پہلے لیکچر میں دیا تھا، تاریخ کو ترقی کے ریکارڈ اور ترقی پسند سائنس کے طور پر بھی حوالہ دیا۔ تاریخ کے آخری حصے میں، جو 1914 میں شائع ہوا، ڈیمپیئر، جو ایکٹن کے استاد تھے، نے اس میں کوئی شک محسوس نہیں کیا کہ 'مستقبل کے دور میں فطرت کے وسائل پر انسان کی طاقت کے بڑھنے اور انسانی نسل کی فلاح و بہبود کے لیے ان کے ذہین استعمال کی کوئی حد نظر نہیں آئے گی'۔

ای۔ ایچ۔ کار کے مطابق: "تاریخ ماضی اور حال کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والا مکالمہ ہے، اور مورخ کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ ماضی کو اس طور پر سمجھے اور اس پر عبور حاصل کرے تا کہ حال کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔" ای۔ ایچ۔ کار مزید کہتے ہیں: "تاریخ ماضی کے واقعات اور مسلسل اُبھرتے ہوئے مستقبل کے مقاصد کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔" تاریخ اُسی وقت معنویت اور معروضیت حاصل کرتی ہے جب وہ ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک مربوط تعلق قائم کرے۔ تاریخ انسان کو یہ سمجھنے کے قابل بناتی ہے کہ وہ انسانی ترقی کے اس زندہ عمل کا حصہ ہے جو ماضی سے ابھرا ہے اور جو لازمی طور پر ہماری زندگی کے دائرے سے آگے تک جاری رہے گا۔ ہم ماضی کی پیداوار ضرور ہیں، لیکن مکمل پیداوار نہیں۔

کارل بیکر کے مطابق تاریخ نویسی (Historiography) کا بنیادی مقصد تاریخی تحریروں کی قدر و قیمت کو جدید معیارات کی روشنی میں جانچنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ نویسی کا مقصد اسکالروں کو ماضی کے مورخین اور ان کی تاریخ نگاری کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ایسی کتب عملی طور پر بہت اہمیت رکھتی ہیں، خاص طور پر نوجوان محققین کے لیے۔ ان کتابوں سے یہ سیکھنا مقصود ہوتا ہے کہ ان کے پیشروؤں کی خامیاں اور حدود کیا تھیں اور کون سے تاریخی خلا ہیں جنہیں پُر کرنے کی ضرورت ہے۔

1.7 تاریخ کا دائرہ کار

تاریخ کا دائرہ کار نہایت وسیع ہے؛ یہ انسان کی کہانی ہے جو اس کے مجموعی رویّے سے متعلق ہے۔ تاریخ ماضی سے آغاز کرتی ہے، حال کو اپنا مرکز بناتی ہے اور مستقبل کی سمت اشارہ کرتی ہے۔ گزشتہ چند صدیوں تک، لوگ تاریخ کو صرف ماضی کے واقعات کے بیانات تک محدود سمجھتے تھے۔ لیکن موجودہ دور میں تاریخ کے مطالعے نے اپنا دائرہ وسیع کر لیا ہے، اب یہ مختلف ادوار میں جغرافیائی اور سیاسی حالات کی بنیاد پر عام لوگوں اور ان کی تحریکات کا بھی مطالعہ کرتی ہے۔

تاریخ کے دائرہ کار سے مراد ہے: اس کے مطالعے سے حاصل ہونے والے سیکھنے کے تجربات کی وسعت، جامعیت، تنوع اور پھیلاؤ۔ پروفیسر کالنگ ووڈ نے اپنی کتاب ''Idea of History'' میں تاریخ کے دائرہ کار کو اس طرح بیان کیا ہے: تاریخ کو ایک اہم معنویت حاصل ہے۔ اس کے اسباق انسانی زندگی کے لیے نہایت مفید ہیں، کیونکہ جیسے موجودہ واقعات اور ان کے اثرات کے درمیان تعلق ہوتا ہے، ویسا ہی ماضی کے واقعات اور ان کے اثرات کے درمیان بھی تعلق پایا جاتا ہے۔ اہم تاریخی واقعات اگر یاد رکھے جائیں تو وہ آئندہ فیصلوں میں راہنمائی فراہم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ اثرات بظاہر نظر نہیں آتے، لیکن یہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ موجودہ زمانی سلسلے میں کیا کچھ ممکن ہے اور کن خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ یہ تعریف ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ تاریخ نہ صرف ماضی کا مطالعہ ہے، بلکہ حال و مستقبل کو سمجھنے کا ذریعہ بھی ہے، اور اس کی روشنی میں ہم اپنے موجودہ اور آنے والے فیصلوں کو بہتر انداز میں لے سکتے ہیں۔

1.8 مقصد اور اہمیت

1. تاریخ ہمیں اندرونی اور بیرونی تعلقات کے تناظر میں ماضی کو جاننے میں مدد دیتی ہے۔ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی زندگیوں کے بارے میں انسانی تجسس کو تسکین بخشتی ہے۔ تاریخ حال کو ماضی سے جوڑتی ہے اور نسل در نسل انسانی شعور کے تسلسل پر زور دیتی ہے۔ یہ حالات کا تنقیدی جائزہ لینے کی صلاحیت کو فروغ دیتی ہے۔
2. تاریخ ذہنی صلاحیتوں اور ماضی کے علم سے متعلق تخیل کو جلا بخشتی ہے۔ یہ لوگوں کو ان کی اصل، دوسروں کے ساتھ تعلق، ماحولیاتی اثرات، معاشی بحران، قحط، اچھے حکمرانوں اور ظالم حکمرانوں کے بارے میں جاننے میں مدد دیتی ہے۔
3. تاریخ واقعات کی جڑوں کو پہچاننے اور لوگوں کے درمیان بہتر تفہیم کو فروغ دینے میں مدد دیتی ہے۔

1.10 تاریخ کی طاقت

تاریخ کی طاقت اس بات سے سمجھی جا سکتی ہے کہ نوآبادیاتی دور میں کس طرح اس کا استعمال کیا گیا۔ ولیم بی کوہن (1970) کی معروف کتاب "The Colonized as Child: British and French Colonial Rule" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یورپی نوآبادیاتی حکمرانوں نے ایشیا اور افریقہ کے باشندوں کو "بچے" سمجھا جن کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی نشوونما کی ضرورت ہے۔

اسی طرح، تاریخ کو استعمال کیا گیا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی بھارت کے عوام کے لیے فائدہ مند تھی۔ یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ برطانیہ نے بھارت کو تہذیب، اچھی حکومت اور قابل و مؤثر منتظمین فراہم کیے، جبکہ نوآبادیاتی دور سے پہلے کا ہندوستان ایک پسماندہ اور سست قوم تھا۔ اس موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے برطانوی دور کو مسلم حکمرانی کے مقابلے میں بہتر اور جمہوری دکھایا گیا۔ مثال کے طور پر، سر ولیم جونز، جو ایک مشہور نظریہ ساز تھے، نے کہا کہ قدیم ہندوستان ایک عظیم تہذیب کا حامل تھا جیسا کہ یونان، مگر یہ تہذیب مسلم دورِ حکومت میں زوال کا شکار ہوئی، اس لیے اسے برطانوی سرپرستی کی ضرورت تھی۔ تاریخ کی یہی طاقت تھی کہ یورپ کے ایک چھوٹے سے جزیرے (برطانیہ) نے دنیا کے تقریباً دو تہائی حصے پر قبضہ جما لیا تھا، یعنی وہ سلطنت جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

1.11 تاریخ کی موزونیت اور استعمالات

تاریخ ایک ایسی حقیقت کا مطالعہ بن جاتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ موزوں ہوتی جاتی ہے۔ تاریخ کے مطالعے میں صرف اُن واقعات کو شامل کیا جاتا ہے جو موجودہ زندگی کی تفہیم میں مدد دیں۔ چونکہ انسانوں اور قوموں کے حالات مسلسل تبدیلی کا شکار ہوتے ہیں، اس لیے اب تاریخ کو تنقیدی اور سائنسی انداز سے پڑھنے کی ضرورت ہے، جہاں مورخ خود غور و فکر کرے، بجائے اس کے کہ محض پرانی کتابوں کی روایات کو دہرا دے۔

تاریخ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر حال اور مستقبل کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔طلبہ کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ تاریخ مختلف انداز میں استعمال کی جاسکتی ہے۔تاریخ ایک ضرورت یا دلچسپی کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، اور اسی لحاظ سے اس کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔کارلسن کی حالیہ درجہ بندی (Typologys' Carlson) کے مطابق تاریخ کو درج ذیل طریقوں سے استعمال کیا جاسکتا ہے:

☆ **سائنسی انداز میں:** ماضی کے تجزیاتی اور طریقہ کار پر مبنی مطالعے کے ذریعے نئے علم کا حصول اور تشکیل۔

☆ **سیاسی-تربیتی انداز میں:** حقائق کو نمایاں کرنا، عوامی بنانا اور مباحثے پیدا کرنا۔

☆ **اخلاقی انداز میں:** ماضی کی ناانصافیوں اور کوتاہیوں کو اجاگر کرنا۔

☆ **نظریاتی انداز میں:** کسی بات کو ثابت کرنا یا دلیل کے طور پر استعمال کرنا؛ ماضی کو ایک معنی دینا۔

☆ **وجودی انداز میں:** یاد رکھنا، زندگی میں معنی پیدا کرنا اور شناخت کی تشکیل۔

☆ **غیر استعمالی انداز میں:** کچھ تاریخی واقعات، افراد یا ادوار کو چھپانا یا فراموشی میں ڈالنا۔

1.13 اخلاقی اقدار اور تاریخ کے استاد کا کردار

تاریخ طلبہ میں اخلاقی اقدار پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔یہ ہمیں عالمگیر انسانی اقدار جیسے سچائی، محبت، رواداری، امن، عدم تشدد، بھائی چارہ اور ہم آہنگی سکھاتی ہے، جو انسانی ترقی اور پُرامن بقائے باہمی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔تاریخ ماضی کے متاثرکن اور حوصلہ افزا واقعات کے ذریعے موجودہ دور سے جوڑ کر طلبہ کو ذاتی اور سماجی زندگی میں اعلیٰ اور نیک اسباق فراہم کرسکتی ہے۔

تاریخ کا استاد انسانی اقدار کا علمبردار ہوتا ہے۔وہ طلبہ کو ان اقدار کو اس انداز سے سکھاتا ہے کہ وہ ایک بہتر انسان بن سکیں، جن میں بنیادی اقدار اور تہذیبی شعور موجود ہو۔استاد علم کی شمع جلاسکتا ہے جو نہ صرف طلبہ کی ذاتی زندگی کو منور کرے بلکہ اُن کے ماحول کو بھی روشن کرے۔تاریخ کا استاد طلبہ کے دلوں میں محبت، ہمدردی، دردمندی، جذبات، امن، عدم تشدد اور سچائی جیسی انسانی قدروں کو پروان چڑھاتا ہے۔ماضی اور حال کی عظیم شخصیات کے واقعات و اسباق کے ذریعے وہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو صحیح انداز میں طلبہ کے ذہنوں میں نقش کرتا ہے۔

1.14 طلبہ کے لیے تاریخ کی تدریس اور مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

تاریخ کی تدریس طلبہ کو حال کو سمجھنے، اس کا تجزیہ کرنے اور اس کے اسباب کو ماضی سے جوڑنے میں مدد دیتی ہے۔تاریخ ماضی اور حال کے درمیان "سبب و نتیجہ" کے تعلق کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔یہ ہمیں موجودہ مسائل کو مقامی، قومی اور عالمی سطح پر صحیح اور معروضی طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

سوئیڈن کی قومی ایجنسی برائے تعلیم (2018) کے مطابق: تاریخ کی تدریس کا مقصد طلبہ کو صرف تاریخی سیاق و سباق کی معلومات دینا نہیں بلکہ تاریخی شعور اور انفرادی ترقی کو فروغ دینا بھی ہے۔یہ شعور پیدا کرنا ضروری ہے کہ ماضی ہماری موجودہ سوچ پر

اثر انداز ہوتا ہے، اور یہی ہماری مستقبل کی بصیرت کو تشکیل دیتا ہے۔ تاریخ کی تدریس طلبہ کو موقع فراہم کرے کہ وہ تاریخی حالات، اصطلاحات اور طریقہ کار کو سمجھیں، اور یہ بھی کہ تاریخ کو مختلف مقاصد کے لیے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوالات: مختصر اور مضمون

مختصر سوالات (QuestionsShort)

1. تاریخ اور اس کا مفہوم
2. تاریخ نویسی (Historiography)
3. تاریخ کی اہمیت
4. تاریخ کی معنویت
5. تاریخ کی اخلاقی قدر
6. تاریخ کی طاقت

تفصیلی سوالات (QuestionsEssay)

7. ہماری زندگی اور ملک میں تاریخ کا مقصد و اہمیت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
8. تاریخ کے مطالعہ کا دائرہ کار کیا ہے؟ بحث کریں۔
9. تاریخ کے استعمالات کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
10. ضمنی علوم (SciencesAuxiliary) کیا ہیں اور تاریخ کے مطالعہ میں ان کا کردار کیا ہے؟
11. تاریخ کے استاد کا کردار کیا ہے؟
12. تاریخ کو بطور مضمون پڑھانا کیوں ضروری ہے؟ اپنی زبان میں وضاحت کریں۔

باب 2

ہندوستان کی تاریخی شناخت

جغرافیائی خصوصیات، ماحولیاتی عوامل اوران کا ہندوستان کی تاریخ پر اثر

تنوع میں اتحاد– تاریخ کے مطالعہ کے ذرائع

2.1 تعارف

ہندوستان کی تاریخ ہمیں قدیم دور سے مختلف شناختوں کی معلومات فراہم کرتی ہے۔ ہندوستان کی جغرافیائی خصوصیات اور ماحولیاتی عوامل نے ملک کی ترقی، خوشحالی اور حملہ آوروں کی یلغار پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تاریخ کو سوشیل سائنس کے طور پر منظّم طریقے سے پڑھنے کے کئی ذرائع موجود ہیں۔

2.2 مقاصد

☆ ہندوستان کی مختلف ادوار میں شناخت کو جاننا

☆ جغرافیہ اور اس کے ثقافت، تہذیب اور حملوں پر اثرات کو سمجھنا

☆ ماضی کے مطالعہ کے ذرائع کو اجاگر کرنا

☆ BCE,AD,BC, اور CE جیسے اصطلاحات کا علم حاصل کرنا

2.3 سیکھنے کے نتائج

☆ جغرافیہ اور تاریخ کا قریبی تعلق

☆ ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا

☆ شناخت اور تبدیلی

☆ ماضی کو جاننے کے لیے ذرائع کی اہمیت اور ثبوت

2.4 مختلف ادوار میں ہندوستان کی تاریخی شناخت

26 جنوری 1950 کو جمہوریہ حاصل کرنے تک ہندوستان کی مختلف وجوہات کی بناء پر صدیوں سے مختلف شناخت تھی، یہ کبھی کبھی جغرافیائی اور کبھی کبھی تاریخی وجوہات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جمہوریہ ہند کے دو اہم نام ہیں–'انڈیا یعنی بھارت' جو ہمارے آئین ہند میں مذکور ہے۔

☆ ملوحہ– تجارت سے مالا مال سرزمین

☆ جمبو dweep–بدھ دور اور موریہ سلطنت میں استعمال

☆ بھارت–قدیم زمانے سے معروف

☆ انڈیکا (Indica)– میگستھینیز کی تحریر

☆ ہند–دریائے سندھ (Sindhu) سے ماخوذ، فارسی میں "س" کو "ہ" پڑھا جاتا ہے

☆ انڈیا (India)–یونانیوں اور بعد میں یورپی اقوام نے استعمال کیا، انڈس ویلی تہذیب کے حوالے سے

2.5 ہندوستان کی جغرافیائی خصوصیات

تاریخ کا جغرافیہ سے گہرا تعلق ہے۔ جغرافیائی خصوصیات کے بنیادی علم کے بغیر تاریخ کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ کے حوالے کے بغیر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ جغرافیہ کسی خطے کی تاریخ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کسی خطے کی جسمانی خصوصیات لوگوں کی زندگی گزارنے کے طریقے، ان کی ثقافت، معیشت اور مجموعی ترقی کو متاثر کرتی ہیں۔ ہندوستان عظیم جغرافیائی تنوع اور خصوصیات کی سرزمین ہے جس نے اس کے باشندوں کو متاثر کیا۔

ہندوستان کی جغرافیائی تقسیم درج ذیل ہے:

1. ہمالیائی پہاڑیاں
2. شمالی میدان
3. سطح مرتفع دکن
4. تھر کا ریگستان
5. ساحلی میدان
6. جزائر– لکشدیپ اور انڈمان ونکوبار

2.6 ماحولیاتی عوامل

ماحول کی تعریف ہر اس چیز کے طور پر کی جا سکتی ہے جو ہمارے اردگرد موجود ہو۔ ہمارا ماحول جاندار اور غیر جاندار عناصر پر مشتمل ہوتا ہے، جنہیں ماحولیاتی حیاتیاتی (Biotic) اور غیر حیاتیاتی (Abiotic) اجزا کہا جاتا ہے۔ ماحولیاتی عوامل ہر وہ چیز شامل کرتے ہیں جو قدرتی ماحول کو تبدیل کرتی ہے۔ کچھ عناصر نظر آتے ہیں، جبکہ کچھ نظر نہیں آتے۔ ہوا، پانی، آب و ہوا، مٹی، قدرتی نباتات اور زمینی ساخت سب ماحولیاتی عوامل ہیں۔ یہ عوامل روزمرہ زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور مختلف جغرافیائی علاقوں میں صحت کے تفاوت کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ہندوستان میں مختلف اقسام کی مٹی پائی جاتی ہے۔ مٹی ہوا، پانی، چٹانوں، اور جانداروں کے درمیان ربط پیدا کرتی ہے اور قدرتی دنیا میں متعدد افعال انجام دیتی ہے، جنہیں ماحولیاتی خدمات (Services) کہا جاتا ہے۔

بھارت میں مختلف آب وہوا پائی جاتی ہے، جو قطبی (Polar)، معتدل (Temperate)، اور استوائی (Tropical) اقسام پر مشتمل ہے۔ شمالی ہندوستان کے پہاڑی علاقوں میں شدید سردی اور برفباری ہوتی ہے۔ راجستھان کے میدانوں میں شدید گرمی اور ریت کے طوفان آتے ہیں۔ ساحلی علاقے تیز ہواؤں کے طوفانوں کا سامنا کرتے ہیں۔ شمال مشرق کے ہمیشہ سرسبز بارانی جنگلات خطے میں زیادہ بارش کا نتیجہ ہیں۔ یہ قدرتی حالات بھارت کو مختلف زمینی اکائیوں میں تقسیم کرتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی اپنی ثقافت ہوتی ہے، جو تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

لہٰذا، بھارتی زمین کی عمومی خصوصیات اور تاریخی دور میں ان میں آنے والی تبدیلیاں مختلف علاقوں میں انسانی بستیوں کی اقسام اور ان کی ترقی کا تعین کرتی ہیں۔

2.6.1 مقام اور آب وہوا

کسی بھی علاقے کا محل وقوع اس کی آب وہوا، نباتات، اور قدرتی وسائل کو متعین کرتا ہے۔ وہ خطہ جس میں موافق آب وہوا اور وافر قدرتی وسائل ہوں، وہاں زرعی اور صنعتی ترقی ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، وادی؟ سندھ کی زرخیز زمین اور موزوں آب وہوا نے ایک انتہائی ترقی یافتہ اور خوشحال تہذیب کے فروغ میں مدد دی۔

2.6.2 قدرتی وسائل

قدرتی وسائل جیسے کہ معدنیات، جنگلات، اور آبی ذخائر بھی کسی علاقے کی تاریخ کو شکل دینے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ وسائل علاقے کی معاشی سرگرمیاں متعین کرتے ہیں، جو بالآخر اس کی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر، مشرق وسطیٰ میں تیل کی دریافت نے اس علاقے کو زرعی معیشت سے صنعتی اور دولت مند معاشرے میں تبدیل کر دیا۔

2.6.3 نقل وحمل اور تجارت

دریاؤں، پہاڑوں، اور ساحلی علاقوں جیسے جغرافیائی عوامل کسی خطے کی نقل وحمل اور تجارتی راستوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نقل و حمل اور تجارتی آسانی مختلف علاقوں کے درمیان تعلقات، ثقافتی تبادلے، اور سماجی ترقی کا تعین کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، سلک روڈ چین کو یورپ سے جوڑتی تھی اور اشیاء، خیالات، اور ثقافت کے تبادلے کو فروغ دیتی تھی۔

2.6.4 دفاع اور سلامتی

جغرافیہ کسی خطے کی دفاعی حکمت عملی اور سلامتی پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ قدرتی رکاوٹیں جیسے کہ پہاڑ، صحرا، اور سمندر بیرونی حملوں اور غیر ملکی اثرات سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ بھارت اور چین کے درمیان ایک قدرتی رکاوٹ کے

طور پر کام کرتا ہے اور ان کی منفرد ثقافتی شناخت کو قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

2.7 اہم اثرات

ہندوستان نے اپنی جغرافیائی محل وقوع، قدرتی حالات، اور خصوصیات کے ذریعے ثقافت، تہذیب، ریاستوں اور سلطنتوں کی نشو ونما اور پھیلاؤ کا مشاہدہ کیا، جس نے سیاسی، اقتصادی، اور سماجی وثقافتی پہلوؤں پر گہرا اثر ڈالا۔

ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ ہندوستان کو سائبریا اور وسطی ایشیا سے آنے والی سرد ہواؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ بیرونی حملوں سے بھی بچاؤ فراہم کرتا ہے، لیکن خیبر، گومل، اور بولان درّے آمدورفت کے لیے آسان رسائی فراہم کرتے ہیں۔ یونانی، ہن، پارتھی، ترک، اور ساکا انہی درّوں کے ذریعے برصغیر میں داخل ہوئے۔ سکندرِ اعظم سوات وادی کے راستے آیا۔ ان درّوں نے تجارت اور ثقافتی تعلقات کو بھارت اور وسطی ایشیا کے درمیان فروغ دیا۔

☆ مشرقی ہمالیہ میں گھنے جنگلات اور شدید بارشیں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے کئی علاقے باقی علاقوں سے کٹے ہوئے ہیں۔ وندھیا اور ساتپُرا پہاڑیاں نرمدا اور تپتی دریاؤں کے ساتھ تقسیم کی لکیر بناتی ہیں۔ ان کے جنوب میں دکن کا میدان ہے، جو آتش فشانی چٹانوں پر مشتمل ہے۔ ان چٹانوں کو تراشنا آسان ہے، جس کی وجہ سے یہاں پتھروں میں تراشے گئے مندروں اور خانقاہوں کی بھرمار ہے۔ مشرقی اور مغربی گھاٹ اس خطے کے دونوں اطراف ہیں۔

☆ کورومنڈل ساحل مشرقی گھاٹ اور خلیج بنگال کے درمیان واقع ہے۔ مغربی اور مشرقی گھاٹ نیلگیری پہاڑوں پر آپس میں ملتے ہیں۔ دکن کا میدان شمال اور جنوب کو جوڑنے والا پل ہے، لیکن وندھیا کے گھنے جنگلات کی وجہ سے یہاں کی ثقافت اور زبان جغرافیائی تنہائی کے سبب محفوظ رہی۔

☆ جنوب میں پالگھاٹ درّہ کویری وادی سے مالابار ساحل تک ہندوستان-رومی تجارت کے لیے مشہور تھا۔ مشرقی گھاٹ کم اونچائی والے ہیں اور تیز بہنے والے دریاؤں کی وجہ سے کچھ جگہوں پر کٹے ہوئے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے زیادہ تر دریاؤں کا رخ مغرب سے مشرق کی طرف ہے، جبکہ نرمدا اور تپتی کے دریاؤں کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہے، اور یہ دریائیں ایک دوسرے کے متوازی بہتی ہیں۔

☆ کرشنا-تُنگبھدرا دوآب اپنی زرخیزی کے باعث جنوبی ریاستوں کے درمیان تنازع کا مرکز رہا ہے۔ طویل ساحلی پٹی کی وجہ سے جنوبی ریاستوں نے یونانی-رومی تہذیبوں کے ساتھ ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم کیے۔

ہندوستانی تاریخ مختلف خطوں کی تاریخ کے طور پر ترقی پاتی رہی ہے۔ تاریخی ارتقا کے عمل میں یہ خطے اپنی منفرد ثقافتی خصوصیات اختیار کرتے گئے۔ ہر علاقے کی زبان، فنون لطیفہ، سماجی رسم ورواج، اور معاشرتی روایات ایک دوسرے سے مختلف تھیں، جس کی وجہ سے جغرافیائی خطوں میں تاریخی ترقی کے عدم توازن کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

2.8 وحدت میں تنوع

لفظ "تنوع" لاطینی لفظ 'diversus' سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب اختلافات ہے۔ متنوع یعنی ایک دوسرے سے مختلف اور منفرد خصوصیات، اوصاف، یا عناصر پر مشتمل۔ بھارت، جو وسیع رقبہ اور بڑی آبادی والا ملک ہے، لامحدود جسمانی خصوصیات اور ثقافتی انداز پیش کرتا ہے۔ یہ نسل، مذہب، ذات، زبان، اور دیگر پہلوؤں میں تنوع رکھنے والا ملک ہے۔

ہندوستان میں تنوع کو متاثر کرنے والے اہم عوامل درج ذیل ہیں:

☆ جنسی فرق ☆ نسلی فرق

☆ لسانی تنوع ☆ مذہبی تنوع

ہندوستان کی جامع ثقافت تنوع، تخلیقی صلاحیت، اور مضبوطی کا بیش بہا خزانہ ہے، جو اسے رنگا رنگ اور ہم آہنگ معاشرہ بناتا ہے۔ بھارتی تاریخ میں ثقافتی امتزاج دیکھا گیا، جہاں مقامی اور غیر ملکی اثرات ایک دوسرے سے مدغم ہوئے۔ یہ ثقافتی امتزاج وسطی ایشیا، فارس، یونان اور دیگر تہذیبوں سے اخذ کیا گیا، جس نے فن، تعمیرات، موسیقی، اور ادب کو مالا مال کیا۔

ہندوستانی جامع ثقافت کثیر ثقافتی اقدار کو فروغ دیتی ہے۔ یہ مختلف مذاہب، زبانوں، اور روایات کے لوگوں کو متحد کرتی ہے، جس سے قومی شناخت پیدا ہوتی ہے اور علاقائی فرق کا احترام برقرار رکھا جاتا ہے۔

2.9 تاریخ کے مطالعہ کے ذرائع

"تاریخ بغیر حقائق کے بے بنیاد ہے... اور حقائق بغیر تاریخ کے مردہ اور بے معنی ہیں۔" — E.H. Carr

تاریخی ذرائع ہر قسم کے شواہد پر مشتمل ہوتے ہیں جو انسانوں کے ماضی کی سرگرمیوں کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ تاریخ کے ذرائع وہ طریقے ہیں جن کے ذریعے تاریخی معلومات محفوظ اور نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔ تاریخی ذرائع کو ثبوت (evidence) بھی کہا جاسکتا ہے۔

تاریخی ذرائع

ابتدائی ذرائع وہ ہوتے ہیں جو کسی تاریخی واقعے کو دیکھنے یا تخلیق کرنے والے شخص نے لکھے یا تیار کیے ہوں۔ یہ اصل دستاویزات، تخلیقی کام، متعلقہ دورانیے میں شائع شدہ مواد، ادارہ جاتی اور حکومتی دستاویزات، آثار، اوزار، خطوط، ڈائریاں، تقاریر، یادگاریں، تعمیرات، نقاشی اور تصاویر پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ابتدائی (تاریخی) ذرائع کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے: (A) ادبی ذرائع (B) آثارِ قدیمہ کے ذرائع

(A) ادبی ذرائع

ادبی ذرائع انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ہمیں سیاست، جنگیں، انتظامیہ، تجارت و کاروبار، مذہبی روایات، سائنسی ترقی، ثقافتی ارتقا، معاشرتی امور، خواتین کا مقام، کھیل، لباس، طرزِ زندگی، عمارتیں اور تعمیرات کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔

ادبی اور آثارِ قدیمہ کے ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کے ذریعے ماضی کو دریافت کرنا ایک رومانوی مہم کی مانند ہوتا ہے، جس میں مؤرخین اور ماہرین آثارِ قدیمہ چھوٹے چھوٹے شواہد کو جوڑ کر تصویر مکمل کرتے ہیں۔ یہ ماہرین سراغ رساں کی طرح ان ذرائع کو اشارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ ہماری تاریخ کے رازوں کو کھولا جا سکے۔ ان ذرائع کا تجزیہ اور تشریح نہ صرف ماضی کے مطالعے کو نظم و ضبط اور ترتیب فراہم کرتی ہے بلکہ موجودہ دور میں بہتر مستقبل کے لیے حوالہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

(A) ادبی ذرائع

ادبی ذرائع درج ذیل طریقوں سے مطالعہ کیے جاتے ہیں:

- کتبے (Inscriptions)
- مقامی تحریریں (Indigenous works)
- خودنوشت (Autobiographies)
- سوانح عمریاں (Biographies)
- قلمی نسخے (Manuscripts)
- مذہبی ادب (LiteratureReligious)
- بدھ اور جینی ادب
- سنگم ادب
- غیر مذہبی ادب (Secular Literature)
- تخلیقی ادب (Creative Literature)
- سائنسی ادب (Scientific Literature)
- علاقائی زبانوں میں ادب (Literature in regional Languages)
- لوگوں کی ڈائریاں (Diaries of people)
- مسافروں اور زائرین کے غیر ملکی بیانات
- ریاستِ ہندوستان سے قبل کے اخبارات

- کتابچے (Booklets)
- رہنماؤں اور اصلاح پسندوں کی تحریریں
- شاعروں اور ناول نگاروں کی تحریریں

(B) آثارِ قدیمہ کے ذرائع

آثارِ قدیمہ کے ذرائع مختلف طریقوں سے دستیاب ہوتے ہیں، جیسے کھوج، کھدائی، کتبہ نویسی، سکّے، یادگاریں، مادی باقیات** وغیرہ۔ ادبی ذرائع کے ساتھ ساتھ آثارِ قدیمہ کے ذرائع ہندوستانی تاریخ کے احیاء میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ ہمیں ان پہلوؤں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے، جو ادبی متون میں واضح طور پر مذکور نہیں ہوتے۔

ماہرین آثارِ قدیمہ پتھر اور اینٹوں سے بنی عمارات، مصوری، مجسمہ سازی، کھدائی کے دوران دریافت شدہ اوزار، ہتھیار، برتن، زیورات، سکّے وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان اشیاء میں پتھر، ہڈی، پکّی مٹی، دھات وغیرہ شامل ہوسکتی ہیں۔ جو اشیاء سخت اور مضبوط مواد سے بنی ہوتی ہیں، وہ طویل عرصے تک محفوظ رہتی ہیں۔

یہ ذرائع ہمیں درج ذیل امور پر معلومات فراہم کرتے ہیں جیسے لوگوں کی روزمرہ زندگی، حکمران اور انتظامی پالیسیاں، شہری انجینئرنگ میں ترقی، زبان اور تحریری نظام، معاشی خوشحالی، دیگر ریاستوں اور ممالک سے تعلقات، مذہبی روایات، ثقافتی مادیات، تعلیم، سائنس، گزشتہ ادوار کی مجموعی ترقی۔

آثارِ قدیمہ کے ذرائع درج ذیل زمروں میں مطالعہ کیے جاتے ہیں:

☆ کتبے (Inscriptions) مختلف مواد پر تحریریں
☆ مادی باقیات -تعمیرات اور دیگر اشیاء
☆ سکّہ شناسی (Numismatics) مختلف ادوار میں زیرِ استعمال سکّے
☆ مہریں (Seals) - وادی سندھ کی مہریں
☆ مٹی کے برتن (Potteries) - مختلف ثقافتوں اور زمینوں سے تعلق
☆ یادگاریں (Monuments) - مذہبی اور غیر مذہبی عمارات
☆ غاریں (Caves) - بدھ مت کی غاریں وغیرہ
☆ مجسمے (Sculptures) - بدھ اور حکمرانوں کے مجسمے
☆ تصاویر (Paintings) چٹانوں پر بنی، باریک کاریگری کی گئی، اور دیگر نقاشی

ثارِ قدیمہ کی دریافت شدہ اشیاء کتبے، سکّے اور دیگر مادی باقیات قدیم ہندوستان کی تاریخ کو زیادہ جامع اور جامع انداز میں تحریر کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. محل وقوع اور آب وہوا
2. قدرتی وسائل
3. نقل وحمل اور تجارت
4. دفاع اور تحفظ
5. BC
6. AD
7. CE
8. تحریری نظام (Script)

تفصیلی سوالات (مضمون نویسی)

9. ہندوستان اور اس کی تاریخی شناخت پر مضمون لکھیں۔
10. بھارت کی جغرافیائی خصوصیات کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
11. ماحولیاتی عوامل جو عوام کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں؟
12. ہندوستان کی تاریخ پر جغرافیہ کا کیا اثر پڑا؟ وضاحت کریں۔
13. تاریخ پر بڑے جغرافیائی اثرات کیا ہیں؟ تفصیل بیان کریں۔
14. ابتدائی ذرائع کیا ہیں؟ تفصیلات فراہم کریں۔
15. ثانوی ذرائع کیا ہیں؟ تفصیلات فراہم کریں۔
16. ادبی ذرائع کیا ہیں؟ فہرست مہیا کریں۔
17. آثارِ قدیمہ کے ذرائع کی فہرست مرتب کریں۔
18. قدیم ہندوستان میں استعمال ہونے والے تحریری نظام پر مضمون لکھیں۔

باب 3

قبل از تاریخ اور ابتدائی تاریخ:
قدیم ہندوستان میں معاشروں کی بنیاد، وادی سندھ کی تہذیب: پہلی شہری بستیاں

3.1 تعارف

ہندوستان میں انسانی آبادیوں کی تاریخ قبل از تاریخ دور تک جاتی ہے۔ ماضی کے مطالعے کا مقصد موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور مستقبل پر اس کے اثرات کو سمجھنا ہے۔ لہٰذا، بھارت کی تاریخ کو ابتدا سے جاننا ضروری ہے، یعنی قبل از تاریخی دور سے۔ انسانی ارتقاء کو مہذب سطح تک پہنچنے میں ہزاروں سال لگے۔ تقریباً 300,000 سال کا عرصہ لگا جب ابتدائی انسان نے خوراک اکٹھا کرنے والے سے خوراک پیدا کرنے والے تک کا سفر طے کیا۔ اس کے بعد انسان نے تیزی سے ثقافتی ترقی کی اور مہذب زندگی کی طرف قدم بڑھایا۔

3.2 مقاصد

- پتھر کے زمانے میں انسانی زندگی کو اجاگر کرنا اور تمدن کی طرف پیش رفت
- یہ سمجھنا کہ ابتدائی دور میں انسان کیسے زندگی گزارتا تھا
- پتھر کے زمانے میں ترقی اور ثقافت کی جانب پیش رفت
- مختلف پتھر کے زمانوں کی خصوصیات
- ابتدائی تاریخ - پتھر کا زمانہ اور دھات کے زمانے کے درمیان ربط
- انسانی پہلی شہری زندگی کو اجاگر کرنا

3.3 سیکھنے کے نتائج

- شکار اور چرواہے کی زندگی کے بارے میں علم حاصل کرنا
- پتھر کے زمانے سے تمدن کی طرف پیش رفت
- ہندوستان کے مختلف جغرافیائی علاقوں میں زراعت اور مٹی کے برتن بنانے کی ثقافتی ترقی
- تمدن میں شہر کا منصوبہ بندی اور نکاسی آب کا نظام
- 5000 سال قبل صفائی ستھرائی اور حفظان صحت کے انتظامات
- تجارت اور معاشرتی ترقی

3.4 قبل از تاریخ

ہندوستان میں انسانی آبادیوں کی تاریخ قبل از تاریخی دور تک جاتی ہے۔ ماضی کے مطالعے کا مقصد موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور مستقبل پر اس کے اثرات کو سمجھنا ہے۔ لہٰذا، بھارت کی تاریخ کو ابتدا سے جاننا ضروری ہے، یعنی قبل از تاریخی دور سے۔

انسانی ارتقاء کو مہذب سطح تک پہنچنے میں ہزاروں سال لگے۔ تقریباً 300,000 سال کا عرصہ لگا جب ابتدائی انسان نے خوراک اکٹھا کرنے والے سے خوراک پیدا کرنے والے تک کا سفر طے کیا۔ اس کے بعد انسان نے تیزی سے ترقی کی۔

3.4.1 پیلیولتھک دور (300,000 سے 10,000 قبل مسیح)

قبل از تاریخ دور اور جغرافیائی مقامات کے مطالعے میں پہلا دور پیلیولتھک (Palaeolithic) یعنی قدیم پتھر کا زمانہ کہلاتا ہے۔ "پیلیولتھک" دو یونانی الفاظ 'paleo' (قدیم) اور 'lithic' (پتھر) سے ماخوذ ہے۔ اس طرح، یہ "قدیم پتھر کا زمانہ" کہلاتا ہے۔

3.4.2 میسولتھک دور (10,000 سے 6000 قبل مسیح)

اگلا دور میسولتھک (Mesolithic) یعنی درمیانی پتھر کا زمانہ کہلاتا ہے، جو تقریباً 10,000 ق م سے 6000 ق م تک محیط ہے۔ یہ دور پیلیولتھک اور نیولتھک دور کے درمیان ایک عبوری مرحلہ تھا۔ چٹانوں پر بنی تصویریں اور نقاشی میسولتھک دور کے لوگوں کی معاشرتی زندگی اور معاشی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔

3.4.3 نیولتھک دور (6000 سے 4000 قبل مسیح)

پتھر کے زمانے کی تیسری تاریخی مدت نیولتھک (Neolithic) یعنی جدید پتھر کا زمانہ کہلاتی ہے۔ "نیولتھک" کا ماخذ یونانی الفاظ 'neo' (نیا) اور 'lithic' (پتھر) ہے۔ اس دور میں انسانی تمدن میں نمایاں ترقی دیکھی گئی۔ نیولتھک دور میں معاشی اور سماجی زندگی میں بنیادی تبدیلیاں متعارف ہوئیں۔ اسی دور میں انسان "خوراک جمع کرنے والے" سے "خوراک پیدا کرنے والے" میں تبدیل ہوا۔

3.5 تاریخ ہند کی ابتداء

ابتدائی تاریخی دور میں، بھارت نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس کے ثقافتی خدوخال مشرقِ وسطیٰ، یورپ اور چین سے بالکل مختلف تھے۔ ماحولیاتی عوامل کی مدد سے، کچھ بھارتی گروہ 7000 سے 6000 قبل مسیح میں پتھر کے دور سے زرعی ثقافت میں داخل ہو گئے۔ ہندوستان میں شہری زندگی کی بنیادیں، شہر- ریاستوں اور وسیع پیمانے پر پھیلی کانسی کے دور کی ثقافت نے دریائی وادیوں میں انقلاب برپا کیا، جس نے قدیم بھارتی معاشروں کو اتنا ہی متاثر کیا جتنا کہ میسوپوٹیمیا، مصر اور چین میں ہوا۔

3.5.1 دھات کا دور: چالکولتھک دور (کاپر- پتھر کا دور)

نیولتھک دور کے بعد چالکولتھک دور آیا، جب تانبے اور کانسی کا استعمال شروع ہوا۔ دھات کو پگھلانے اور دھات کی اشیاء

تیار کرنے کی نئی ٹیکنالوجی انسانی تہذیب میں ایک اہم ترقی تھی۔اس چالکولتھک تہذیب میں پتھر کے ساتھ ساتھ تانبے کے اوزار، ہتھیار اور دیگر اشیاء بھی وافر مقدار میں استعمال کی جاتی تھیں۔اس لیے اسے چالکولتھک دور کہا جاتا ہے۔

3.6 کانسی کا دور

3.6.1 وادی سندھ کی تہذیب: بھارت میں شہری زندگی کی ارتقا

وادی سندھ کی تہذیب ایک کانسی کا دور کی تہذیب تھی (3300–1300 قبل مسیح؛ ترقی یافتہ دور 2600–1900 قبل مسیح)۔ یہ قدیم دنیا کی تین بڑی تہذیبوں میں شامل تھی اور ان سب میں سب سے زیادہ وسیع تھی، جس کا رقبہ 1.25 ملین مربع کلومیٹر پر مشتمل تھا۔ یہ سندھ ندی کے طاس میں فروغ پائی، جو ایشیا کے بڑے دریاؤں میں سے ایک ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کو ہڑپہ تہذیب بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ہڑپہ پہلا مقام تھا جہاں 1920 کی دہائی میں کھدائی ہوئی۔

3.6.2 وادی سندھ تہذیب کا جغرافیائی پھیلاؤ

بابا صاحب ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر کے مطابق: "بھارت کی جغرافیائی محل وقوع اسے دنیا کی ابتدائی تہذیبوں میں شامل ہونے کے لیے موزوں بناتی ہے۔" 'بھارت' نام 'سندھ' ندی سے ماخوذ ہے، اور اس کی وادی نے ایک ترقی یافتہ زندگی کا ماحول فراہم کیا، جس کے گرد لوگ قدیم دور میں آباد ہوئے۔ وادی سندھ کی تہذیب جغرافیائی لحاظ سے چار بڑی دریائی تہذیبوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی۔اس کا مرکز سندھ، ہریانہ اور پنجاب تھا۔

- مغرب میں: اس کا آخری پھیلاؤ سُتکتا جندور (دشت ندی، بلوچستان) میں تھا، جو اس کی مغربی سرحد سمجھی جاتی ہے۔
- مشرق میں: عالمگیر پور (ہنڈون ندی، میرٹھ، اُتر پردیش) اس کی مشرقی سرحد قرار دی جاسکتی ہے۔
- شمال میں: یہ مانڈا (چناب ندی، جمّوں وکشمیر) تک پھیلی ہوئی تھی۔
- جنوب میں: اس کا دائرہ دایم آباد (احمد نگر، شمالی مہاراشٹر) تک تھا، جہاں کانسی کی چار مورتیوں کی دریافت ہوئی۔

3.6.3 وادی سندھ کی تہذیب کے بڑے شہر

جان مارشل کو وادی سندھ کی تہذیب کی دریافت کا کریڈٹ دیا جاتا ہے۔انہوں نے ہڑپہ تہذیب کی شناخت کی اور 20 ستمبر 1924 کو Illustrious London News میں شائع کیا۔1999 تک، 1056 سے زیادہ شہر اور بستیاں دریافت ہو چکی تھیں، جن میں سے 96 کی کھدائی مکمل کی جا چکی تھی، زیادہ تر سندھ اور اس کی معاون ندیوں کے علاقوں میں۔

ان بستیوں میں درج ذیل بڑے شہری مراکز شامل تھہ ہڑپہ، موہنجوداڑو (یونیسکو ورثہ سائٹ)، دھولاویرا، گنیر یوالا (چولستان) راکھی گڑھی (سب سے بڑا مقام، 350 ہیکٹر رقبے پر مشتمل)، ہڑپہ کی زبان براہ راست محفوظ نہیں ہوئی ہے، اور اس کی

شناخت نامعلوم ہے کیونکہ وادی سندھ کے رسم الخط کو ابھی تک نہیں سمجھا جا سکا۔

3.7 شہریانہ کی خصوصیات

وادی سندھ کی تہذیب میں ترقی یافتہ اور جدید شہری ثقافت نمایاں تھی، جس نے اس خطے میں پہلی شہری بستیاں قائم کیں۔ منظّم شہری منصوبہ بندی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہاں شہری حکمرانی اور صفائی ستھرائی پر زور دیا گیا تھا یا یہ مذہبی رسومات کی سہولت کی وجہ سے تھا۔ ہڑپہ کی تہذیب انسانی جدوجہد میں مہذب معاشرت کی طرف ایک عظیم سنگِ میل تھی۔

وادی سندھ کے لوگ دنیا کو اس کے ابتدائی شہر، پہلی شہری منصوبہ بندی، پتھر اور مٹی کی ابتدائی تعمیرات، ابتدائی صفائی کے نظام اور نکاسی آب کے پہلے نمونے دیے"— رادھا کمل مکھرجی (1889-1968)، ہندوستانی سماجیات کے بانیوں میں شامل، معروف سماجی سائنسدان یہ غیر معمولی شہری خصوصیات دنیا بھر میں جغرافیائی سرحدوں اور ثقافتی عوامل کے حوالے سے گہری دلچسپی کا باعث بنیں۔

شہری منصوبہ بندی

ہڑپہ کی ثقافت گرڈ سسٹم کی شہری منصوبہ بندی سے منفرد تھی۔ اس میں گلیاں اور سڑکیں تقریباً ایک دوسرے کو سیدھے زاویے پر کاٹتی تھیں، جس سے شہر کئی مستطیل بلاکس میں تقسیم ہوتا تھا۔ ہڑپہ، موہنجودڑو اور کالی بنگان ہر ایک میں اونچی مٹی کی اینٹوں کے پلیٹ فارم پر قلعہ موجود تھا۔ قلعے کے نیچے عام لوگوں کی رہائش گاہیں تھیں۔ زیادہ تر تعمیرات میں پکائی ہوئی اینٹوں کا وسیع پیمانے پر استعمال اور پتھر کی عمارتوں کی غیر موجودگی ہڑپہ کی تہذیب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

نکاسی آب کا نظام

زیر زمین نکاسی آب کا نظام وادی؟ سندھ کی تہذیب کی ایک غیر معمولی خصوصیت تھا۔ یہ دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا، یہاں تک کہ روم بھی اس سطح کا نظام نہیں رکھتا تھا۔ نالیوں کو پتھر کی سلوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔ گھروں سے پانی گلیوں کی نالیوں میں بہتا تھا۔ نالیوں میں باقاعدہ وقفوں پر گڑھے (مین ہول) بنائے گئے تھے۔

موہنجودڑو میں عظیم حمام

موہنجودڑو کا سب سے اہم عوامی مقام "عظیم حمام" تھا، جس کے ابعاد درج ذیل تھے 39 فٹ لمبائی، 23 فٹ چوڑائی، 8 فٹ گہرائی۔ حمام کے دونوں اطراف سیڑھیاں تھیں، جو سطح تک لے جاتی تھیں۔ کپڑے بدلنے کے لیے سائیڈ روم موجود تھے۔ حمام پکی ہوئی اینٹوں سے بنا تھا، اور پانی قریبی بڑے کنویں سے لیا جاتا تھا۔ یہ رسمی غسل کی جگہ کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا۔

غلہ گودام (گریزی)

موہنجودڑو میں سب سے بڑی عمارت غلہ گودام تھی، جس کی لمبائی 150 فٹ اور چوڑائی 50 فٹ تھی۔ جبکہ ہڑپہ میں قلعے کے اندر چھے بڑے غلہ گودام موجود تھے۔

صفائی کا نظام

ہڑپہ، موہنجودڑو اور حال ہی میں جزوی طور پر کھودا گیا راکھی گڑھی دنیا کا پہلا شہری صفائی کا نظام رکھنے والے شہروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انفرادی یا گروہی گھروں کو پانی کنوؤں سے ملتا تھا۔ نکاسی کا انتظام گلیوں کی نالیوں سے منسلک کیا جاتا تھا، اور گھروں کے دروازے صرف اندرونی صحنوں یا چھوٹی گلیوں کی طرف کھلتے تھے۔

ہڑپہ کی تعمیرات

ہڑپہ کی ترقی یافتہ تعمیراتی صلاحیت ان کی شاندار گودیوں، غلہ گوداموں، گوداموں، اینٹوں کے پلیٹ فارمز، اور حفاظتی دیواروں سے واضح ہوتی ہے۔ وادی سندھ کے شہروں کی مضبوط دیواریں ممکنہ طور پر انہیں سیلاب سے محفوظ رکھتی تھیں اور شاید فوجی تنازعات کو روکنے میں مدد دیتی تھیں۔ اگرچہ کچھ گھر دوسرے سے بڑے تھے، لیکن وادی؟ سندھ کی تہذیب ایک نمایاں طور پر مساوات پسند معاشرتی نظام رکھتی تھی۔ تمام گھروں کو پانی اور نکاسی آب کی سہولت حاصل تھی، جو اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ یہاں دولت کی شدید تقسیم نہیں تھی، اگرچہ زیورات اور ذاتی زیب وزینت میں سماجی درجے کا کچھ فرق نظر آتا ہے۔

تجارت

شہری باشندے زیادہ تر تاجر یا کاریگر ہوتے تھے، جو ایک ہی پیشے سے وابستہ افراد کے ساتھ مخصوص محلوں میں رہتے تھے۔ دور دراز علاقوں سے حاصل شدہ مواد شہروں میں مہریں، موتیوں، اور دیگر اشیاء بنانے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ شاندار شفاف "فیانس" موتی اور "اسٹیٹائٹ" مہریں دریافت کی گئی ہیں، جن پر جانوروں، افراد (شاید دیوتاؤں)، اور دیگر نقوش کندہ ہیں۔ وادی سندھ کی مہریں تجارتی مال پر مٹی کی مہر لگانے کے لیے استعمال ہوتی تھیں، اور شاید دیگر مقاصد بھی پورے کرتی تھیں۔ لوتھل میں دریافت شدہ گودی وادی سندھ کی تہذیب کے سمندر پار تعلقات اور تجارتی وسعت کو ثابت کرتی ہے۔

سماجی اور ثقافتی زندگی

ہڑپہ اور موہنجودڑو کے کھنڈرات اور دریافت شدہ شواہد وادی سندھ کی سماجی و ثقافتی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتاتے ہیں۔ یہ تہذیب مختلف نسلوں کے لوگوں کا شاندار امتزاج تھی۔ شہری ثقافت کا اثر سماجی زندگی پر نمایاں تھا۔ ان کی شہری زندگی انتہائی منظّم اور سائنسی تھی۔ انہوں نے صفائی پر خصوصی توجہ دی، جسے ان کی منصوبہ بندی سے ثابت کیا گیا۔

مرد وخواتین کا لباس دو ٹکڑوں پر مشتمل تھا، ایک اوپری اور ایک نچلا لباس۔ موتیوں اور زیورات کا استعمال عام تھا۔ زیورات میں کنگن، کڑا، پٹی، کمر بند، پازیب، بالیاں، اور انگوٹھیاں شامل تھیں۔ یہ زیورات سونے، چاندی، تانبے، کانسی اور قیمتی پتھروں سے بنے تھے۔ آرائش و زیبائش کا استعمال عام تھا۔ گھریلو سامان، مٹی، پتھر، سیپ، ہاتھی دانت اور دھات سے تیار کردہ اشیاء موہنجودڑو میں دریافت ہوئی ہیں۔ بچوں کے کھلونے مٹی کی گاڑیوں پر مشتمل تھے، جبکہ چِیّے، گیند اور نرد (ڈائس) کھیلنے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ ماہی گیری ایک عام پیشہ تھا، جبکہ شکار اور بیل لڑائی دیگر مشاغل میں شامل تھے۔ جنگی ہتھیاروں میں کلہاڑیاں، نیزے، خنجر، تیر کمان، اور کانسی و تانبے سے بنی تلواریں دریافت ہوئی ہیں۔

فنون لطیفہ

ہڑپہ کے مجسمہ سازی میں اعلیٰ درجے کی مہارت نظر آتی ہے۔ مرد وخواتین، جانوروں اور پرندوں کی مٹی کے مجسمے، مہروں پر نقش و نگار میں ماہر کاریگری، موہنجودڑو سے دریافت شدہ کانسی کی رقص کرتی ہوئی لڑکی، ہنرمندی میں نمایاں، دائیں ہاتھ کو کمر پر رکھا، جبکہ بائیں بازو، جو چوڑیوں سے ڈھکا ہے، آزادانہ طور پر نیچے لٹک رہا ہے۔ ہڑپہ سے دریافت شدہ دو پتھریلے مجسمے ایک میں مرد کی پشت کا منظر دکھایا گیا۔ دوسرا رقص کرتے ہوئے انسان کا مجسمہ ہے۔

مٹی کے برتن

ہڑپہ کے مٹی کے برتن وادی سندھ کے باشندوں کے فنون لطیفہ کا ایک اور عمدہ نمونہ ہیں۔ برتنوں اور مرتبانوں پر مختلف نقش و نگار اور رنگوں سے آرائش کی گئی۔ رنگین برتنوں کا معیار بہتر تھا۔ تصویری نقوش میں افقی لکیریں، دائرے، پتیاں، پودے اور درخت شامل تھے۔ کچھ برتنوں پر مچھلی یا مور کی تصاویر بھی پائی گئی ہیں۔

ہڑپہ کی مہریں

ہزاروں مہریں دریافت ہوئی ہیں، جو زمین کے نیچے کئی برسوں تک محفوظ رہی ہیں۔ مہروں کا سائز 2cm سے 4cm مربع زیادہ تر تحریری نقوش مختصر گروہوں میں مہروں پر کندہ ہوتے تھے۔ یہ مہریں تاجروں یا حکومت کی طرف سے اشیاء یا افراد کی شناخت کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔

ہڑپہ کا رسم الخط

وادی سندھ کے لوگ علامات اور نشانات کی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ 400 سے 600 مختلف نشانیاں مہروں، دستکاریوں، مٹی کے برتنوں اور دیگر اشیاء پر ملی ہیں۔ عام تحریر 4-5 نشانات پر مشتمل ہوتی تھی۔ وادی سندھ کی تہذیب کو خواندہ تہذیب تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں جدید ٹیکنالوجی اور شہری منصوبہ بندی کا استعمال کیا گیا تھا۔

مذہب

مہروں، مٹی کے مجسموں، اور تانبے کی تختیوں سے ہڑپہ کے مذہبی نظام کا اندازہ ہوتا ہے۔ اہم نسوانی دیوی "ماں دیوی" تھی، جو مٹی کے مجسموں میں نمایاں کی گئی۔ مرد دیوتا "پشوپتی" تھا، جسے مہروں میں دو سینگوں کے ساتھ یوگک انداز میں بیٹھا دکھایا گیا۔ چار جانور اس کے گرد ہیں: ہاتھی، شیر، گینڈا، بھینس، دو ہرن اس کے پاؤں کے پاس نظر آتے ہیں۔

تدفین کے طریقے

موہنجودڑو، ہڑپہ، کالی بنگان، لوتھل اور روپر کے اطراف میں دریافت شدہ قبرستان ہڑپہ کے تدفین کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

زوال کی وجوہات

1. قدرتی آفات– سیلاب، زلزلے، طوفان وغیرہ۔
2. آریاؤں کا حملہ– بعض ماہرین کے مطابق آریاؤں کے حملے نے تہذیب کو آخری دھچکا دیا۔ رگ وید میں قلعوں کی تباہی کا ذکر ملتا ہے۔ آریاؤں کے پاس بہتر ہتھیار اور تیز رفتار گھوڑے تھے، جنہوں نے انہیں اس خطے پر قابض ہونے میں مدد دی۔
3. مون سون کے نظام میں تبدیلیاں

اختتامیہ

وادی سندھ کی تہذیب شہری انقلاب، بہترین انجینئرنگ مہارت، موثر بلدیاتی انتظامیہ اور تکنیکی ترقی میں نمایاں تھی۔ جغرافیائی محل وقوع نے خوراک کی پیداوار کو ممکن بنایا، جس سے داخلی و خارجی تجارت کو فروغ ملا۔ طرزِ زندگی جدید اور فیشن ایبل تھی۔ معاشرتی اور ثقافتی طور پر ہم ترقی یافتہ، امن پسند، اور ترقی پذیر تہذیب تھے۔ تقریباً 1000 سے 1500 سال تک قائم رہنے کے بعد، قدرتی آفات اور آریائی حملے کی وجہ سے زوال پذیر ہوئی۔ تاہم، شہری زندگی کا ورثہ بھارت میں جاری رہا، اور آج ہم جدید میٹروشہروں میں کئی ترقیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

سوالات: مختصر اور تفصیلی

مختصر سوالات

1. قبل از تاریخ
2. ابتدائی تاریخ
3. نیولتھک دور کے اہم مقامات
4. بھارت میں میگالتھ
5. وادی سندھ کے لوگوں کی سماجی زندگی
6. ہڑپہ کے لوگوں کی معاشی زندگی
7. وادی سندھ کے لوگوں کی تجارت
8. رسم الخط اور مہریں
9. وادی سندھ کی تہذیب کے زوال کی وجوہات

تفصیلی سوالات (مضمون نویسی)

10. ہندوستان کے پیلیولتھک دور پر اس کی خصوصیات کے ساتھ مضمون لکھیں۔
11. ہندوستان کے میسولتھک دور پر اس کی خصوصیات کے ساتھ مضمون لکھیں۔
12. ہندوستان کے نیولتھک دور پر اس کی خصوصیات کے ساتھ مضمون لکھیں۔
13. چالکولتھک دور کی خصوصیات کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
14. اہم چالکولتھک مقامات کون سے ہیں؟ تفصیل بیان کریں۔
15. وادی سندھ کی تہذیب کی خصوصیات پر مضمون لکھیں۔
16. وادی سندھ تہذیب کا جغرافیائی پھیلاؤ کیا تھا؟ وضاحت کریں۔
17. وادی سندھ کے لوگوں کی سماجی زندگی کیسی تھی؟ وضاحت کریں۔
18. ہڑپہ کی تہذیب کے اہم شہر کون سے تھے؟ فہرست فراہم کریں۔

باب 4

قدیم ہندوستان میں مذہبی ترقیات:
ویدک دور (1500-600 قبل مسیح)-
جین مت اور بدھ مت، 6ویں صدی قبل مسیح

4.1 تعارف

ہندوستان میں مذہبی نظام آریاؤں کی آمد کی بدولت دنیا کے پیچیدہ ترین اور امیر ترین نظاموں میں شامل ہوا۔قدیم بھارت کی مذہبی فضا میں مہنگی رسومات اور سماجی امتیازات پیدا ہوئے، جن کے خلاف جین مت اور بدھ مت جیسے متبادل مذاہب ابھرے۔ یہ تحریکیں بحث، مکالمے، اور روحانی بیداری کے نتیجے میں سامنے آئیں اور بھارت میں عوامی فلاح و بہبود کے لیے راہیں ہموار کیں۔

4.2 مقاصد

- مذہب، ماحول، اور عوام کو اجاگر کرنا
- رسومات اور روایات کا زندگی پر اثرات
- مختلف مذہبی طریقوں کے دوران عوامی طرزِ زندگی کو سمجھنا
- مذہبی خدمات اور اثرات کا جائزہ لینا

4.3 اکتسابی نتائج

- ہندوستان میں مذہب زندگی کا لازمی حصہ بن گیا
- ماضی اور حال میں مذہبی رسومات کی پہچان
- ذات پات کے نظام کی جڑوں کو جاننا
- ادبی ترقیات اور انسانی درجہ بندی میں امتیاز
- مہنگی رسومات اور ان کے اثرات
- وردھمان مہاویر اور گوتم بدھ کے ذریعہ سادہ زندگی کا انقلاب
- سادہ زندگی کی ضرورت اور اس کے فوائد
- سائنسی مذاہب کی تعلیمات
- قدرت – تحفظ، بقا اور زندگی

4.4 قدیم بھارت میں مذہبی ترقیات

وادی سندھ کی تہذیب کی ترقی شہری انقلاب کے طور پر 2500 قبل مسیح میں ہوئی، لیکن 1500 قبل مسیح تک اس کا زوال شروع ہوگیا۔اس کے ساتھ ہی ان کی معاشی اور انتظامی نظام بتدریج کمزور ہوتا گیا۔اسی عرصے میں بھارت میں مذہبی ترقی کا آغاز ہوا، جس میں ویدک مذہب کے بعد جین مت اور بدھ مت نمایاں ہوئے۔

4.5 ویدک دور (1500-600 قبل مسیح)

آریاؤں نے شمال مغربی بھارت میں ممکنہ طور پر ہند-ایرانی خطے سے داخلہ لیا۔لفظ "آریا" کا مطلب "شریف النفس" ہے۔

آریائی نام عراق میں 1600 قبل مسیح کی کسائیت کتبوں اور 14ویں صدی قبل مسیح میں شام کی میتانی کتبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح تک، آریاؤں نے پورے شمالی بھارت پر قبضہ کرلیا تھا، جسے "آریہ ورت" کہا جاتا تھا۔لہٰذا، 1500 قبل مسیح سے 600 قبل مسیح کا دور "ویدک دور" کہلاتا ہے۔ویدک دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(1) ابتدائی ویدک دور (1500-1000 قبل مسیح) (2) بعد کا ویدک دور (1000-600 قبل مسیح)

4.6 ابتدائی ویدک یا رگ ویدک دور (1500-1000 قبل مسیح)

یہ دور تقریباً 1500 قبل مسیح سے شروع ہوکر 1000 قبل مسیح تک جاری رہا۔وادی سندھ کی تہذیب کے 1900-1500 قبل مسیح میں زوال کے بعد، ہند-آریائی گروہ شمال مغربی بھارت میں آباد ہوئے اور دریائے سندھ کے شمالی علاقوں میں رہائش اختیار کی۔رگ وید میں آریاؤں اور داسوں و دسیوں کے درمیان تنازعات کا ذکر ملتا ہے۔اس دور میں آریا زیادہ تر دریائے سندھ کے علاقے تک محدود تھے۔رگ وید "سپت سندھو" یعنی "سات دریاؤں کی زمین" کا ذکر کرتی ہے۔ یہ پنجاب کی پانچ اہم دریاؤں (جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج) اور دریائے سندھ پر مشتمل تھا۔رگ وید کے بھجنوں سے ابتدائی ویدک دور کے سیاسی، سماجی، اور ثقافتی حالات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ابتدائی ویدک دور کی خصوصیات

حکومتی نظام میں بادشاہت (Monarchy) قائم تھی، اور بادشاہ "راجن" کہلاتا تھا۔راجا کی حیثیت موروثی نہیں تھی بلکہ قبیلے کے افراد میں سے منتخب کیا جاتا تھا۔

سبھا اور سمیتی

قبائلی اجتماعات "سبھا" اور "سمیتی" کہلاتے تھے۔سبھا شاید منتخب قبیلے کے افراد کی کونسل تھی، اور سمیتی پورے قبیلے پر مشتمل

تھی۔ یہ اجتماعات حکومتی اور انتظامی امور انجام دیتے تھے اور راجا کے انتخاب میں بھی کردار ادا کرتے تھے۔ ان اجتماعات میں تمام زندگی کے امور زیر بحث آتے تھے، جیسے جنگیں، مالِ غنیمت کی تقسیم، عدالتی فیصلے اور مذہبی امور۔ یہ اجتماعات کسی حد تک راجا کے اختیارات کو محدود رکھتے تھے۔ عورتوں کو بھی سبھا اور سمیتی میں شرکت کی اجازت تھی۔

سماجی نظام

خاندان ویدک معاشرے کی بنیادی اکائی تھا، جو مردانہ سربراہی پر مشتمل تھا۔ خاندان ویس (Vis) یعنی "قبیلہ" کا حصہ ہوتا تھا۔ ایک یا زیادہ قبیلے "جنا" یعنی "قبیلہ" بناتے تھے۔ جنا ویدک دور کی سب سے بڑی سماجی اکائی تھی۔ سماجی درجہ بندی میں کُلا (خاندان) گرام (گاؤں) ویسو (قبیلہ) جنا (قوم) ویدک دور میں سماجی تقسیم کی ایک درجہ بندی ابھری، جو تاریخ میں اثر رکھتی ہے۔ رگ وید کے 10 ویں منڈل میں "پورُش سُکت" کے مطابق برہمن (پجاری) — منہ سے پیدا ہوا، کشترِیہ (جنگجو) — بازوؤں سے پیدا ہوا، ویشیہ (کاشتکار) — رانوں سے پیدا ہوا، شودر (خدمت گزار) — پاؤں سے پیدا ہوا۔ یہ ایک نئے دور کے آغاز کی نمائندگی کرتا ہے، جس میں قربانی کو سماجی اور کائناتی فلسفوں میں اہمیت دی گئی۔

خواتین

عورتوں کا مقام عورتوں کو عزت دی جاتی تھی۔ وہ سبھا اور سمیتی میں شامل ہو سکتی تھیں۔ خواتین شاعرات بھی موجود تھیں، جیسے اپالا، لوپامُدرا، ویشوورا اور گھوشا۔ یک زوجگی عام تھی، مگر شاہی اور اشرافیہ خاندانوں میں تعدادِ ازواج کا رواج تھا۔

معاشی نظام

ابتدائی ویدک لوگ چرواہے اور گائے پالنے والے تھے۔ گائے انتہائی اہم تھی اور قبائلی تنازعات گائے کی چوری اور لوٹ مار سے متعلق ہوتے تھے۔ گائے دولت کا بنیادی معیار تھی، اور اس دور میں "گاوشتی" (گائے کی تلاش) کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ قبیلے کا سربراہ "راجا" یا "گوپتی" (گائے کا محافظ) کہلاتا تھا۔

زراعت بھی کی جاتی تھی، اور گھوڑے سے چلنے والے رتھ استعمال ہوتے تھے۔ کپاس اور اون سے بنے کپڑے استعمال کیے جاتے تھے۔ دریاؤں کو آمدورفت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ شکار، لکڑی کا کام، چمڑا سازی، کپڑا بنائی، رتھ سازی، دھات پگھلانا وغیرہ عام پیشے تھے۔ مصنوعات بارٹر کے ذریعے تبادلہ کی جاتی تھیں۔ گائے سب سے پسندیدہ تبادلے کی چیز تھی۔ پجاریوں کو قربانی کرنے کے بدلے گائے، گھوڑے اور سونے کے زیورات بطور فیس دیے جاتے تھے۔

مذہب

رگ ویدک دور میں دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے دعائیں کی جاتی تھیں تاکہ جسمانی تحفظ اور مادی فوائد حاصل کیے جا سکیں۔ رگ ویدک دیوتا قدرتی قوتیں تھیں جیسے زمین، آگ، ہوا، بارش، گرج وغیرہ، جنہیں شخصی دیوتاؤں کے طور پر پیش کیا گیا۔ اندرا

(گرج) سب سے اہم دیوتا تھا۔ دیگر دیوتاؤں میں پرتھوی (زمین)، اگنی (آگ)، ورونا (بارش)، اور وائیو (ہوا) شامل تھے۔ اگنی، جو گھر کا دیوتا تھا، خداؤں اور انسانوں کے درمیان واسطہ سمجھا جاتا تھا۔ خواتین دیویوں میں اُشاس اور ادیتی شامل تھیں۔ پوشن سڑکوں، چرواہوں، اور مویشیوں کا دیوتا تھا، جو خانہ بدوشوں کی زندگی میں اہم کردار رکھتا تھا۔

4.7 بعد کا ویدک دور (1000–600 قبل مسیح)

بعد کے ویدک دور میں آریا مزید مشرق کی طرف بڑھے۔ شَت پَتھ برہمن میں آریاؤں کی گنگا کے مشرقی میدانوں میں توسیع کا ذکر ہے۔ بعد کے ویدک ادب میں متعدد قبائل اور ریاستوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور کی ایک اہم پیش رفت بڑی بادشاہتوں کا ظہور تھا۔ بارہویں صدی قبل مسیح کے بعد، جب رگ وید نے اپنی حتمی شکل اختیار کی، ویدک معاشرہ، جو کورو-پنچال علاقے اور شمالی بھارت کے ہند-آریائی باشندوں سے وابستہ تھا، نیم خانہ بدوش زندگی سے زراعت پر مبنی طرزِ زندگی میں تبدیل ہو گیا۔

ابتدا میں، کورو اور پنچال بادشاہتیں ترقی پذیر ہوئیں۔ کورو بادشاہوں میں پریکشت اور جنمے جایا نمایاں تھے۔ بعد کے ویدک دور میں آریاؤں نے دریائے جمنا اور گنگا کے زرخیز میدانوں پر مکمل قبضہ حاصل کر لیا تھا (1000-600 ق م) کورو اور پنچال سلطنتوں کے زوال کے بعد، کوسل، کاشی اور ویدیھ اہم بادشاہتیں بن گئیں۔ بعد کے ویدک متون میں بھارت کو تین علاقوں میں تقسیم کیا گیا: آریہ ورت (شمالی بھارت) مدھیہ دیش (وسطی بھارت) دکشن پاتھ (جنوبی بھارت) بعد کے ویدک دور میں سیاسی اداروں اور تنظیم میں تبدیلیاں آئیں (1000–500 ق م)، اور علاقائی ریاستیں ابھرنے لگیں۔ اب جنگیں محض گایوں کے لیے نہیں بلکہ زمین اور اقتدار کے لیے بھی لڑی جانے لگیں۔ زمین اب اجتماعی ملکیت میں نہیں تھی، بلکہ ذاتی ملکیت کا تصور ابھرنے لگا۔

سیاسی نظام

چھوٹی بادشاہتیں ضم ہو کر "جن پد" یعنی "علاقائی ریاستیں" بنیں۔ بادشاہ کی طاقت میں اضافہ ہوا، اور مختلف قربانیاں اس کی حیثیت کو بڑھانے کے لیے کی گئیں۔ اس دور کے حکمران "کشتریہ ورن" سے تعلق رکھتے تھے، جو برہمنوں کے ساتھ مل کر "دھرم" کے نام پر عوام پر مکمل کنٹرول قائم کرنا چاہتے تھے۔

جب حکمران زیادہ طاقتور ہو گئے، تو عوامی اجتماعات کی اہمیت کم ہونے لگی۔ "سبھا" اور "سمیتی" کی حیثیت کم ہو گئی۔ بادشاہت کے معاونین کو انتظامی مدد کے لیے مقرر کیا گیا، اور وہ عوامی اجتماعات کے مشیروں کا کردار سنبھالنے لگے۔ لوگوں پر "بلی"، "شُلک"، اور "بھاگ" نامی ٹیکس لگائے گئے۔ بادشاہ کی قربانیوں میں شامل تھیں راجسویا (تاجپوشی کی رسم)، وجاپیہ (رتھ دوڑ)، اشومیدھ (گھوڑے کی قربانی)

سماجی نظام

☆ ورنا (ذات پات) کا نظام مزید واضح ہو گیا۔

☆ یہ اب پیشے کی بجائے موروثی حیثیت پر زیادہ مبنی تھا۔

☆ سماجی درجہ بندی کم ہوتی ہوئی ترتیب میں برہمن (پجاری) کشتریہ (حکمران، جنگجو) ویشیہ (کاشتکار، تاجر، دستکار) شودر (خدمت گزار)

☆ خاندان بدستور بنیادی سماجی اکائی رہا، مگر اس کی ساخت میں تبدیلی آئی۔ بعد کے ویدک دور میں خاندان "جوائنٹ فیملی" میں تبدیل ہو گیا، جہاں تین یا چار نسلیں ایک ساتھ رہتی تھیں۔

☆ "گوترا" کا تصور اس دور میں پیدا ہوا، یعنی جو لوگ ایک گوترا میں ہوں، وہ ایک ہی جد سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کے درمیان شادی ممنوع تھی۔

☆ یک زوجگی کے ساتھ ساتھ تعدادِ ازواج بھی عام تھی۔

☆ عورتوں کو "سبھا" اور "سمیتی" میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی، اور ان کی سماجی حیثیت کم ہونے لگی۔

☆ کم عمری کی شادی عام ہو گئی۔

☆ پیشوں کی بنیاد پر ذیلی ذاتیں ابھریں، اور "گوترا" کا ادارہ مضبوط ہوا۔

☆ ورنا-آشرم دھرم: زندگی کے مختلف مراحل "آشرم" کے طور پر متعارف ہوئے: برہماچریہ (تعلیم کا دور) گرہستھ (گھر گرہستی کا دور) وانپرستھ (جنگل میں رہائش کا دور) سنیاس (ترکِ دنیا) ورنا کے ساتھ مل کر یہ "ورنا آشرم دھرم" کہلایا۔

معاشی ڈھانچہ

چرواہی اور زراعت بعد کے ویدک دور میں بنیادی پیشے تھے۔ آریائی ثقافت کے پھیلاؤ کا ایک اہم سبب تقریباً 1000 قبل مسیح میں لوہے کے استعمال کا آغاز تھا۔ لوہے کے اوزار اور آلات کا اثر بعد کے ویدک دور کے آخر تک واضح طور پر نظر آنے لگا۔ زراعت پر مبنی معیشت کے پھیلاؤ کی وجہ سے اس دور میں آبادی میں مسلسل اضافہ ہوا۔ "پینٹڈ گرے ویئر (PGW)" بستیوں کی تعداد اور سائز میں اضافہ اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ ویدک لوگوں نے موسموں، کھادوں، اور آبپاشی کے بارے میں بہتر معلومات حاصل کیں۔ ان ترقیات کی بدولت ہستناپور اور کوشامبی جیسی بستیاں بڑے شہروں میں تبدیل ہونے لگیں۔

یہ ابتدائی شہر زیادہ تر سرداروں، شہزادوں، پجاریوں اور دستکاروں کے لیے آباد کیے گئے تھے، جن کی کفالت کسانوں کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ صنعتی کاموں میں دھات سازی، مٹی کے برتن بنانا، اور لکڑی کا کام شامل تھا۔ ابتدائی طور پر تجارت بارٹر کے نظام کے تحت ہوتی تھی، مگر بعد میں "نِشکا" نامی سکے رائج ہوئے۔

مذہب

مادی زندگی میں تبدیلیوں کے ساتھ دیوتاؤں کے بارے میں رویہ بھی بدلنے لگا۔مقامی غیر آریائی آبادی کے ساتھ مسلسل میل جول نے بھی ان تبدیلیوں میں مدد دی۔

☆ اندرااوراگنی کی اہمیت کم ہوگئی۔سوماورسوراعام مشروبات تھے۔

☆ پرجاپتی (خالق)،وشنو(محافظ)،اوررودر(تباہی کا دیوتا)اہم دیوتا بن گئے۔

☆ دعاؤں کی اہمیت گھٹنے لگی اوررسومات اورقربانیوں میں زیادہ وسعت آئی۔

☆ پجاری کا منصب ایک پیشہ بن گیااورموروثی حیثیت اختیار کرگیا۔

☆ یجنوں (قربانیوں) کی تعداد میں اضافہ

ایک اوراہم تبدیلی یجنوں کی تعداداورتسلسل میں اضافہ تھا،جوعموماًبڑی تعداد میں جانوروں کی قربانی پرختم ہوتا تھا۔یہ ممکنہ طور پر برہمن ذات کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا نتیجہ تھا،جو بدلتے سماج میں اپنی بالادستی قائم رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔یہ یجن برہمنوں کو"دانا"اور"دکشنا" کی شکل میں بڑی دولت فراہم کرتے تھے۔

اہم یجنوں میں شامل تھے اشومیدھ (گھوڑے کی قربانی)وجاپیہ(رتھ دوڑ)،راجسویا(تاجپوشی کی رسم)،یہ یجن کئی دنوں تک جاری رہتے تھے،اوران میں زیادہ تر نذرانے برہمنوں کو دیے جاتے تھے۔ان یجنوں کا دوہرا مقصد تھا کہ حکمران کی عوام پرحاکمیت کومضبوط بنانا۔ریاست کی علاقائی حیثیت کومستحکم کرنا،کیونکہ بادشاہت میں مختلف علاقوں سے افرادکودعوت دی جاتی تھی۔

اپنشداورفلسفیانہ اصول؛ہریجن کے آخر میں بڑی تعداد میں گایوں اوردیگر جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی،جومعیشت کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی تھی۔اس لیے ویدوں کے آخری حصے"اپنشد" میں خوشحالی اورفلاح کے لیے اچھے اخلاق اورخودقربانی کی راہ اپنانے کی سفارش کی گئی۔اپنشد دو بنیادی اصول پیش کرتے ہیں:کرما(اعمال کا قانون)آتما کی ادلا بدلی (روح کا دوبارہ جنم،یعنی پچھلے اعمال کی بنیاد پرنئی پیدائش)ان متون کے مطابق حقیقی خوشی"مکشا" حاصل کرنے میں ہے،یعنی جنم اوردوبارہ جنم کے چکر سے آزادی۔

4.8 ویدک ادب

- چار وید ہیں: رگ، یجر، سام، اور اتھرو۔
- رگ وید میں 1028 بھجن شامل ہیں اور یہ 10 منڈلوں میں تقسیم ہے۔
- دسویں منڈل میں "پورُش سُکت" لکھا گیا ہے، جو انسانی پیدائش کو چہرہ، کندھے، رانوں اور قدموں سے جوڑتا ہے۔
- یجر وید– مذہبی رسومات کو انجام دینے کے طریقوں پر مشتمل ہے۔
- سام وید– موسیقی اور مشروبات سے متعلق ہے۔
- اتھرو وید– جادوئی عملیات اور منتر شامل ہیں۔

دیگر ویدک متون میں شامل ہیں:

- برہمن (قربانیوں کی وضاحت کرنے والے متون)
- اپنشد (جنہیں ویدانت بھی کہا جاتا ہے، یہ ویدک فلسفے کا بنیادی ذریعہ ہیں)
- آرنیکا (تعلیمی کتب)
- آریائی رزمیہ ادب میں شامل ہیں: مہابھارت رامائن گیتا
- سمرتی: منوسمرتی
- اوپ وید:

آیورو وید: طب

گندھرو وید: موسیقی اور رقص

دھنور وید: تیراندازی

شِلپ شاستر: مجسمہ سازی

یوں، ویدک مذہب ایک روایتی مذہب میں تبدیل ہوا، اور عام دور کے آغاز میں، ویدک روایت "ہندو مرکب" کا ایک اہم جزو بنی۔ پجاری طبقہ انتہائی طاقتور ہو گیا اور انہوں نے رسومات اور عبادات کے قواعد مقرر کیے۔ اس روایتی نظام کی وجہ سے بدھ مت اور جین مت کا ظہور ہوا، جس نے ویدک دور کو ختم کر دیا، مگر ویدک مذہبی اثرات آج تک موجود ہیں۔

14.9 قدیم بھارت میں سماجی-مذہبی تحریکیں: جین مت اور بدھ مت

بھارت اور دنیا کی تاریخ میں 800 قبل مسیح سے 200 قبل مسیح تک کے دور کو "محوری دور" (Age Axial) کہا جاتا ہے۔ یہ دور فلسفیانہ اور مذہبی نظاموں میں زبردست تبدیلیوں کا باعث بنا، جو بعد میں انسانی معاشرت اور ثقافت کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوئے۔ 800 قبل مسیح سے 200 قبل مسیح تک دنیا کی بڑی تہذیبوں نے عظیم مفکرین اور انقلابی خیالات کو جنم دیا۔ تاریخی ریکارڈ بھارت میں مہاویر اور بدھ، یونان میں سقراط، فارس میں زرتشت، اور چین میں کنفیوشس اور لاو؟ زے کا ذکر کرتا ہے۔

4.9.1 بھارت میں نئے مذاہب کی ابتدا

چھٹی صدی قبل مسیح میں تقریباً 62 مختلف فلسفیانہ مکاتب فکر موجود تھے، جو براہمنک فلسفہ کے خلاف تھے، مگر بدھ نے اصل مسئلہ پہچانا اور راہ دکھائی۔ ان میں جین مت، بدھ مت، اجیواک، اور لوکایت مکاتب فکر اہم تھے۔

4.9.2 سماجی-مذہبی تحریکوں کے اسباب

ان مکاتب فکر کے ظہور کے کئی اسباب تھے۔ ویدک دور (1500 ق م) سے آریاؤں نے نئی رسومات، روایات، اور اقدار متعارف کرائیں، جو چھٹی صدی قبل مسیح تک جاری رہیں، اور سماجی، مذہبی، اور روحانی زوال پیدا کیا۔

کچھ سماجی برائیاں:

- جوا
- شراب نوشی
- خواتین اور شراب کا تعلق
- جنسی بدعنوانی
- یجنا اور قربانی کی رسومات
- برہمنوں کی غلط ذریعوں سے روزی کمانا
- ورنا نظام – انسانی تقسیم: آریائی معاشرے میں چار طبقات: برہمن، کشتریہ، ویشیہ، اور شودر شامل تھے۔ ورنا نظام عمودی ہو گیا، یعنی ایک طبقہ دوسرے سے بالاتر ہو گیا۔ برہمن اور کشتریہ کی خوشحالی کے لیے ویشیہ اور شودر کام کرتے تھے، مگر انہیں خود مختار زندگی کا حق حاصل نہیں تھا۔

4.10 جین مت

جین مت کو قدیم بھارت کے سب سے پرانے مذاہب میں شمار کیا جاتا ہے۔ وردھمان مہاویر جین مت کے بانی تھے۔ انہوں نے روح کی پاکیزگی اور روحانی روشن خیالی کے حصول کے لیے نظم وضبط اور اہنسا (عدم تشدد) پر زور دیا۔

وردھمان مہاویر کی زندگی جن کی پیدائش: 540 قبل مسیح، کنڈگرام (بسارھ)، ویشالی کے قریب، شمالی بہار میں ہوئی، والد سدھارتھ، جو جنترک قبیلے کے سردار تھے، جو ویشالی کے لچھویوں میں شامل تھے۔ والدہ ترشلا، جو لچھوی شہزادے چیتک کی بہن تھیں، اور مگدھ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

وردھمان مہاویر کو 24 تیرتھنکروں میں آخری تیرتھنکر سمجھا جاتا تھا، پہلا رشبھ اور 23 واں تیرتھنکر پارسوانا تھ تھا۔ وردھمان مہاویر نے تیس سال کی عمر میں دنیا کی زندگی ترک کر دی اور سچائی کی تلاش میں گھر چھوڑ دیا۔ تیرہ سال تک تپسیا اور گہرے مراقبہ کی سخت مشق کے بعد، وردھمان نے جونیئر ککرام میں سال کے درخت کے نیچے کیولا گیان، یا روحانی معاملات کا حقیقی علم حاصل کیا، مصیبت کی جینا (فاتح) حاصل کی اور مہاویر بن گیا۔ ان کے پیروکار جین کے نام سے جانے جانے لگے۔ مہاویر کا انتقال 468 قبل مسیح میں 72 سال کی عمر میں پٹنہ کے مشرق میں راج گرہ کے قریب پاوا میں خود فاقہ کشی سے ہوا۔ مہاویر کی موت کے بعد، ان کے عقائد پر اختلاف رائے کی وجہ سے، جین برادری، بعد میں B.C.300 میں، دو فرقوں میں تقسیم ہوگئی: شویتامبر اور دگمبر۔

جین مت یعنی ہر فرد کو خود موکشا (نجات) حاصل کرنی ہوتی ہے۔ نجات کا مطلب ہے جنم اور موت کے چکر (سنسا) سے آزادی۔ یہ پانچ اصولوں پر مبنی ہے (جو "تتوارتھ سُترا" میں بیان کیے گئے ہیں):

- اہنسا (عدم تشدد)
- ستیہ (سچ بولنا)
- استیہ (چوری نہ کرنا)
- برہماچریہ (پاکیزگی یا شریکِ حیات سے وفاداری)
- اپریگراہا (عدم وابستگی)

یہ اصول سوچ اور عمل کی رہنمائی کرتے ہیں، کیونکہ جو کوئی سوچتا ہے، وہی کرتا ہے۔ صرف تشدد، جھوٹ یا چوری سے باز رہنا کافی نہیں، بلکہ ان کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ اگر کوئی ان اصولوں پر سختی سے عمل کرے، تو وہ سنسا سے آزاد ہو کر موکشا حاصل کرے گا۔ جو کوئی موکشا حاصل کر لیتا ہے، وہ "تیرتھنکر" بن جاتا ہے۔ تیرتھنکر زندگی کے بہاؤ کو عبور کرنے میں دوسروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ جین مت کے مطابق، مصیبتیں حقیقت کی لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اور نجات روحانی بیداری اور سچائی پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

مہاویر کی تعلیمات

مہاویر کی تعلیمات کو "تری رتنا" (تین جواہرات) کہا جاتا ہے:

1. صحیح علم

2. صحیح عقیدہ
3. صحیح عمل

جین کونسلز

1. پہلی کونسل تیسری صدی قبل مسیح کے دوران پاٹلی پتر میں منعقد ہوئی اور استولا باہو اس کے صدر تھے۔اس کی اہمیت یہ تھی کہ 12 انگ (مہاویر کی تعلیمات) اور 14 پروا مرتب کیے گئے تھے۔
2. دوسری کونسل 6ویں عیسوی کے دوران ولابھی میں منعقد ہوئی، پرانی کتابوں کو نئے ترتیب میں دوبارہ لکھا گیا۔

جین ادب

اصل مقدس صحیفے 12 انگاس یا حصوں میں تقسیم تھے، جن میں 14 پُرواس شامل تھے، اور اردھ ماگدھی پراکرت میں لکھے گئے تھے۔

بھارتی ثقافت میں جین مت کا تعاون

جین مت نے بھارتی ثقافت، خصوصاً ادب، تعمیرات، اور مجسمہ سازی میں نمایاں کردار ادا کیا۔اس کے مذہبی متون کی زبان پراکرت تھی، جو بھارت کی بولی جانے والی زبانوں کو ادبی شکل دینے میں مددگار ثابت ہوئی۔آج بھی بھارت کے مختلف شہروں میں جین مندروں اور مجسموں کی موجودگی اس فن کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔جیسے مندر: متھرا، گوالیار، جونا گڑھ، چتوڑ، ابو، جین برج: چتوڑ گڑھ، ہاتھی غاریں: اوڈیشا، 70 فٹ اونچا بہوبلی مجسمہ: میسور وغیرہ

4.11 بدھ مت

6ویں قبل مسیح کے دوران، بدھ مت انقلابی تحریک کے طور پر ابھرا اور ہندوستان اور دنیا میں نمایاں مذہب بن گیا۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ تھے۔ "بدھ مت ایک داخلی انقلاب ہے اور داخلی انقلاب ایک حقیقی انقلاب تھا یا اس کا موازنہ کسی دوسرے سیاسی انقلاب سے کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ فرانسیسی انقلاب۔اس میں ایک آئینی تبدیلی شامل تھی، اس طرح کے انقلاب کے ساتھ الٰہی حکمرانی کی اسکیم کو تبدیل، ترمیم اور تشکیل نو کی گئی" - بودھی ستوا بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نے کہا۔

گوتم بدھ آریان معاشرے کی اصلاح کے لیے آگے آتے ہیں اسی لیے بابا صاحب امبیڈکر کہتے ہیں، بودھی ستوا گوتم بدھ کو صحیح طور پر 'ہندوستان کا پہلا سماجی مصلح اور سب سے بڑا انقلابی' کہا جا سکتا ہے جس نے سماجی مذہبی انقلاب کی قیادت کرتے ہوئے ہندوستان سے چھٹی صدی قبل مسیح کے دوران آریان حکومت کی تمام برائیوں کو روکا اور ختم کیا۔

ابتدائی زندگی

گوتم بدھ 563 قبل مسیح میں ویشاکھا پورنیما کے دن ہندوستان اور نیپال کے سرحدی علاقے سال کے درخت کے نیچے لمبنی میں سدھارتھ کے طور پر سدھودان (جمہوریہ ساکیہ قبیلے کے سربراہ) کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ اس نے اپنی پیدائش کے چند ہی دنوں بعد اپنی ماں (مہامایا) کو کھو دیا اور اس کی پرورش اس کی سوتیلی ماں گوتم نے پیار اور بڑے پیار سے کی۔ سدھارتھ ایک شہزادہ تھا۔ انہوں نے ایک شہزادے کے لیے موزوں تعلیم حاصل کی، یشودرا سے شادی کی اور ان کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام راہول تھا۔

فرسٹ سرمن

روشن خیالی حاصل کرنے کے بعد، گوتم بدھ سارناتھ کے ہرن پارک گئے، جہاں ان کے ساتھی ساتھی مراقبہ کر رہے تھے اور ان پانچ شاگردوں کو اپنا پہلا واعظ دیا اور اس واقعہ کو 'دھم چکر پریوتن' کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سے بعد کے 45 سالوں تک، بدھ نے دھرم کو عوام تک پہنچانے کے لیے سفر کیا۔ بدھ نے اپنی زندگی اپنے دھرم کو پھیلانے میں گزاری۔ وہ 80 سال کی عمر میں 483 B.C.E میں کوسینارا میں سال کے درخت کے نیچے اپنے عقیدت مند پیروکاروں سے گھرا ہوا تھا۔

سماجی اصلاح

گوتم بدھ نے مساوات کے لیے انقلاب لایا، ورن نظام کی مخالفت کی، تمام رکاوٹوں اور معذوریوں کو دور کیا، گوتم بدھ نے قابل علم لوگوں کو پیدائش، نسل اور ذات سے قطع نظر اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا، خواتین کی حیثیت اور سب کے لیے تعلیم کو برابر کیا۔
بدھ نے آریان سوسائٹی کے رہنماؤں کے خلاف جنگ لڑی۔ آریان سوسائٹی کے قائدین کا خیال تھا کہ سیکھنا اور تعلیم برہمنوں کا استحقاق ہے، کشتری اور ویشیا اور شودر تعلیم کے حقدار نہیں تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ یہ سماجی نظام کے لیے خطرہ ہوگا اگر وہ خواتین یا کسی ایسے مرد کو سکھائیں جو دوبار پیدا نہ ہوئے ہوں۔

بدھ نے اس آریان نظریے کو مسترد کر دیا۔ جیسا کہ رائس ڈیوس نے اس سوال پر نشاندہی کی ہے کہ "یہ کہ ہر ایک کو سیکھنے کی اجازت ہونی چاہیے؛ کہ ہر ایک، جس میں کچھ مہارتیں ہوں، کو پڑھانے کی اجازت ہونی چاہیے؛ اور یہ کہ، اگر وہ پڑھاتا ہے، تو اسے سب کو سکھانا چاہیے؛ کچھ بھی پیچھے نہ رکھیں، کسی کو باہر نہ رکھیں۔" اس سلسلے میں بدھ اور برہمن لوہکا کے درمیان ہونے والے مکالمے کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جسے لوہکا سوٹا کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بدھ کی نمائندگی کرنے والی پانچ شکلیں

بدھ کی نمائندگی کرنے والی پانچ شکلیں یہ ہیں:

- کمل اور بیل - پیدائش
- گھوڑا - ترک کرنا
- بودھی درخت - مہابودھی

- دھم چکر پروورتن- پہلا واعظ
- پاؤں کے نشانات-نروانا

بدھ کی تعلیمات:

بدھ نے کہا کہ "اٹا دیپو بھاوا" کا مطلب ہے خود کی روشنی بننا۔

چار عظیم سچائیاں

چار عظیم سچائیاں بدھ مت کی تعلیمات کا بنیادی حصہ ہیں، یہ ہیں:

- دکھ (تکلیف)
- سمودیہ (مصائب کی وجہ جانیں)
- نیرودھا (مصائب کے خاتمے کا حل تلاش کریں)
- اشٹا نگ- مارگا (مصائب کے خاتمے کا راستہ)

اشٹا نگ مارگ-آٹھ فولڈ پاتھ:

اشٹا نگ مارگ علم، طرز عمل اور مراقبہ کے طریقوں سے متعلق مختلف باہم مربوط سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔
عظیم آٹھ گنا راستہ (âryâcmâEgamârga) پر مشتمل ہے:

1. سمیا گد[سی ایم آئی (دائیں نظارہ)
2. سمیا کسا ایکلپا (صحیح خیال)
3. سمیا گوک (صحیح تقریر)
4. سمیا کرمنتا (صحیح عمل)
5. سمیا گا جیوا (صحیح روزی روٹی)
6. سمیا گویاما (صحیح کوشش)
7. سمیا کسم[تی (صحیح ذہنیت)
8. سمیا کسمادھی (صحیح ارتکاز)

پنچشیل

پانچ اصول (پنچشیل) وہ رہنما اصول ہیں جو بدھ مت کی اخلاقیات کی بنیاد بناتے ہیں۔ بہت سے نئے بدھ مت کے پیروکار اپنے پناہ کے عہد کے ساتھ پانچ اصولوں کو قبول کرتے ہیں۔ اصول یہ ہیں:

1. قتل نہیں کرنا
2. چوری نہیں،
3. جنسی کا غلط استعمال نہ کریں
4. جھوٹی تقریر میں مشغول نہ ہونا اور
5. نشہ آور اشیا میں شامل نہ ہونا۔

بدھ مت کا پھیلاؤ

بدھ مت تیزی سے پھیلا اور جلد ہی پورے بھارت کا مذہب بن گیا۔ یہ صرف بھارت تک محدود نہ رہا، بلکہ اُس وقت کی معروف دنیا کے ہر کونے تک پہنچا۔ تمام نسلوں نے اسے قبول کیا، حتیٰ کہ افغان بھی ایک وقت میں بدھ مت کے پیروکار تھے۔ یہ محض ایشیا تک محدود نہ رہا، بلکہ شواہد موجود ہیں کہ بدھ مت "سیلٹک برطانیہ" میں بھی رائج تھا۔

بھارت میں بدھ مت کی بحالی

بدھ تمام لوگوں کے محبوب تھے۔ انہوں نے چھٹی صدی قبل مسیح میں آریائی سماج پر گہرا نقش چھوڑا۔ اگرچہ قرونِ وسطیٰ میں حملہ آوروں کی وجہ سے بھارت میں بدھ مت ماند پڑ گیا، مگر ان کی تعلیمات کا اثر آج بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے بدھ مت کو جدید دنیا میں بحال کیا، جب انہوں نے 14 اکتوبر 1956 کو 7 لاکھ افراد کے ساتھ بدھ مت اختیار کیا، جو 1935 کے "یولا اعلامیہ" کے بعد ممکن ہوا۔ بابا صاحب نے بھارت اور دنیا میں پیدا ہونے والے تمام مذاہب پر گہری تحقیق کی اور نتیجہ اخذ کیا کہ بدھ مت ہی وہ واحد مذہب ہے، جو ذات پات کے نام پر ہزاروں سالہ غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔

بھارت کی ثقافت میں بدھ مت کا تعاون

بدھ مت نے بھارتی ثقافت میں مثبت کردار ادا کیا۔ یہ بھارتیوں کے لیے ایک سادہ، معاشی، اور عوامی مذہب لایا۔ اس نے رسومات، قربانیوں، اور برہمنوں کی اتھارٹی کو مسترد کیا۔ بدھ مت کے "سنیاسی نظام" (منظّم مذہبی جماعتیں) نے بھارت میں ایک نئی روحانی تنظیم فراہم کی۔ یہ اعلیٰ اخلاقی ضوابط کی پاسداری کے ذریعے بھارتی عوام کو مذہبی وحدت دی۔ یہ جمہوری روح اور سماجی مساوات کی راہ میں بھی بڑا محرک ثابت ہوا۔ بدھ مت کے فلسفیوں نے مذہب کو عقلی بنیادوں پر سمجھا اور فرد کی خود آزادی پر زور دیا۔ بدھ مت نے تعلیم اور ادب میں بھی نمایاں تعاون دیا سمگھ تعلیمی مراکز بنے، ٹیکسلا، نالندہ، اور وکرماشیلا بدھ مت کے علمی مراکز بنے، بدھ مت نے بھارت میں عمدہ تعمیرات، مجسمہ سازی، اور مصوری کی ترقی میں حصہ ڈالا۔ سانچی، سارناتھ، نالندہ، امراوتی، اور ایلورا کے اسٹوپے بہترین مثالیں ہیں۔ سارناتھ کے ستون پر بنے شیر، رامپوروا کے ستون کا خوبصورت بیل، بھروت، گنگا، اور سانچی کے عظیم بدھ متی مقامات کے دروازوں پر کندہ نقش و نگار، مجسمہ سازی کے نایاب نمونے ہیں۔

فن تعمیر، مجسمہ سازی اور مصوری کے شعبے میں سانچی، سارناتھ، نالندہ، امراوتی اور ایلورا کے استوپوں کو ہندوستانی فن تعمیر کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ سارناتھ کالموں کے مشہور شیر، رامپوا کالم کا خوبصورت بیل، بھرہوت، گنگا اور سانچی کے عظیم بدھ مقامات کے داخلی راستوں پر نقش ونگار مجسمہ سازی کے قابل ذکر نمونے ہیں۔ گندھارا اور متھرا کے اسکولوں نے بدھ کی پہلی تصاویر تیار کیں جو قابل تعریف فن پارے ہیں۔ پتھر، تانبے اور کانسی میں تراشے گئے بدھ کے مجسمے بھی بدھ آرٹ کی بہترین مثالوں میں سے کچھ ہیں۔ اجنتا غاروں کی دیواروں کی پینٹنگز نے دنیا بھر میں شہرت حاصل کی۔ اس طرح ہندوستانی فن تعمیر، مجسمہ سازی اور مصوری کا بدھ مت پر بڑا قرض ہے۔ آخر میں، غیر ملکیوں کو اس کے دائرے میں ضم کرنے کی طاقت اور رواداری کا جذبہ بدھ مت کی طرف سے ہندوستانی معاشرے کو عظیم تحریک کا ذریعہ رہا ہے۔

بھارتی معاشرے پر اثر

جین مت اور بدھ مت نے بھارتی ثقافت اور معاشرت پر نمایاں اثرات مرتب کیے۔ ان مذاہب کی مقامی زبانوں، فنون لطیفہ، تعمیرات، اور انسانی فلاح و بہبود کے فروغ نے ہزاروں افراد کو ان کے ذریعے روشن راہ کی طرف راغب کیا۔ آج بھی دنیا کے کئی مقامات پر لوگ امن اور خوشحالی کے لیے بدھ مت کو اپناتے ہیں۔

اختتامیہ

بھارت میں مذہبی ترقی کا آغاز 1500 قبل مسیح میں ویدک رسومات، قربانیوں، یجنوں، اور مہنگی روایات سے ہوا۔ قدیم ویدک نظام نے فکری بے چینی اور سماجی و معاشی عدم مساوات کو جنم دیا، جس سے چھٹی صدی قبل مسیح میں بھارت میں شدید سماجی و مذہبی اضطراب پیدا ہوا۔ یہ صورتحال لوگوں کو متبادل معاشرتی و مذہبی نظام کی تلاش پر مجبور کر گئی۔

یہی جین مت اور بدھ مت کی ترقی کے حق میں رہا، کیونکہ انہوں نے بے معنی رسومات کو مسترد کر دیا۔ لوگوں نے مہاویرا اور گوتم بدھ کی تعلیمات کو قبول کیا، کیونکہ یہ عام فہم اور عوام کی بولی - پالی زبان میں تھیں۔ بدھ مت دنیا کے دیگر حصوں میں بھی ایسے پھیلا جیسے نرم و ملائم ہوا اور اپنی سانسوں کے ذریعے صحت اور سکون بخشتا رہا۔ جین مت اور بدھ مت نے بھارتی ثقافت اور سماج پر گہرا اثر ڈالا، جو آج بھی بھارتیوں کے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات

1. ابتدائی ویدک دور کی سماجی زندگی
2. بعد کے ویدک دور میں معاشی زندگی
3. بعد کے ویدک دور میں مذہب اور رسومات
4. پروشاسکت
5. سیاسی ڈھانچہ
6. جین مت کی پانچ قسمیں
7. بدھ مت کے بنیادی عناصر
8. بدھ مت کی عظیم سچائیاں
9. بدھ کی نمائندگی کرنے والی پانچ شکلیں

تحریری سوالات

10. ابتدائی ویدک طرز عمل کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
11. بعد کے ویدک دور پر لکھیں؟
12. ویدک ادب پر لکھیں
13. جین مت اور بدھ مت کے عروج کی وجوہات کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
14. اشٹانگ مارگ پر لکھیں؟
15. بدھ مت کے پھیلاؤ کی وجوہات بتائیں؟
16. ہندوستانی ثقافت میں جین مت اور بدھ مت کے تعاون کے بارے میں لکھیں۔

باب 5

لوہے کا دور، دوسری شہری ترقی، اور علاقائی ریاستوں (مہاجن پد) کا قیام: اشرافیہ حکمرانی اور بادشاہت

5.1 تعارف

لوہا دنیا کے سب سے اہم دھاتوں میں شمار ہوتا ہے، جو مختلف استعمال میں آتا ہے۔ بھارتی برصغیر کی قبل از تاریخ میں، لوہے کا دور کانسی کے دور کے بعد آیا اور کچھ حد تک "میگالتھک ثقافتوں" سے وابستہ ہے۔ بھارت میں ابتدائی لوہے کا دور تقریباً 1200 قبل مسیح میں شروع ہوا۔ اس دور میں لوہے کے آلات کے استعمال کے شواہد ملتے ہیں۔ یہ دور ویدک دور (1500-500 قبل مسیح) سے وابستہ ہے اور چھٹی صدی قبل مسیح میں دوسری شہری ترقی کے دوران بڑھا۔ دوسری شہری ترقی میں مہاجن پدوں کا قیام ہوا، جس نے بھارت کی سیاسی اور معاشی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے کئی ریاستوں نے جمہوری طرزِ حکومت اپنایا، حتیٰ کہ سکندرِ اعظم جیسے حملہ آور بھی مہاجن پدوں میں داخل ہونے سے خوفزدہ تھے۔

5.2 مقصد

- ☆ لوہے کے برتن، اوزار، ہتھیار، اور دیگر استعمال کو سمجھنا۔
- ☆ لوہا اور سیاسی طاقت۔
- ☆ لوہا اور شہری ترقی۔

5.3 کلیدی نتائج

- ☆ لوہے کے مختلف مقاصد کے لیے استعمال۔
- ☆ دھات کی ہماری زندگی میں اہمیت۔
- ☆ کانیں اقتصادی طاقت ہیں۔
- ☆ قدیم بھارت میں دوسری شہری ترقی - ان کی طاقت اور اثر و رسوخ۔

5.4 لوہے کا دور

بھارتی برصغیر کی قبل از تاریخ میں، لوہے کا دور کانسی کے دور کے بعد آیا اور کچھ حد تک "میگالتھک ثقافتوں" سے وابستہ تھا۔ بھارت میں ابتدائی لوہے کا دور تقریباً 1200 قبل مسیح میں شروع ہوا۔ اس دور میں لوہے کے آلات کے استعمال کے شواہد موجود ہیں۔ یہ دور ویدک دور سے منسلک ہے، جو تقریباً 1500 سے 500 قبل مسیح تک جاری رہا۔ ابتدائی لوہے کے دور میں،

لوہا کانسی کی جگہ لے چکا تھا اور یہ اوزار اور ہتھیار بنانے کے لیے اولین دھات بن گئی۔ یہ تبدیلی لوہے کی دستیابی اور اس کی آسانی سے پگھلنے اور ڈھلنے کی خصوصیت کی وجہ سے ہوئی۔

ابتدائی لوہے کے دور کے اوزار

☆ سب سے عام آلہ "کلہاڑی" تھی، جو درخت کاٹنے، لکڑی چیرنے، اور بطور ہتھیار استعمال ہوتی تھی۔ دیگر آلات میں "ہتھوڑا، آری، اور چھینی" شامل تھے۔ لوہا گھوڑوں کے نعل اور زرعی اوزار جیسے "ہل کے پھال" بنانے میں بھی استعمال ہوتا تھا۔

☆ لوہے کے دور میں نئے ہتھیار تیار ہوئے، جن میں تلوار اور نیزہ شامل تھے۔ تلواریں لوہے سے بنی تھیں، اور انتہائی تیز دھار ہوتی تھیں۔ یہ جنگ اور سماجی حیثیت کے نشان کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ نیزے بھی لوہے کے بنتے تھے اور شکار اور جنگ میں استعمال ہوتے تھے۔

5.3 دوسری شہری ترقی

چھٹی صدی قبل مسیح سے تیسری صدی قبل مسیح تک، دریائے گنگا کے وسطی میدان میں بڑے پیمانے پر شہری زندگی کا آغاز ہوا۔ لوہے کے ہتھیاروں اور آلات کے وسیع پیمانے پر استعمال نے بڑی علاقائی ریاستوں کی تشکیل میں مدد دی۔ یہ شہر اہم تجارتی مراکز بن گئے، جہاں کاریگر اور تاجر اپنی اپنی انجمنوں میں منظّم ہوئے۔

18 اہم دستکاری پیشے "سری، پوگا" نامی انجمنوں میں منظّم ہوئے، جن کی قیادت پرموکھ (نگران)، جیشٹھا کا (بزرگ)، یا شریشٹھن (سربراہ) کرتے تھے۔ سارا تھاواہا قافلوں کا رہنما تھا۔ پالی متون میں سمندری سفر اور تجارتی سفروں کا ذکر ملتا ہے: برما کے ساحل، ملائی دنیا (سورورنبھومی)، سری لنکا (تمراپرنی) یہاں تک کہ "بابل" (بویرو) تک بھی تجارت ہوتی تھی۔

اہم بندرگاہوں میں شامل تھیں بھروکچّا (بروچ)، سوپارا کا (سُپارہ، شمالی بمبئی)، تمرا لپتی (تملک، مغربی بنگال)، دریائی بندرگاہیں: سہاجاتی (وسطی بھارت) کوشامبی (جمنا پر) بنارس، چمپا، پٹلی پتر (گنگا پر) پٹالا (سندھ پر) بڑے زمینی راستے زیادہ تر بنارس اور شراوستی سے نکلتے تھے۔

اہم تجارتی اشیاء: ریشمی کپڑے، کڑھائی، ہاتھی دانت، زیورات، اور سونا۔ بارٹر نظام بھی عام تھا۔ اس سے دستکاری اور صنعتوں کی مقامی سطح پر تخصیص ہوئی، اور کاریگر اور تاجر اہم سماجی گروہ بنے۔ ان شہروں میں پہلی بار دھات کے بنے سکے بھی استعمال ہونے لگے۔ قدیم بھارتی سکے پہلے سکے پانچویں صدی قبل مسیح کے ہیں، جنہیں "پنچ مارک سکے" کہا جاتا ہے۔ معیاری قدر کی اکائی "تانبے کا کرشاپن" تھی، جس کا وزن تقریباً 146 گرین تھا۔ چاندی کے سکے بھی گردش میں تھے۔

دیہی معیشت زیادہ تر زراعت پر مبنی تھی۔ چاول مشرقی یوپی اور بہار میں بنیادی فصل کے طور پر کاشت کیا جاتا تھا۔ یہ معیشت صرف کسانوں ہی کو روزگار نہیں دیتی تھی، بلکہ دیگر غیر زرعی افراد کو بھی سہارا فراہم کرتی تھی۔ زیادہ تر زمین "گہپتی" (کاشتکار مالکان) کے قبضے میں تھی۔

5.6 شودش/سولہ مہاجنپد

500 قبل مسیح تک "جنپد" عام طور پر پائے جانے لگے۔ پنینی کے مطابق، چالیس سے زائد جنپدوں کا ذکر ملتا ہے، جو افغانستان اور جنوب مشرقی وسطی ایشیا تک پھیلے ہوئے تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح تک، کئی جنپد مہاجنپد میں تبدیل ہو چکے تھے، جیسے کہ مگدھ، کوسل۔ کئی مہاجنپدوں نے سابقہ آزاد جنپدوں کو ضم کر کے اپنے علاقے کو وسعت دی۔ بدھ مت کے ذرائع سولہ مہاجنپدوں کی موجودگی کا ذکر کرتے ہیں، جب بدھ زندہ تھے۔ چونکہ شمالی بھارت میں کوئی واحد مرکزی طاقت نہیں تھی، چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ آزاد ریاستیں ابھرنے لگیں۔

مہاجنپد ہزاروں دیہاتوں اور کچھ شہروں کا مجموعہ تھے۔ ہستناپور، اہچھتر، کوشامبی، اجینی، شراوستی، ویشالی کی کھدائی نے خوشحال زرعی بستیوں اور شہروں کے شواہد فراہم کیے۔ اس دور کے متون بھی سماج اور معیشت میں ہونے والی تبدیلیوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جو مخصوص جغرافیائی علاقوں میں وقوع پذیر ہو رہی تھیں۔

5.7 جغرافیائی وسعت

مہاجنپد شمال مغربی پاکستان سے مشرقی بہار تک اور شمال میں ہمالیہ سے جنوب میں دریائے گوداوری تک پھیلے ہوئے تھے۔ روایتی ادب میں بھی سولہ بڑی ریاستوں کا ذکر ملتا ہے، جو کئی زرعی بستیاں (جنپد) پر مشتمل تھیں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں بھارت میں موجود تھیں۔

5.7.1 مہاجنپدوں کے عروج کے عوامل

☆ جدید زرعی آلات اور اوزاروں نے کسانوں کو جنگلات صاف کرنے، قابلِ کاشت زمین بڑھانے، اور زائد پیداوار حاصل کرنے میں مدد دی۔ یہ نہ صرف حکمران طبقے کی ضروریات پوری کرتا تھا بلکہ گنگا کے میدان میں چمپا، راجگریہ، ایودھیا، کوشامبی، کاشی جیسے کئی شہروں کی کفالت بھی کرتا تھا۔

☆ زرعی توسیع کی وجہ سے آبادی میں اضافہ ہوا۔ شہری مراکز کے قیام سے نئے سماجی گروہ پیدا ہوئے، جیسے کہ گہپتی، تاجر، آبادکار، جو مختلف پیشوں اور سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

☆ اشیاء اور خدمات کے تبادلے اور تجارتی روابط کے فروغ سے پیشہ ور دلال اور تاجر وجود میں آئے۔ شہروں اور قصبوں کے درمیان مستقل تجارت ہونے لگی۔

☆ مویشی اب دولت کی بڑی علامت نہیں رہے۔ نقدی معیشت نے بارٹر نظام کی جگہ لے لی۔ اس کے نتیجے میں نسبتی سربراہان مسلسل جنگوں میں الجھے رہے تاکہ اپنی طاقت یا مالی وسائل کو بڑھا سکیں۔

☆ لوہے کے وسیع استعمال نے بڑی علاقائی ریاستوں کی تشکیل میں مدد دی۔ یہ ریاستیں فوجی لحاظ سے مضبوط تھیں، اور جنگجو طبقہ ان کے عروج میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔

☆ بتدریج ایک منظم ٹیکس کا نظام اور فوجی تنظیم بھی تیار ہوئی۔ "راجا" (حکمران) اور "پراجا" (عوام) کے درمیان فرق مزید واضح ہو گیا۔

5.7.2 مہاجنپد اور ان کے دارالحکومت

بدھ متی صحیفہ "انگوتر نیکایا" کے مطابق، بھارت ورش (جمبودیپ) میں سولہ بڑی ریاستیں تھیں، جنہیں "شودش مہاجنپد" کہا جاتا تھا۔ یہ مہاجنپد یا تو بادشاہی نظام کے تحت تھے یا جمہوری۔ بادشاہت زیادہ تر گنگا کے میدانوں میں تھی، جبکہ جمہوری ریاستیں ہمالیہ کے دامن اور شمال مغربی بھارت (موجودہ پنجاب) میں واقع تھیں۔

5.7.3 بادشاہتیں

- مگدھ-گریورج/راجگریہ
- کوسل-شراوستی
- انگ-چمپا
- کاشی-کاشی
- گندھارا-ٹیکسلا
- کامبوج-پونچھا/دوارکا
- وتسا-کوشامبی
- اونتی-اجینی یا مہشمتی
- شوراسینا-متھرا
- چیدی-سوتھواوتی/سکتمتی
- کورو-اندر پرستھ

- پنچال-اچھچھتر اور کمپلیا
- متسیا-ویرات نگر

5.7.4 جمہوری ریاستیں/گن سنگھ

- وجی (ورجی)-ویشالی
- اساکا/اشمکا-پوتن/پٹالی
- مالا-کشی نارا/پاوا

5.9 اختتامیہ

وسطی گنگا کا میدان لوہے کے آلات کے بڑھتے ہوئے استعمال اور گیلی چاول کی کاشت کا مرکز بن گیا۔زیادہ مقدار میں خوراک کی پیداوار نے بڑھتی ہوئی پیداوار کو ممکن بنایا، جس کا اظہار چھٹی صدی سے چوتھی صدی قبل مسیح کے آثار قدیمہ کے ریکارڈ میں بستیوں کی تعداد میں اضافے سے ہوتا ہے۔چھٹی صدی قبل مسیح تک، برہمنوں کی حیثیت، جو رسومات میں مہارت رکھتے تھے، مشکوک ہوگئی۔جنگجو طبقہ یا کشتری زمین کے مالکوں کے طور پر ابھرے۔انہوں نے زراعت پر مبنی ایک مستحکم زندگی کی خواہش کی، اور یوں لوہے کی ٹیکنالوجی کا تعارف زرعی زائد پیداوار اور جنگلات کی صفائی کے لیے ایک نعمت ثابت ہوا۔وہ گروہ جو زائد دولت کو کنٹرول کرتے تھے، نئی ابھرتی ہوئی ریاستوں کے حکمران طبقے بن گئے۔اور اسی دولت کی بنیاد پر چھٹی صدی قبل مسیح کے شہر وجود میں آئے۔

سوالات: مختصر اور تفصیلی

مختصر سوالات

1. لوہے کا دور
2. لوہے کے دور کے اوزار
3. گن سنگھ
4. کرا اور شلکا
5. بلی

تفصیلی سوالات (مضمون نویسی)

6. بھارت میں دوسری شہری ترقی کی وضاحت کریں۔
7. بادشاہتوں پر مضمون لکھیں۔
8. گن سنگھ کی خصوصیات کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
9. مہاجنپدوں کے نام اور ان کے دارالحکومتوں کا ذکر کریں۔

باب 6

مگدھ کا عروج—پورس اور بھارت کو متحد کرنے کا تصور —غیر ملکی حملے: فارسی اور یونانی (سکندر کا حملہ)

6.1 تعارف

بدھ کے دور میں داخل ہونے کے ساتھ کئی رکاوٹیں دور ہوئیں۔راعت میں لوہے کے استعمال سے گہرے ہل چلانے اور وسطی گنگا کے سخت زمین کو توڑنے میں مدد ملی۔لوہا دستی صنعتوں اور دھاتی سکوں (پنچ مارک سکے) بنانے میں بھی استعمال ہوا۔اسی دوران، گیلی چاول کی پیوندکاری قدرتی طور پر چاول اگانے والے اس علاقے میں شروع ہوئی۔ ان ترقیوں کے باعث زائد پیداوار حاصل ہوئی، جس نے تجارت، ٹیکس، اور ابھرتے ہوئے طبقات کو سہارا دیا، جو مگدھ میں انتظامی افسران اور مزدوروں پر مشتمل تھے۔مگدھ کے عروج کے دوران، بھارت نے فارسی بادشاہ "داریوش اول" کا حملہ دیکھا، اور یونانی "سکندر" کی یلغار کا سامنا کیا۔مگدھ کی طاقت نے انہیں دور رکھا۔

6.2 مقاصد

- مگدھ کے عروج کے عوامل کو سمجھنا
- مگدھ کو مضبوط بنانے میں حکمرانوں کا کردار
- حملے اور دفاع

6.3 اکتسابی نتائج

- لوہا اور اقتصادی ترقی
- سیاسی طاقت قدرتی وسائل پر منحصر ہے
- عورتوں، بادشاہوں، اور عوام نے حملوں کا مضبوط دفاع کیا
- بھارت کو حملوں سے بچانے کے لیے اتحاد ضروری ہے

6.4 مگدھ کا عروج

مشہور بھارتی مؤرخ رومِلا تھاپر نے ریاستوں کے ارتقاء کو سمجھانے کے لیے "نسبتی معاشرہ" اور "گھریلو معیشت" جیسے انسان شناسی کے تصورات استعمال کیے۔انہوں نے ریاست کی تشکیل پر اثر انداز ہونے والے کئی تبدیلیوں کی باہمی عمل پذیری پر زور دیا۔

مگدھن سلطنت چھٹی صدی قبل مسیح کے دوران ہی بڑھنے لگی۔ مگدھ کو گھیرنے والی سلطنتیں مشرق میں انگ، شمال میں وجی کنفیڈریسی، اس کے قریب مغرب میں کاشی کی بادشاہی اور مزید مغرب میں کوسل کی بادشاہی تھیں۔ وسطی گنگا کے میدانی علاقوں کے واقعات اور روایات جہاں مگدھ نمایاں طور پر واقع تھا، ابتدائی بدھ مت اور جین ادب میں اچھی طرح سے محفوظ ہیں۔

حالیہ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ خاص طور پر لوہے کی کان کنی کے علاقوں تک رسائی نے مگدھ اور اونتی جیسی سلطنتوں کو نہ صرف جنگ کے اچھے ہتھیار تیار کرنے کے قابل بنایا بلکہ دوسرے طریقوں سے بھی۔ اس نے زرعی معیشت کی توسیع میں سہولت فراہم کی اور اس طرح ریاست کے ذریعہ ٹیکسوں کی شکل میں نکالے گئے خاطر خواہ سرپلس کی پیداوار میں مدد کی۔ اس نے بدلے میں انہیں اپنے علاقائی اڈے کو وسعت دینے اور ترقی دینے کے قابل بنایا۔ واضح رہے کہ اونتی کافی عرصے تک مگدھ کا ایک سنجیدہ حریف بن گیا تھا اور یہ مشرقی مدھیہ پردیش میں لوہے کی کانوں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

مگدھ کو ہاتھیوں کی آسان فراہمی تک بھی رسائی حاصل تھی۔ درحقیقت، مگدھ ان چند لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے جنگوں میں بڑے پیمانے پر ہاتھیوں کا استعمال کیا اور اس طرح دوسروں پر برتری حاصل کی۔ ہاتھیوں کو مشرق سے حاصل کیا جا سکتا تھا۔ یونانی ذرائع کے مطابق نندوں نے 6000 ہاتھیوں کی دیکھ بھال کی۔ ہاتھیوں کو گھوڑوں اور رتھوں پر برتری حاصل تھی، کیونکہ انہیں دلدلی زمینوں اور ان علاقوں میں مارچ کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا جہاں سڑکیں یا نقل و حمل کے دیگر ذرائع نہیں تھے۔ آرالیس شرما محسوس کرتے ہیں کہ مگدھ میں سماجی نظام کے غیر روایتی کردار نے اسے اپنے حکمرانوں کی توسیع پسندانہ پالیسیوں کے لیے زیادہ قبول کرنے کا موقع فراہم کیا۔

6.5 مگدھ کے عروج کے لیے تشکیل شدہ عوامل

چھٹی صدی B.C. میں، ہندوستان نے تحلیل کی دائمی علامت پیش کی۔ شمال میں آریان ہندوستان سولہ بڑی سلطنتوں اور متعدد جمہوریہ، خودمختار ریاستوں میں تقسیم تھا۔ سیاسی ایٹموں کے امتزاج میں سے، چار سلطنتیں یعنی اونتی، وتس، کوسل اور مگدھ، مگدھ سلطنت دیگر کمزور ریاستوں کو بڑھاوا دے کر نمایاں ہوئی۔ وہ سامراجی بالادستی کے لیے چار طاقتوں کے تصادم میں داخل ہوئے جس کا اختتام ان پر مگدھ سلطنت کی حتمی فتح پر ہوا۔ یہ ریکارڈ شدہ تاریخ کے دور میں ہندوستان کے سامراجی اور خاندانی اتحاد کی پہلی کامیاب کوشش ہے۔

- بمبیسر کے تحت، جو بدھ کے ہم عصر تھے اور جو بدھ کی طرح 6ویں-5ویں صدی قبل مسیح میں رہتے تھے، مگدھ وسطی گنگا کے میدانی علاقوں کے کنٹرولر کے طور پر ابھرا۔ اشواگھوشا کی بدھا چاریتا کے مطابق، بمبیسار کا تعلق ہریانکا خاندان سے تھا۔ اسے مگدھ کا پہلا اہم حکمران سمجھا جاتا ہے۔
- کہا جاتا ہے کہ بمبیسار کے بیٹے اجاتشترو نے 492 قبل مسیح سے 460 قبل مسیح تک حکومت کی تھی۔ اس کا جانشین ادین (460-444 قبل مسیح) تھا۔ ادین کے دور حکومت میں مگدھن سلطنت شمال میں ہمالیائی سلسلوں اور جنوب میں چھوٹا ناگپور کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

- بنارس کے وائسرائے شیشونا گا کو 413 قبل مسیح میں تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ شیشونا گا خاندان کی حکمرانی بھی مختصر مدت کی تھی اور اس نے غاصب مہاپدما نندا کی سربراہی میں نندا خاندان کی حکمرانی کو راستہ دیا۔ مگدھ اور مجموعی طور پر گنگا کے میدانی علاقوں میں دھن نند کے دور حکومت میں ہی سکندر کا حملہ شمال مغربی ہندوستان میں 326 قبل مسیح میں ہوا لیکن اس نے مگدھ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کی۔ نندوں کو اکثر ہندوستان کے پہلے سلطنت سازوں کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم اس بات پر زور دیا جانا چاہیے کہ انہیں مگدھ کی ایک بڑی سلطنت وراثت میں ملی تھی جسے بعد میں انہوں نے مزید دور دراز کی سرحدوں تک بڑھایا۔

- چندر گپت موریہ نے بڑی کوشش سے دھن نند کا سامنا کیا اور 321 قبل مسیح تک نند کی حکمرانی ختم ہوگئی۔ اس نے مگدھ کے تخت پر بیٹھنے کے لیے صورتحال کا فائدہ اٹھایا اور اپنی فلاحی ریاستی پالیسیوں کے ساتھ حکومت کی۔ ان تمام خاندانی تبدیلیوں کے باوجود، مگدھ گنگا وادی میں سب سے اہم سلطنت بنی رہی۔ وہ خوش قسمت تھے کہ انہیں وسکارا، کوتلیہ اور رادھا گپتا جیسے عظیم وزرا اور سفارت کار ملے جن کی کوششوں کے بغیر مگدھن کے عروج کو نقصان پہنچتا۔

- مگدھ کا عروج اس کے فائدہ مند جغرافیائی محل وقوع پر منحصر تھا۔ مگدھ سلطنت کے عروج میں جغرافیائی عوامل نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مگدھ مشرقی ہندوستان کو مغرب سے جوڑنے والے مرکزی زمینی راستے پر واقع ہے۔ وہ ملک کے دونوں خطوں کے درمیان تجارت کو آسانی سے کنٹرول کر سکتی تھی۔ مگدھ سلطنت کو تینوں طرف سے گنگا، سون اور چمپا نے گھیر لیا تھا اور دشمن کے لیے اسے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ اس کا پرانا دارالحکومت راج گرہ حکمت عملی کے لحاظ سے واقع تھا کیونکہ یہ ہر طرف سے پہاڑیوں اور سائکلوپین پتھر کی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ لوہے کی کانوں تک اس کی رسائی اور اس کا کنٹرول اہم زمینی اور دریاؤں کے تجارتی راستوں پر استعمال کرنے کے لیے آیا تھا۔

- مگدھ کا نیا دارالحکومت پاٹلی پتر اب بھی راج گرہ سے زیادہ حکمت عملی کے لحاظ سے ناقابل تسخیر تھا۔ پاٹلی پتر شہر سے گنگا کے راستے پر قابو پانا آسان تھا۔ مگدھ کے ان جغرافیائی فوائد نے اسے اپنے پڑوسیوں کے خلاف جارحانہ ہونے میں مدد کی جبکہ مگدھ کی ناقابل تسخیریت سے حیران رہ گئی۔

- مگدھن پاور کے عروج کے پیچھے ایک اہم عنصر اس کی معاشی استحکام اور بڑھتی ہوئی خوشحالی تھی۔ مگدھ کی ایک وسیع آبادی تھی جسے زراعت، کان کنی اور اپنی فوج کے انتظام کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ سدر اور غیر آریان کو جنگل کو صاف کرنے اور اضافی زمین کو کاشتکاری کے لیے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اضافی آبادی اضافی زمین کی پیداوار پر آسانی سے زندگی گزار سکتی تھی۔

- گنگا اور سون کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے مگدھن کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ چوتھی صدی B.C. کہ مگدھن کی زمینوں سے سال بھر متعدد فصلیں پیدا ہوتی تھیں۔ مگدھن سلطنت کے لوگ زمین کی زرخیزی کی وجہ سے خوشحال ہوئے اور حکومت خود بخود امیر اور طاقتور ہوگئی۔

- مگدھ کے معدنی وسائل اس کی طاقت اور خوشحالی کے دیگر ذرائع تھے۔ لوہے کے دور کے آغاز کے ساتھ، لوہا آلات، ہل کی کینچی اور جنگی ہتھیار بنانے کے لیے ایک اہم دھات بن گیا۔ مگدھ کو اس کی کانوں سے لوہے کی وافر فراہمی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس تانبے کی کانیں تھیں۔ مگدھ اپنی وسیع فوج کو لوہے کے ہتھیاروں سے لیس کر سکتی تھی؛ وہ اضافی لوہا دوسری ریاستوں کو فروخت کر سکتی تھی۔ لوہے کی آسان فراہمی کی وجہ سے لوہے کے بھاری ہل کے ساتھ گہری ہل چلانا ممکن تھا۔
- اقتصادی طور پر، مگدھ سلطنت کے پاس خوشحالی کے بہت سے ذرائع تھے۔ مگدھ مشرقی ہندوستان کو مغرب سے جوڑنے والے زمینی راستے پر واقع تھا۔ اس راستے سے ہونے والی تجارت مگدھ سے گزرتی تھی۔ دریائے گنگا جو مگدھ کے قلب سے گزرتی تھی، شمالی ہندوستان میں تجارت کا اعلیٰ راستہ تھا۔ مگدھ کو شمالی ہندوستان کے کچھ حصوں سے گنگا کے راستے سے کاسی یا بارانسی تک اور پریاگ یا الہ آباد سے جوڑا گیا تھا؛ گنگا اور جمنا کے سنگم کی جگہ، مگدھ جمنا کے راستے سے دہلی کے علاقے تک اپنا سامان بھیج سکتی تھی۔ مگدھ سے نیچے کی طرف گنگا کے راستے سے کھلے سمندر تک پہنچا جا سکتا ہے۔ سون اور چمپا مگدھن سرحد کے ساتھ ساتھ بہتے تھے۔
- ثقافتی طور پر مگدھ کے عروج کی وضاحت اس بنیاد پر کی جا سکتی ہے کہ مگدھ دو مخالف ثقافتوں کا ملاپ تھا۔ مگدھ پہنچنے پر آریان ثقافت نے اپنی اصل طاقت کھو دی اور مشرقی ہندوستان کی غیر آریان ثقافت کے دیرپا نشانات آریان ثقافت کے ساتھ مل گئے۔ دو ثقافتوں کے اس تعامل نے مگدھ سلطنت کو نئی طاقت اور روح دی۔
- بیرونی طور پر، 6 ویں صدی B.C. میں اچیمینیوں کی طرح غیر ملکی حملوں کا خطرہ۔ چوتھی صدی B.C. میں مقدونیہ کے باشندوں کا۔ اور اس کے بعد غیر ملکی نسلوں کی دراندازی نے دلیری سے یہ سوال پیش کیا کہ برصغیر پر مرکزی اعلیٰ حکومت کے بغیر، غیر ملکی حملوں سے اس کا دفاع کرنا ناممکن تھا۔ اس طرح کے شعور نے یقینی طور پر مگدھن سامراج کے عروج کے پیچھے کام کیا اور ملک کو مگدھن کی بالادستی کے تابع ہونے کے لیے تیار کیا۔

6.6 ہندوستان متحدہ – غیر ملکی دراندازی کا مقصد اور تصور: فارسی اور یونانی (الیگزینڈر حملہ)

مگدھ میں دھن نند کے دور حکومت میں، تیسری عیسوی قبل مسیح، ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں، جسے پوراو اشٹر کہا جاتا ہے، پنجاب کے علاقے میں موجود تھا۔ بادشاہ پوراس کو قیاس آرائی کے مطابق پوراوا کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔ i.e.، پوراووں کا حکمران، ایک قبیلہ جو قدیم زمانے سے اس علاقے میں جانا جاتا ہے۔ پورس صرف ایک ہی علاقے کا بادشاہ تھا۔ پوراوا ایک علاقائی طاقت تھے، ان کا بنیادی حریف تکششیلا تھا۔

پروشوتم بطور پورش (326-321 قبل مسیح) یونانی ریکارڈوں میں مذکور ایک قدیم ہندوستانی بادشاہ تھا جس کا علاقہ برصغیر پاک و ہند کے پنجاب کے علاقے میں دریائے جہلم (ہائیڈاسپس) اور دریائے چیناب (ایسیسینز) کے درمیان کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ پورس نے اپنی ماں، ملکہ انوسویا کی رہنمائی میں بھارت/ جمبودوپا کو متحد کرنے کی کوشش کی، جس نے ہندوستان کو متحد کرنے کا خیال پیدا کیا، ہمارے ملک کو فارسی حکمران دارا کے خلاف لڑنے کے لیے، جو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے تاجر کے طور پر آیا تھا اور شہنشاہ سکندر۔

ڈاریئس کے خلاف بادشاہ پورش، ذاتی شہنشاہ

جہلم اور چیناب کے درمیان سندھ کے بعد کا علاقہ دارا اول (518 قبل مسیح) کے ذریعے پنجاب اور سندھ کے فارسی سلطنت میں الحاق کے ساتھ ریکارڈ شدہ تاریخ میں داخل ہوا ہے۔ پنجاب کا علاقہ زیادہ تر جنوب کی طرف بہنے والے دریائے سندھ اور موجودہ پاکستان میں اس کی چار بڑی معاون ندیوں، جہلم، چیناب، راوی اور ستلج دریاؤں سے بنے ایک دلدلی میدان پر مشتمل ہے۔ زمین کی عمومی ڈھلوان شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف ہے، لیکن یہ دریاؤں کے درمیان کے علاقوں میں اٹھتی ہے۔ اس وقت پنجاب میں زراعت آمدنی اور روزگار کا بنیادی ذریعہ ہے۔

فارس کا شہنشاہ دارا ہندوستانی خطے سے فائدہ اٹھانے کے لیے تاجر کے طور پر ہندوستان آیا اور محسوس کیا کہ میلوہا، امیر تجارت کی سرزمین/ جمبودوپا i.e.، ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن بادشاہ پورس نے اسے متحد ہونے اور دارا کے خلاف لڑنے کی پالیسی کے ساتھ بہت سے ہتھکنڈوں سے روک دیا۔

330 قبل مسیح میں گوگامیلا اور اربیلہ میں تیسری تباہ کن شکست کے بعد فارسی اچیمینی حکمران دارا نے پورس سے سکندر کے خلاف اپنا دفاع کرنے میں مدد مانگی۔ اس کے بجائے، دارا کے آدمی بہت سی لڑائیاں ہارنے سے بیمار ہو گئے، دارا کو مار ڈالا اور سکندر کی افواج میں شامل ہو گئے۔

بادشاہ پورس نے شہنشاہ الیگزینڈر کے خلاف، یونانی حکمران

سلطنت فارس کو فتح کرنے کے بعد سکندر نے شمالی ہندوستان میں تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ پوراوا کے بادشاہ پورس نے پنجاب میں دریائے ہائیڈاسپیس (اب جہلم) پر ایک فورڈ پر سکندر کی پیش قدمی کو روک دیا۔ افواج تعداد کے لحاظ سے بالکل یکساں طور پر متوازن تھیں، حالانکہ سکندر کے پاس زیادہ گھڑسوار تھے اور پورس نے 200 جنگی ہاتھیوں کو میدان میں اتارا تھا۔

شہنشاہ سکندر کے پنجاب پر حملے (327-326 قبل مسیح) کے وقت، اپنے پڑوسی امبی کے برعکس، ٹیکسلا (تکشلا) کے بادشاہ پورس نے سکندر کی مزاحمت کی۔ لیکن اپنے ہاتھیوں اور آہستہ چلنے والی پیادہ فوج کے ساتھ، ہائیڈاسپس کی جنگ میں سکندر کی متحرک گھڑسوار فوج اور سوار تیراندازوں نے اسے پیچھے چھوڑ دیا۔ پورس نے اپنی پیادہ فوج کو ایک دفاعی بلاک میں تبدیل کر دیا اور پھر فراخدلی سے شرائط دیے جانے پر ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی۔ سکندر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ پورس پوراوا کا بادشاہ رہ سکتا ہے لیکن اس نے خراج عائد کیا۔

سکندر اپنی تکنیکوں اور جذبے سے متاثر ہو کر سکندر نے اسے اپنی سلطنت برقرار رکھنے کی اجازت دی اور شاید کچھ فتح شدہ علاقے بھی اسے سونپ دیے۔ اس کے بعد سکندر کے حامی پورس نے مقدونیائی ماتحت کا عہدہ سنبھالا۔

ہائیڈاسپس کی جنگ، (326 قبل مسیح) چوتھی اور آخری لڑائی سکندر اعظم نے ایشیا میں فتح کی مہم کے دوران لڑی۔ ہندوستان میں دریائے ہائیڈاسپیس کے کنارے ہونے والی لڑائی سکندر اعظم کی شکست کے قریب ترین تھی۔ اس کا خوف زدہ ساتھی گھڑسوار بہادر بادشاہ پورس کو مکمل طور پر زیر کرنے میں ناکام رہا۔ ہائیڈاسپس نے سکندر کے فتح کے کیریئر کی حد کو نشان زد کیا؛ وہ ایک اور مہم شروع کرنے سے پہلے ہی مر گیا۔

323 قبل مسیح میں سکندر کی موت کے بعد، ڈیوڈورس کے مطابق، اینٹی پیٹر نے دریائے سندھ کے کنارے کے علاقوں پر پورس کے اختیار کو تسلیم کیا۔ تاہم، یوڈیمس، جس نے پنجاب کے علاقے میں سکندر کے ستراپ کے طور پر خدمات انجام دی تھیں، نے بادشاہ پورس کو دھوکہ دہی سے قتل کر دیا۔

اختتامیہ

ہندوستان صدیوں سے زراعت اور تجارت کی ترقی کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس لیے کئی بار غیر ملکی حملہ آوروں نے حملوں کے ذریعے قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان کے مغربی حصے پر مگدھ جغرافیائی عوامل اور مضبوط حکمرانوں کے ساتھ ساتھ پنجاب میں علاقائی طاقت کے طور پر پورا اور اشٹر کی وجہ سے بلند ہوا لیکن اندرونی ذات پات/ ورن تنازعات اور دشمنی کی وجہ سے فارس اور یونانی سے غیر ملکی حملے ہندوستان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس لیے ہمیں اس تاریخ سے ایک سبق سیکھنا ہے کہ ہمیں ہندوستان میں امن اور ترقی کے لیے اتحاد کے ساتھ رہنا چاہیے۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. مگدھ کا جغرافیہ
2. ہائیڈاسپس کی جنگ
3. پورس کے تحت ہندوستان کو متحد کرنا
4. بندوسارا

طویل سوالات

5. مگدھ کے عروج کے ذمہ دار عوامل کیا ہیں؟
6. فارسی حملے کے خلاف پورش کی جدوجہد کا ذکر کریں۔
7. الیگزینڈر کے حملے کے خلاف لڑی گئی ہائیڈاسپس کی جنگ کا ذکر کریں۔

باب 7

موریہ سلطنت: بھارت کی پہلی عظیم سلطنت کی بنیاد

7.1 تعارف

موریہ سلطنت کی بنیاد چندر گپت موریہ نے 322 قبل مسیح میں رکھی۔ یہ سلطنت جغرافیائی لحاظ سے وسیع اور لوہے کے دور کی ایک بڑی تاریخی طاقت تھی۔ موریہ خاندان کے تین مشہور حکمرانوں نے اس سلطنت کی عظمت کو بلندیوں تک پہنچایا جس میں چندر گپت موریہ، بندوسار، اشوک شامل تھے۔ بھارتی تاریخ میں پہلی بار سیاسی اتحاد موریہ حکمرانی کے تحت حاصل کیا گیا۔ ہندو-گنگا کے میدان پر فتح کے بعد، سلطنت کو مرکزی حیثیت دی گئی۔

موریہ سلطنت کا دارالحکومت "پٹلی پتر" (موجودہ پٹنہ) تھا۔ اشرافیہ حکمرانی کا نظام ختم ہوا، اور بادشاہت نے موریہ حکمرانوں کے تحت عمدہ شکل اختیار کی۔ یہ سلطنت سیاست، انتظامیہ، معیشت، ادب، فن، تعمیرات، اور کتبوں کے لحاظ سے غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کی حامل تھی۔ اشوک کا "شیر دارالحکومت"، جو بھارت کا قومی نشان ہے، اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ 180 قبل مسیح میں موریہ سلطنت کا خاتمہ ہوا، اور آخری حکمران "بریہد راتھ" تھا۔**

7.2 مقاصد

- ☆ موریہ سلطنت کے قیام کو سمجھنا
- ☆ موریہ حکمرانوں کی جدوجہد اور طاقت
- ☆ پالیسی، انتظامیہ، اور معیشت
- ☆ تعلیم اور اداروں کا قیام
- ☆ ثقافت-فن، تعمیرات، اخلاقی اقدار
- ☆ موجودہ دور میں تاریخی اقدار کی اہمیت

7.3 اکتسابی نتائج

- ☆ چندر گپت موریہ کی بھارت کو متحد کرنے کی خدمات
- ☆ بندوسار کا یونانی حملے کے خلاف تحفظ

☆ شہنشاہ اشوک کا "دھمّا" اور انتظامیہ
☆ اخلاقی اقدار کی ہماری زندگی میں اہمیت
☆ فن اور تعمیرات ایک اہم تاریخی ماخذ

7.4 شہنشاہ چندر گپت موریہ

چندر گپت موریہ موریہ خاندان کے بانی تھے۔ بدھ روایات کے مطابق، وہ "مورا" نامی کشتریہ قبیلے میں "پپلیون" کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے نندوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، چانکیہ (کوٹلیہ) کی مدد سے آخری نند حکمران "دھن نند" کو شکست دی اور شہنشاہ بنے۔ انہوں نے بھارت کو متحد کیا اور ایک مرکزی نظامِ حکومت قائم کیا۔

7.5 شہنشاہ بندوسار

چندر گپت موریہ کے بعد ان کے بیٹے "بندوسار" تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے موریہ سلطنت کو جنوب تک پھیلا دیا۔ انہوں نے 16 ریاستوں کو سلطنت میں شامل کیا، اور بھارتی جزیرہ نما پر قبضہ کر لیا۔ مگدھ کے علاوہ، صرف "کلنگا" ریاست ان کے زیرِ تسلط نہیں تھی۔ ان کے دور میں یونانیوں سے تعلقات برقرار رہے۔

7.6 شہنشاہ اشوک

شوک، موریہ سلطنت کا عظیم ترین حکمران، بندوسار کا بیٹا تھا اور والد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ وہ پہلا حکمران تھا، جس نے عوام تک اپنے پیغامات کتبوں کے ذریعے پہنچائے۔ تخت نشین ہونے کے بعد، کلنگا کی جنگ واحد جنگ تھی جو انہوں نے لڑی۔ کلنگا کی جنگ میں ہونے والے قتلِ عام سے دکھی ہو کر انہوں نے جنگ کے ذریعے فتوحات کو ترک کر دیا، اور "دھمّا" کے ذریعے فتوحات کو ترجیح دی۔ انہوں نے "بھیری گوشا" کو "دھمّا گوشا" سے بدل دیا، یعنی جنگ کے نعرے کو امن کے پیغام سے تبدیل کر دیا۔

اشوک بدھ مت میں تبدیل ہو گئے۔ انہوں نے تیسری بدھ متی کونسل منعقد کی، اور جنوبی بھارت، سری لنکا، برما، اور دیگر ممالک میں بدھ مت کے مشنری بھیجے۔ شہنشاہ اشوک کو "بھارت کا عظیم ترین حکمران" سمجھا جاتا ہے، جو اپنی امن پسندی اور اخلاقی اقدار کے لیے مشہور ہے۔

7.6.1 شہنشاہ اشوک اور دھمّا کی پالیسی

شہنشاہ اشوک نے "دھمّا" کی پالیسی اپنائی۔ یہ ایک وسیع تصور تھا، جو طرزِ زندگی، اخلاقی اصول، اور رہن سہن کے ضابطے کا احاطہ کرتا تھا۔ انہوں نے دھمّا کے فروغ کے لیے "دھمّا مہاماترا" مقرر کیے۔ وہ مذہبی رواداری پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے امن، عدم جارحیت، اور ثقافتی فتوحات کی پالیسی اپنائی۔

کچھ دانشوروں کے مطابق، بدھ مت میں ان کی تبدیلی بتدریج ہوئی اور فوری نہیں تھی۔ B.C.261 اشوک ساکیہ اپاسکا بن گیا اور ڈھائی سال بعد بکشو بن گیا۔ پھر اس نے شکار ترک کر دیا، بودھ گیا کا دورہ کیا، اور مشنوں کا اہتمام کیا۔ اس نے دھما کی ترقی کو تیز کرنے کے لیے دھرم مہاماتروں کے نام سے خصوصی افسران مقرر کیے۔ B.C.241 میں، انہوں نے کپل واستو کے قریب بدھ کی جائے پیدائش لمبنی گارڈن کا دورہ کیا۔ انہوں نے بدھ مت کے دیگر مقدس مقامات جیسے سارناتھ، سراوستی اور کسینا گر کا بھی دورہ کیا۔ اس نے اپنے بیٹے مہندر اور بیٹی سنگمترا کی سربراہی میں سری لنکا میں ایک مشن بھیجا جس نے وہاں اصل بودھی درخت کی شاخ لگائی۔ اشوک نے B.C240 میں پاٹلی پتر میں تیسری بدھ کونسل بلائی۔ سنگھ کو مضبوط کرنے کے لیے۔ اس کی صدارت موگلی پٹہ تسانے کی۔

اشوک کے دھرم کا خلاصہ جیسا کہ ان کے مختلف فرمانوں میں ذکر کیا گیا ہے اس طرح کیا جا سکتا ہے:

1. باپ اور ماں کی خدمت، احمسا کی مشق، سچائی سے محبت، اساتذہ کا احترام اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔
2. جانوروں کی قربانیوں اور تہواروں کے اجتماعات کی ممانعت اور مہنگی اور بے معنی تقریبات اور رسومات سے گریز۔
3. سماجی بہبود کی سمت میں انتظامیہ کی موثر تنظیم اور دھما یاتروں کے نظام کے ذریعے لوگوں کے ساتھ مسلسل رابطے کو برقرار رکھنا۔
4. سرکاری اہلکاروں کے ذریعہ مالکوں اور قیدیوں کے ذریعہ نوکروں کے ساتھ انسانی سلوک۔
5. جانوروں کے لیے غور و فکر اور عدم تشدد اور برہمنوں کے ساتھ تعلقات اور فراخدلی کے لیے شائستگی۔
6. تمام مذہبی فرقوں میں رواداری۔
7. جنگ کے بجائے دھما کے ذریعے فتح کریں۔

عدم تشدد کا تصور اور اشوک کے دھرم کے اسی طرح کے دیگر نظریات بدھ کی تعلیمات سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن اس نے دھرم کو بدھ مت کی تعلیمات سے تشبیہ نہیں دی۔ بدھ مت ان کا ذاتی عقیدہ رہا۔ اس کا دھما ایک عام ضابطہ اخلاق کی نشاندہی کرتا ہے۔ اشوک کی خواہش تھی کہ ان کا دھرم مختلف طریقوں سے تمام سماجی سطحوں پر پھیل جائے۔

7.6.2 اشوکن انسکرپشنز

اشوک کی تاریخ ان نوشتہ جات کی بنیاد پر بنائی گئی تھی۔ یہ نوشتہ جات بڑے پیمانے پر عوام کے سامنے اشوک کے اعلانات تھے، جو دھرم کی تشہیر کے لیے ان کی کوششوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ تقریباً 39 نوشتہ جات ہیں جنہیں بڑے پیمانے پر چار زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ 1. بڑے پتھر کے نوشتہ جات 2. چھوٹے پتھر کے نوشتہ جات

3. اہم ستون کے فرمان

4. چھوٹے ستون کے فرمان

اشوک کا نام صرف معمولی چٹان کے فرمان اول کی نقلوں میں ظاہر ہوتا ہے، جو مہاراشٹر میں ایک جگہ اور کرناٹک میں تین مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ دیگر تمام نوشتہ جات کا نام دیوانمپیا پیاداسی ہے جس کا مطلب ہے دیوتاؤں اور لوگوں کو عزیز۔ ان کے نوشتہ جات ہندوستان، افغانستان، پاکستان اور نیپال میں پائے گئے۔ انہیں زیادہ تر قدیم شاہراہوں پر رکھا گیا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں پائے جانے والے نوشتہ جات زیادہ تر برہمی رسم الخط کا استعمال کرتے ہوئے پراکرت میں لکھے گئے تھے، جبکہ شمال مغربی حصے میں ارامی زبان اور خروستی رسم الخط استعمال کیے گئے تھے۔

7.7 ادبی ذرائع

موریہ سلطنت کے ادبی ذرائع یہ ہیں: نوشتہ جات، بدھ مت اور جین ادب، ارتھ شاستر، مدرا راکشاس اور انڈیکا اور دیگر کام۔

7.8 7.8 کوٹلیا کا کردار

کوتلیہ دیگر دو ناموں سے بھی مشہور ہے جن میں وشنو گپتا اور چانکیہ بھی شامل ہیں۔ وہ چندر گپت موریہ کے استاد اور وزیر اعلیٰ تھے۔ انہوں نے تکشلا میں استاد اور عالم کے طور پر پڑھایا۔ وہ چندر گپت اور بندوسار کے محل میں بھی وزیر تھے۔ انہیں اپنے شاگرد چندر گپت کے ذریعے نند تخت پر قبضہ کرنے اور موریہ سلطنت کی ترقی کے مرکزی منصوبہ ساز کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ ارتھ شاستر ریاستی فن، معاشیات اور فوجی حکمت عملی پر ایک کتاب ہے جو انہوں نے لکھی تھی۔

اس کام کو 15 جلدوں اور 180 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اہم تصور کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: بادشاہ، وزارتی کونسل، اور سرکاری محکمے، فوجداری اور شہری قانون، جنگی سفارت کاری۔ اس میں تجارت اور بازاروں کے بارے میں معلومات، وزراء اور جاسوسوں کی جانچ کے لیے ایک طریقہ کار، شاہی ذمہ داریاں، اخلاقیات، سماجی بہبود، زراعت، کان کنی، دھات کاری، طب اور جنگلات سمیت دیگر چیزیں بھی شامل ہیں۔

7.9 موریائی نظم ونسق

موریہ نظم ونسق مرکزی، مقامی اور محصولات انتظامیہ پر مبنی ہے:

7.9.1 مرکزی نظم ونسق

قدیم ہندوستان کے سب سے اہم سیاسی نظریہ ساز کوٹلیا نے حکومت کی بادشاہت کی حمایت کی، اس نے وکالت کی کہ بادشاہ کو انتظامیہ چلانے میں اپنی وزارت کا مشورہ لینا چاہیے۔

کنگ مرکز تھا اور اس کی مدد منتری پریشد- یوراج، پروہیتا، سیناپتی اور دیگر نے کی تھی۔ روزمرہ کی انتظامیہ کی دیکھ بھال کے لیے اعلیٰ ترین افسران کو 'اماتیا' سرکاری ملازم کہا جاتا تھا۔

7.8.2 مقامی اور صوبائی نظم ونسق

موریہ سلطنت کو چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن کے دارالحکومت ٹیکسلا، اجین، سوورنا گیری اور کلنگا تھے۔ صوبائی گورنروں کا تقرر زیادہ تر شاہی خاندان کے افراد سے کیا جاتا تھا۔ وہ امن وامان کی بحالی اور سلطنت کے لیے ٹیکسوں کی وصولی کے ذمہ دار تھے۔ ضلعی انتظامیہ راجوکوں کے ماتحت تھی، جن کی حیثیت اور کام جدید کلکٹروں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کی مدد یوکتا یا ماتحت حکام کرتے تھے۔ گاؤں کی انتظامیہ گرامانی کے ہاتھ میں تھی اور اس کے سرکاری اعلیٰ کو گوپا کہا جاتا تھا جو دس یا پندرہ دیہاتوں کا انچارج تھا۔ کوتلیا اور میگاستھانس دونوں نے میونسپل انتظامیہ کا نظام فراہم کیا۔ ارتھ شاستر میں ناگریکا یا سٹی سپرنٹنڈنٹ کے کردار پر ایک مکمل باب شامل ہے۔ ان کا بنیادی فرض امن وامان برقرار رکھنا تھا۔ میگاستھینز سے مراد پاٹلی پتر کی انتظامیہ کی دیکھ بھال کے لیے پانچ ارکان پر مشتمل چھ کمیٹیاں ہیں۔ ان کمیٹیوں نے دیکھ بھال کی:. 1 صنعتیں. 2 غیر ملکی. 3 پیدائش اور موت کا اندراج. 4 تجارت. 5 اشیا کی تیاری اور فروخت. 6 سیلز ٹیکس کی وصولی۔

7.8.3 مقامی نظم ونق

موریہ ریاست میں مقامی اور میونسپل انتظامیہ بھی تھی؛ 'وشور 'احارا' (اضلاع) ایک صوبے کی اکائیاں تھیں۔ میگاستینیز کے بیان میں میونسپلٹیوں کے انتظام کے لیے پانچ پانچ اراکین پر مشتمل 6 کمیٹیوں کا ذکر ہے۔

7.8.4 ریوینیو انتظامیہ نظم ونسق

محکمہ محصول سمہرتا، محکمہ محصول کا سربراہ، سلطنت کے تمام محصولات کی وصولی کا انچارج تھا۔ آمدنی زمین، آبپاشی، کسٹم، شاپ ٹیکس، فیری ٹیکس، جنگلات، کانوں اور چراگاہوں، کاریگروں سے لائسنس فیس، اور عدالتوں میں وصول کیے جانے والے جرمانوں سے حاصل ہوتی تھی۔ زمینی محصول عام طور پر پیداوار کا چھٹا حصہ مقرر کیا جاتا تھا۔ ریاست کے اخراجات کی اہم اشیا بادشاہ اور اس کے گھر، فوج، سرکاری ملازمین، عوامی کام، ناقص امداد، مذہب وغیرہ سے متعلق ہیں۔

7.8.5 فوج

موریہ فوج اچھی طرح منظّم تھی اور یہ سیناپتی کے زیر اقتدار تھی۔ تنخواہوں کی ادائیگی نقد میں کی جاتی تھی۔ کوتلیا سے مراد فوجی افسران کے مختلف عہدوں کی تنخواہیں ہیں۔ یونانی مصنف پلینی کے مطابق موریہ فوج چھ لاکھ پیادہ فوج، تیس ہزار گھڑ سوار، نو ہزار ہاتھی اور آٹھ ہزار رتھوں پر مشتمل تھی۔ ان چار ونگز کے علاوہ نیوی اور ٹرانسپورٹ اینڈ سپلائی ونگز بھی تھے۔ ہر ونگ آدیکشاؤں یا سپرنٹنڈنٹ کے کنٹرول میں تھا۔ میگاستھینز نے فوج کے چھ ونگز کو کنٹرول کرنے کے لیے پانچ ارکان کے چھ بورڈوں کا ذکر کیا ہے۔

7.8.6 موریاؤں کے تحت جاسوسی

موریوں کے پاس جاسوسی کا ایک اچھی طرح سے تیار شدہ نظام تھا۔ جاسوسوں نے شہنشاہ کو بیوروکریسی اور بازاروں کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ دو قسم کے جاسوس تھے: سمستان (اسٹیشنری) اور سنچاری (گھومتے پھرتے) گڈا پروشا خفیہ ایجنٹ یا تفتیش کار تھے۔ مہاماتیا پاسار پانے ان پر حکومت کی۔ ان ایجنٹوں کو مختلف سماجی گروہوں میں سے منتخب کیا گیا تھا۔ وشا کنیاس (زہریلی لڑکیاں) کے نام سے جانے جانے والے اضافی ایجنٹ تھے۔

7.8.7 تجارت اور صنعت کی تقسیم

اس محکمے نے اشیا کی خوردہ اور تھوک قیمتوں کو کنٹرول کیا تھا اور آدیکشا نامی اپنے افسران کے ذریعے ان کی مستقل فراہمی کو یقینی بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے وزن اور پیمائش کو بھی کنٹرول کیا، کسٹم ڈیوٹی عائد کی اور غیر ملکی تجارت کو منظّم کیا۔

7.8.8 عدالتی اور پولیس محکمے

کوٹلیا سول اور فوجداری دونوں عدالتوں کے وجود کا ذکر کرتا ہے۔ دارالحکومت میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو دھرمتی کرن کہا جاتا تھا۔ اماتیوں کے ماتحت صوبائی دارالحکومتوں اور اضلاع میں ماتحت عدالتیں بھی تھیں۔ مجرموں کو مختلف قسم کی سزائیں جیسے جرمانے، قید، مسخ اور موت دی جاتی تھی۔ سچائی نکالنے کے لیے تشدد کا استعمال کیا جاتا تھا۔ تمام اہم مراکز میں پولیس اسٹیشن پائے گئے۔ کوتلیا اور اشوک کے دونوں فرمانوں میں جیلوں اور جیل کے اہلکاروں کا ذکر ہے۔ دھما مہاماتروں سے اشوک نے کہا تھا کہ وہ غیر منصفانہ قید کے خلاف اقدامات کریں۔ اشوک کے نوشتہ جات میں بھی جملوں کی معافی کا ذکر ہے۔

7.8.9 مردم شماری

موریہ دور میں مردم شماری کا عمل باقاعدہ تھا۔ گاؤں کے حکام کو لوگوں کو ان کی ذات اور پیشے جیسی دیگر تفصیلات کے ساتھ نمبر دینا تھا۔ انہیں ہر گھر کے جانوروں کی گنتی بھی کرنی تھی۔ قصبوں میں مردم شماری میونسپل حکام نے غیر ملکی اور مقامی دونوں آبادی کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے کی تھی۔ جمع کردہ ڈیٹا کو جاسوسوں نے کراس چیک کیا۔ مردم شماری موریہ انتظامیہ میں ایک مستقل ادارہ معلوم ہوتا ہے۔

7.8.10 مورین سلطنت۔ آرٹ اور فن تعمیر

☆ پاٹلی پتر کا قدیم محل، جو اس وقت پٹنہ میں کمہرار ہے، اس وقت کی سب سے بڑی یادگار تھی، جو چندر گپت موریہ کے دور میں تعمیر کی گئی تھی۔

☆ کھدائی سے محل کی باقیات کا انکشاف ہوا ہے، جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بہت سے ڈھانچوں کا مجموعہ تھا، جن میں سے سب سے قابل ذکر ایک بہت بڑا ستونوں والا ہال تھا جو لکڑی کے اونچے نچلے حصے پر تھا۔

☆ ستونوں کو باقاعدہ قطاروں میں ترتیب دیا گیا تھا، جس سے ہال کو بہت سے چھوٹے مربع خلیج میں الگ کیا گیا تھا۔

☆ یہ ڈھانچے مچھلی کے تالابوں اور پرکشش پودوں اور جھاڑیوں کی ایک وسیع ریخ سے بھرے ایک وسیع پارک کے درمیان قائم کیے گئے تھے۔

☆ اس وقت کے دوران محل کی تعمیر کا طریقہ بھی کویلیہ کے ارتھ شاستر میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ بعد میں پتھر کے ستون کے ٹکڑے، جن میں ایک عملی طور پر مکمل بھی شامل ہے، گول ٹیپرنگ شافٹ اور بے عیب پالش سے پتہ چلتا ہے کہ اشوک پتھر کے کالموں کا ذمہ دار تھا جس نے پہلے والے لکڑی کے ستونوں کی جگہ لے لی تھی۔

☆ اشوک کے دور میں، سنگ تراشی اعلیٰ ترین معیار کی تھی، جس میں لمبے آزاد کھڑے ستون، استوپا ریلنگ، شیر تخت اور دیگر بڑے بڑے مجسمے تھے۔

☆ اشوک متعدد استوپوں کی تعمیر کا ذمہ دار تھا، جو بہت بڑے گنبد تھے جو بدھ کی مجسمہ سازی سے آراستہ تھے۔

☆ اہم سانچی، بھرہوت، امراوتی، بودھ گیا اور ناگارجنکونڈا میں ہیں۔

☆ اشوک کے ستون اور اشوک کے نقش ونگار، جو کبھی کبھی باریک پینٹ کیے جاتے ہیں، موری فن تعمیر کے سب سے عام نمونے ہیں، جن میں سے 40 سے زیادہ برصغیر پاک وہند میں بکھرے ہوئے ہیں۔

☆ جیسا کہ نندن گڑھ اور سانچی استوپا میں اشوک کے ستونوں سے ظاہر ہوتا ہے، مور موریوں کی خاندانی علامت تھا۔

7.8.11 مذہب

موریہ جین مت اور بدھ مت کے پیروکار تھے۔ اجیوکا جیسے چھوٹے مذہبی گروہوں کی بھی حمایت کی گئی۔ جب چندر گپت موریہ ریٹائر ہوئے تو انہوں نے جین راہبوں کے گھومنے والے گروہ میں شامل ہونے کے لیے اپنی سلطنت اور اپنے اثاثوں کی قربانی دی۔ جنوبی ہندوستان میں جین مت کے پھیلاؤ کو چندر گپت اور سمپرتی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ شہنشاہ اشوک کے دور حکومت میں بدھ مت کو سب سے بڑا مقام دیا گیا اور یہ ہندوستان کے مختلف حصوں اور بیرون ملک پھیل گیا۔ کلنگا جنگ کے بعد، اشوک نے توسیع پسندی اور تشدد کے ساتھ ساتھ طاقت کے استعمال، شدید پولیسنگ، اور ٹیکس وصولی کے لیے اور باغیوں کے خلاف وحشیانہ ذرائع پر ارتھ شاستر کے سخت احکامات کو ترک کر دیا۔

7.8.12 موری سلطنت کا زوال

موریہ سلطنت کو بالآخر شونگا حکمران پشیامتر شونگا نے تباہ کر دیا۔ اس نے خاندان کے آخری حکمران (برہدرتھ) کو شکست دے کر پاٹلی پتر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ شونگوں نے ان طریقوں اور پالیسیوں کو دوبارہ زندہ کیا جو برہمن طرز زندگی کی طرف لے گئے۔ شونگوں کے بعد کانووں نے اقتدار سنبھالا۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. چانکیہ (کوٹلیہ)
2. جاسوسی
3. محصولات کی انتظامیہ
4. موریہ دور میں انصاف

طویل سوالات

1. موریہ سلطنت کے حکمران کون تھے؟ وضاحت کریں۔
2. موریہ دور میں مرکزی انتظامیہ کیسی تھی؟ بحث کریں۔
3. مقامی انتظامیہ کا جائزہ لیں۔
4. شہنشاہ اشوک کے "دھمّا" پر مضمون لکھیں۔
5. شہنشاہ اشوک کے کتبوں کے بارے میں ذکر کریں۔
6. موریہ سلطنت کی خدمات نے بھارت کو کیسے فائدہ پہنچایا؟ بحث کریں۔
7. موریہ دور میں ترقی یافتہ فن اور تعمیرات پر مضمون لکھیں۔
8. موریہ دور میں رائج مذاہب کون سے تھے؟ وضاحت کریں۔

باب 8

مابعد موریہ دور—سیاسی تقسیم

(تقریباً 200 قبل مسیح تا 600 عیسوی)

8.1 تعارف

مابعد موریہ دور (دوسری صدی قبل مسیح سے تیسری صدی عیسوی تک) موریہ سلطنت کے زوال اور گپتا سلطنت کے عروج کے درمیان کا دور ہے۔ اس عرصے میں بھارتی برصغیر میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن میں سیاسی ڈھانچے میں تغیر، فنون، تعمیرات، اور مذہبی نظام میں نئے عناصر کا اضافہ شامل تھا۔ موریہ سلطنت نے بھارتی برصغیر کے بڑے حصے پر حکمرانی کی، جس میں موجودہ افغانستان کا "قندھار" بھی شامل تھا۔ یہ سلطنت 187 قبل مسیح کے قریب ختم ہوگئی۔ موریہ سلطنت کے زوال نے کئی علاقائی ریاستوں کو ابھرنے کا موقع دیا، اور اسی دوران وسطی ایشیا اور مغربی چین کے مختلف قبائل نے بھارت پر حملے کیے، جو مابعد موریہ دور کا اہم حصہ بنتے ہیں۔

8.2 مقاصد

- سیاسی تقسیم اور علاقائی سلطنتوں کے قیام کو سمجھنا
- سیاسی طاقت، امن و ثقافت کی تباہی
- اس دور کی ترقیات— تبدیلیاں اور تسلسل
- فنون و تعمیرات— مختلف مکاتبِ فکر

8.3 اکتسابی نتائج

- سلطنت کی تقسیم نے غیر ملکی حملوں کو دعوت دی
- برہمن مت کے پیروکاروں نے بدھ مت پر حملہ کیا
- فنون و ثقافت کے درمیان تعلق— ابھرتے رجحانات
- نئے کیلنڈر اور عوامی زندگی میں تبدیلیاں
- ادبی ترقیات

8.4 مابعد موریہ دور کے سیاسی حالات

اشوک کی وفات کے بعد، ان کے جانشین وسیع موریہ سلطنت کو برقرار رکھنے میں ناکام رہے۔ بعد کے حکمران نسبتا کمزور ثابت ہوئے، اور وہ اپنے پیشروؤں جیسی انتظامی اور فوجی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

- صوبوں نے آزادی کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔
- موریہ سلطنت نے شمال مغربی بھارت پر کنٹرول کھو دیا، اور یہ خطہ غیر ملکی حملوں کا شکار ہو گیا۔
- کلنگا نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، اور ساتواہن سلطنت نے جنوبی بھارت میں اپنا اقتدار قائم کیا۔
- موریہ سلطنت کی مذہبی پالیسی نے "شُنگا" خاندان کو ناراض کیا، جو برہمن مت کے سخت حامی تھے۔
- نتیجتاً، موریہ حکمرانی گنگا کے میدان تک محدود ہو گئی، اور جلد ہی شُنگا خاندان نے اس کی جگہ لے لی۔

8.5 شُنگا خاندان (185 قبل مسیح–73 قبل مسیح)

شُنگا خاندان کی بنیاد "پُشّیَ مِتر شُنگا" نے رکھی، جب انہوں نے موریہ خاندان کے آخری حکمران "بریہد راتھ" کو قتل کر دیا۔ ان کے دارالحکومت "پٹلی پُتر" اور "ودیشا" تھے۔ انہوں نے شمال مغربی اور وسطی بھارت پر حکمرانی کی، اور جنوب میں نربداندی تک اپنی حکومت کو پھیلایا۔ انہوں نے گنگا کے میدان کو دیگر حملہ آور طاقتوں سے محفوظ رکھا۔ "بیسنگر ستون کتبہ" ودیشا میں موجود ہے، جو شُنگا دور سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ "براہمی رسم الخط" اور "پراکرت زبان" میں لکھا گیا ہے۔

شُنگا خاندان کے ذرائع: شُنگا خاندان کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے والے اہم ذرائع درج ذیل ہیں:

1. گرگی سمہتا
2. دیویادن
3. مالویکا گنیمترا (کالیداس کی تصنیف)
4. مہابھاشیہ (پتنجل کی تصنیف)
5. ہرش چریتا (بنابھٹ کی تصنیف)
6. دھن دیو–ایودھیا کتبے

8.6 پُشّیَ مِتر شُنگا (185–149 قبل مسیح)

پُشّیَ مِتر شُنگا نے کلنگا کے بادشاہ کھارویلا کے خلاف مہم کی قیادت کی۔انہوں نے یونانی حملہ آوروں (یونانیوں کو "یَون" کہا جاتا تھا) کے خلاف کئی جنگیں لڑیں، جو اس وقت بکتریا سے شمال مغربی بھارت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔انہوں نے اپنی حکمرانی کو جائز ثابت کرنے کے لیے "اشومیدھ" قربانی کی رسم ادا کی۔دھن دیوا یودھیا کتبہ" میں ان کے دو اشومیدھ یگیہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔اگرچہ وہ روایتی ہندو مت کے سخت پیروکار تھے،مگر انہوں نے بدھ مت کے "بھرہُت اسٹوپا" کی تزئین وآرائش بھی کی۔وہ پتنجل" (مہابھاشیہ کے مصنف) کے ہم عصر تھے اور ان کی تاریخ "بنا بھٹ" کی "ہرش چریتا" میں درج ہے۔

8.6.1 اگنی مِتر (149–141 قبل مسیح)

مالویکا گنیمترا، جو کالیداس کا لکھا ہوا سنسکرت ڈرامہ ہے، شُنگا بادشاہ اگنی مِتر سے متعلق ہے۔یہ ودربھ کی شہزادی "مالویکا" اور شُنگا بادشاہ "اگنی مِتر" کے درمیان محبت پر مبنی ہے۔ دیگر حکمران میں شامل تھے وسُمترا، وجر مِتر، بھگا بھدر، دیوا بھوتی (آخری حکمران)، دیوا بھوتی، شُنگا خاندان کے آخری بادشاہ تھے، جنہیں ان کے وزیر "واسودیو کانوا" نے قتل کر دیا، اور یوں شُنگا خاندان کا خاتمہ ہوا۔

8.6.2 شُنگا حکمرانی کا انتظامی ڈھانچہ

موریہ سلطنت کے صوبائی نظام میں شاہی شہزادوں کی حکمرانی کا تسلسل برقرار رہا، لیکن بادشاہت میں "نُکلیائی ریاستیں" (چھوٹے خودمختار بادشاہتیں) ابھرنے لگیں۔سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا، اور صوبوں کو مزید "جنپدوں" یا اضلاع میں بانٹا گیا۔

انتظامیہ کا سربراہ بادشاہ تھا، اور وہ "منتری پریشد" (وزراء کی کونسل) کی مدد سے سلطنت کی نگرانی کرتا تھا۔بادشاہ پوری سلطنت کے امور کا ذمہ دار تھا اور پالیسی وحکمرانی کے معاملات پر وزراء سے مشورہ لیتا تھا۔

8.7 کانوا خاندان (73 قبل مسیح–28 قبل مسیح)

کانوا خاندان واسودیو کانوا نے قائم کیا، جو شُنگا بادشاہ "دیوا بھوتی" کے وزیر تھے۔انہوں نے دیوا بھوتی کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا۔ان کا دارالحکومت "پٹلی پُتر" اور "ودیشا" تھا۔7ویں صدی کے سنسکرت مصنف "بانا" نے اس قتل کی سازش کی تفصیلات فراہم کیں، جس میں دیوا بھوتی کا قتل ہوا اور واسودیو اقتدار میں آئے (تقریباً 72 قبل مسیح میں)۔

یہ برہمن تھے، اور انہیں "سوبھری رشی" کی نسل سمجھا جاتا ہے۔واسودیو کے بعد دیگر حکمران تھے بھومی مِتر، نارائن، سُشَرمن (آخری بادشاہ) بھومی مِتر" کے نام والے سکے "پانچالا" سلطنت میں دریافت ہوئے مگر انہوں نے بہت کم مدت حکومت کی۔ کانوا خاندان کے آخری بادشاہ "سُشَرمن" کو آندھرا خاندان کے "بالی پُچھا" نے قتل کر دیا۔

8.8 چیدی خاندان (پہلی صدی قبل مسیح)

چیدی خاندان کی بنیاد بادشاہ "ابھی چندر" نے رکھی جو کلنگا میں پہلی صدی قبل مسیح میں حکمران تھا۔ان کا دارالحکومت "سُکتِمتی -پُر دریائے "سُکتِمتی" کے کنارے واقع تھا۔یہ خاندان ''چیتا، "مہا میگھ واہن"، یا "چیتا ونس" بھی کہلاتا ہے۔اشوک کے بعد، کلنگا (موجودہ اوڈیشا) چیدی بادشاہوں کے تحت نمایاں ہوئی۔اس خاندان کے بادشاہوں کے بارے میں بہت کم معلومات موجود ہیں، سوائے بادشاہ" کھارویلا" کے۔

8.8.1 بادشاہ کھارویلا (1st صدی قبل مسیح)

بادشاہ کھارویلا نے تقریباً 1st صدی قبل مسیح میں حکومت کی۔ان کے کارنامے "ہاتھی گمفا کتبہ" میں درج ہیں، جو اوڈیشا میں "اُدای گیری" کی پہاڑیوں میں واقع ہے۔وہ جین مت کے پیروکار تھے۔انہیں ان کے بیٹے" کوڈیپ سری" نے جانشین کیا، جن کا ذکر "منچاپوری غار" میں موجود کتبے میں ملتا ہے۔

8.8.2 اُدای گیری اور کھنڈا گیری غاریں (اوڈیشا)

یہ غاریں پہلی یا دوسری صدی قبل مسیح میں کلنگا بادشاہ" کھارویلا" کے تحت تعمیر کی گئیں۔دومنزلہ "رانی گمفا" غار، جو اُدای گیری میں واقع ہے، خوبصورت مجسموں کا مرکز ہے۔

8.9 سنگم دور

سنگم دور جنوبی بھارت کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔سب سے پہلے ریاستی تشکیل کے شواہد جنوبی بھارت میں "انڈیکا" (میگستھنیز کی تصنیف، 300 قبل مسیح) میں ملتے ہیں۔سنگم شاعری میں "موونڈر" کا ذکر ہے، یعنی تین سردار"، جو تین حکمران خاندانوں کے سربراہ تھے: پانڈیا (مدورائی) چولا (کاویری ڈیلٹا) چیر (کوئمبتور) یہ حکمران جنوبی بھارت میں طاقتور بادشاہ تھے۔

تمل روایات کے مطابق، تین سنگم (تمل شاعروں کی اکادمی) موجود تھے، جنہیں "موچنگم" کہا جاتا تھا۔یہ سنگم "پانڈیا" حکمرانوں کی شاہی سرپرستی میں پھلے پھولے۔پہلا سنگم "تین مدورائی" میں منعقد ہوا، مگر اس کے ادبی کام محفوظ نہیں

رہے۔دوسرا سنگم " کاپادپُرم" میں ہوا، لیکن تمام ادبی کام ختم ہو گئے،سوائے "تولکپیم " کے۔تیسرا سنگم "مدورائی" میں "مدا تیرومران" نے قائم کیا،جس میں بہت سے شاعروں نے شرکت کی اور بڑی تعداد میں ادب تخلیق کیا،لیکن محض چند ہی محفوظ رہے۔تمل ادبی کام "سنگم دور" کی تاریخ کو دوبارہ ترتیب دینے کے لیے قیمتی ذرائع ہیں۔تولکپیم " تمل گرامر پر مبنی ایک تصنیف ہے،اور یہ تمل ادب کی سب سے قدیم محفوظ تصنیف سمجھی جاتی ہے۔

8..10 ساتاواہناس

دکن میں،ساتواہنوں نے موریوں کے زوال کے بعد اپنی آزاد حکمرانی قائم کی۔ان کی حکمرانی تقریبا450 سال تک رہی۔انہیں آندھرا کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔پران اور نوشتہ جات ساتواہنوں کی تاریخ کے اہم ذرائع ہیں۔نوشتہ جات میں ناسک اور ناناگڑھ کے نوشتہ جات گوتم پتر ساتکرنی کے دور حکومت پر بہت زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔

ساتواہن کی حکمرانی تیسری صدی قبل مسیح کے آس پاس شروع ہوئی ، اور 225 عیسوی تک جاری رہی۔ساتواہن سلطنت بنیادی طور پر جدید دور کے آندھرا پردیش،تلنگانہ اور مہاراشٹر پر مشتمل تھی۔بعض اوقات ان کی حکمرانی میں کرناٹک، گجرات اور مدھیہ پردیش کے کچھ حصے بھی شامل تھے۔ان کے دارالحکومت مختلف اوقات میں مختلف تھے۔پرتشٹھان (پیٹھان) اور امراوتی اس کے دارالحکومت تھے۔

سموکا نے خاندان کی بنیاد رکھی۔ساتواہن خاندان کے اہم حکمران ساتکرنی اول (70-60 قبل مسیح) بادشاہ ہال تھے، جو اپنی کتاب گٹھا سپتستی کے لیے مشہور ہوئے ، جسے ستتا سائی بھی کہا جاتا ہے۔اس میں پراکرت زبان میں 700 آیات ہیں۔ گوتمی پتر ساتکرنی (106-130 عیسوی یا86-110 عیسوی) اور پلاماوی چہارم کو اہم ساتواہن نسب کا آخری بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔اس نے 225 عیسوی تک حکومت کی۔اس کی موت کے بعد سلطنت پانچ چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی۔

ساتواہن خاندان کی انتظامیہ کا ڈھانچہ مندرجہ ذیل ہے:.1 راجن،2. اماچا،.3 مہاراتھی کے پاس گاؤں دینے کا اختیار تھا اور اسے حکمران خاندان کے ساتھ ازدواجی تعلقات برقرار رکھنے کا استحقاق بھی حاصل تھا۔ .4 مہا-سیناپتی۔حکمران گواتامپورناستکرنی کے نوشتہ نے انتظامیہ کے بیوروکریٹک ڈھانچے پر کچھ روشنی ڈالی۔

ساتواہن انتظامیہ کی ایک خاص خصوصیت مختلف درجے کے جاگیرداروں کی موجودگی تھی۔سب سے اونچا طبقہ چھوٹے شہزادوں کا تھا جو شاہی لقب راجا اور اپنے نام کے سکے رکھتے تھے۔مہاراتھی اور مہابھوج اگلے درجے پر تھے۔

ساتواہن بادشاہوں کے دور حکومت میں زراعت معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھی۔وہ ہندوستان کے اندر اور باہر مختلف

اجناس کی تجارت اور پیداوار پر بھی انحصار کرتے تھے۔ زمین، گاؤں (گاما) اور کھیت (کھیتا) کے تحائف سے حاصل ہونے والی آمدنی تھے۔ انہوں نے پراکرت زبان میں سکے جاری کیے۔ ساتواہنوں کے جاری کردہ سکے بھی اس دور کے معاشی حالات کو جاننے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ کچھ الٹا سکے کے افسانے تیلگو، تامل اور کنڑ میں ہیں۔ انہوں نے سنسکرت سے زیادہ پراکرت کی سرپرستی کی۔

ساتواہنوں نے بدھ مت اور برہمن مت دونوں کی حمایت کی۔ ساتواہن خاندان کے دور حکومت میں بہت سی بدھ مٹھیاں تعمیر کی گئیں۔ ساتواہنوں کے زیر اہتمام حاصل کی گئی فنی مہارت کی زبردست اہمیت تھی۔ ناسک، ودیشا، بھٹیپرولو، گولی، گھنٹاسالا اور امراوتی میں بدھ مت کے مجسمے وجود میں آئے۔ غالباً انسانی شخصیت سب سے پہلے امراوتی میں تراشی گئی تھی اور امراوتی کے مجسموں نے جنوب مشرقی ایشیائی مجسموں کو متاثر کیا۔

ساتواہنوں کے زیر اہتمام تجارت کو فروغ دیا گیا۔ مشرق میں کوڈ ڈورا اور چنا گنجم اور مغربی ساحل پر کلیان، سوپارا، گوا اور کبوتر جزائر ہیں۔ اور کچھ اہم تجارتی مراکز تگارا، پرتشٹھانا، ناسک، جنار اور دھنیا کٹک تھے۔

8.11 وسطی ایشیائی رابطے

موریہ سلطنت کے زوال کے بعد، بہت سے نئے غیر ملکی حکمران وسطی ایشیا سے آئے اور اپنے رابطوں میں اضافہ کیا اور ہندوستانی معاشرے اور ثقافت پر گہرا اثر ڈالا۔ ان میں سب سے اہم یہ تھے کہ-

1. ہند-یونانی (بکتری بادشاہ-یونانی-2 ق م قبل مسیح)
2. شاکاس-سیتھی-وسطی ایشیا-پہلی قبل مسیح
3. پارتھین-پہالواس-فارس-پہلی صدی عیسوی
4. کشان-یوچی قبیلہ-وسطی ایشیا-پہلی صدی عیسوی

1. ہند-یونانی (بکترین کنگز-یونانی-دوسری صدی قبل مسیح)

وہ دوسری صدی قبل مسیح میں آئے اور شمال مغربی ہندوستان (افغانستان) میں آباد ہو گئے اور ٹیکسلا کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ پہلا معروف بادشاہ دیمیتریس-2 ق م قبل مسیح تھا۔ ان کا سب سے بڑا بادشاہ مینینڈر تھا، جسے ہندوستانی ادب میں ملند کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے دور میں، ایک عظیم بدھ عالم ناگسینا، جسے ناگارجن بھی کہا جاتا ہے، نے پالی میں ایک کتاب 'ملند پنہو' لکھی۔ ملند پنہو کا لفظی مطلب ہے ملند کے سوالات۔ یہ بدھ مت کے فلسفے پر ایک کتاب ہے، جہاں ملند ایک بدھ

راہب سے زندگی کے بارے میں سوالات پوچھ رہے ہیں۔ وہ ہندوستان میں سونے کے سکے استعمال کرنے والے پہلے لوگ تھے۔ وہ سب سے پہلے سکے پر تاریخ اور تصاویر کا استعمال کرنے والے بھی تھے۔

بکترین کا تعاون:

☆ سکے: وہ ہندوستان میں سونے کے سکے استعمال کرنے والے پہلے تھے۔ وہ سب سے پہلے سکے پر تاریخ اور تصاویر کا استعمال کرنے والے بھی تھے۔

☆ فلکیات: انہوں نے فلکیات اور علم فلکیات کی ترقی میں مدد کی۔ انہوں نے 7 دنوں کا ایک ہفتہ بنایا (یونانی اثر)

☆ فن: انہوں نے گندھارا اسکول آف مجسمہ سازی تیار کی جسے ہیلینسٹک آرٹ بھی کہا جاتا ہے۔ ہیلینسٹک = یونانی + فارسی + ہندوستانی تھیمز - بدھ اور ان کی زندگی اس فن کے تھیمز تھے۔

یہ مجسمے کابل - بامیان (اسے طالبان نے کچھ سال پہلے تباہ کیا تھا) قندھار، بگرام، ہارٹ اور ٹیکسلا میں پائے گئے تھے۔ وہ زیادہ تر مٹی، شسٹ، ریت کے پتھر اور پلاسٹر سے بنے تھے۔ مجسمے زیادہ تر کھڑے ہو کر بنائے گئے تھے۔ انہوں نے بدھ کو گریکو - رومن انداز میں دکھایا۔ ہیئر اسٹائل - گھوبگھرالی (یونانی) کان - لمبا لمبا (رومن) آنکھیں - تیز (یونانی) چہرے - چپٹے اور بے تاثر (یونانی) پٹھوں - پٹھوں (رومن اور یونانی دیوتا جیسے اپولو اور زیوس) یہ فن سب سے زیادہ شکوں اور کشانوں کے دور میں تیار ہوا تھا، جس کے دوران بامیان میں سب سے اونچا بدھ مت کا مجسمہ بنایا گیا تھا۔ اس کے تباہ ہونے کے بعد، سب سے اونچا چین میں ہے۔

2. شاکاس - سکیتھیائی - وسطی ایشیا - پہلی صدی عیسوی

شاک پہلی صدی عیسوی میں وسطی ایشیا سے ہندوستان آئے اور پنجاب سے گجرات کے علاقے میں آباد ہوئے۔ چین کی دیوار جنوب میں چین کو شاکا کے حملے سے بچانے کے لیے تیسری صدی عیسوی میں بنائی گئی تھی۔ شاکوں میں بہت سے خاندان تھے جنہوں نے حکومت کی۔ شاک لوگوں کا ایک گروہ تھا نہ کہ موریوں اور مغلوں جیسا ایک خاندان۔ ہندوستان میں ان کے دو بڑے صدر دفاتر تھے - اجین اور متھرا۔ انہوں نے 'شترپی' نظام کا تصور متعارف کرایا - بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ فوجی حکومت۔ ان کے پاس ایک وقت میں دو حکمرانوں کا نظام تھا، باپ بیٹا، دو بھائی وغیرہ۔

رودھردمن دوسری عیسوی میں شاکوں کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ جوناگڑھ کا نوشتہ اس کے بارے میں معلومات دیتا ہے۔ یہ نوشتہ پاک سنسکرت میں ہے۔ اس میں کاٹھیاوار کے علاقے میں سدرشن جھیل پر رودردمن کے ذریعے مرمت کیے گئے

ڈیم کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یہ ڈیم اصل میں چندر گپت موریہ کے دور حکومت میں چوتھی صدی قبل مسیح میں بنایا گیا تھا۔ رودر دمن نے اشومیگھا یجنا انجام دیا۔

شاک دور کے زوال کو ختم کر دیا گیا اور گپتا سلطنت کے چندر گپت دوم نے ایک چھوٹی سی علاقائی سلطنت میں سکڑ دیا جس نے مغربی ستراپ خطے کے آخری شاک حکمرانوں، رودر سمہا III کو شکست دی۔ ساکا دور کے کیلنڈر میں بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں، اور ہر مہینے کو دو قلعوں (پکشا) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ساکا سموت گریگورین کیلنڈر

چیترا 21 مارچ-20 اپریل

ویشاکھا اپریل 21-مئی 21

جیشٹھ 22 مئی-21 جون

اشدھا 22 جون 22 جولائی

شراون 23 جولائی تا 22 اگست

بھادر 22 اگست-22 ستمبر

اشون 23 ستمبر-22 اکتوبر

کارتک اکتوبر 23-نومبر 21

اگرہایان 22 نومبر-21 دسمبر

پوشا 22 دسمبر-20 جنوری

ماگھا جنوری 21-فروری 19

پھالگونا فروری 20-مارچ 20/21

3. پارتھین-پہلواس-فارس-پہلی صدی عیسوی

وہ فارس سے آئے اور ہندوستان کے مغربی حصے میں آباد ہوئے۔ تخت بہی نوشتہ ان کے بارے میں بتاتا ہے۔ سب سے مشہور بادشاہ گونڈوفیرس ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پہلا عیسائی مشنری، سینٹ تھامس، 52 عیسوی کے آس پاس اس کے دربار میں آیا تھا۔

1. کشانس-یوچی ٹرائب-وسطی ایشیا-ADC1st

وہ وسطی ایشیا سے آئے اور افغانستان، کشمیر سے لے کر پریاگ (الہ آباد) تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ غیر ملکیوں میں ان کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ ان کے دو صدر دفاتر تھے- پشاور اور متھرا۔ کنشک کشانوں کا سب سے طاقتور بادشاہ تھا اور اس نے پہلی- دوسری عیسوی میں حکومت کی۔

کشان دور میں پیش آنے والے اہم واقعات یہ تھے:

کنشک دور میں چوتھی بدھ کونسل کشمیر میں منعقد ہوئی۔ بدھ مت کے پیروکار ہنیان اور مہایان میں بٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے دانت سمیت بدھ کے کچھ مقدس آثار کو محفوظ کیا۔ اس نے کئی استوپا بنائے۔ وہ مہایان کا پیروکار تھا۔ اس دور کے کچھ عظیم علماء: چرک: 'چرک سمہیتا' یہ ہندوستان میں طب پر پہلی سائنسی کتاب ہے۔ اس میں بیماریوں کی علامات، وجوہات اور علاج کی تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔ کتاب میں کئی جراحی کے عمل اور آلات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو ہندوستان میں طب کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ واسومترا اور اشواگھوشا (بدھ مت کے علماء) اسوگھوسا نے بدھ کی پہلی سوانح عمری بدھ چرتا لکھی۔ یہ سنسکرت میں لکھی گئی تھی۔

کشانوں کا تعاون:

انہوں نے ہندوستانی مذہب اور زبان کو قبول کیا۔ چونکہ وہ خود قبائلی تھے اس لیے ان کا پہلے کوئی منظّم مذہب نہیں تھا۔ انہوں نے ویشنومت کی بھی پیروی کی کیونکہ یہ شیومت سے زیادہ آزاد خیال تھا۔ متھرا میں پہلی بار 'واسودیو کرشنا' کا ذکر ملتا ہے۔ اسٹرپ، سیڈل اور رینس کا استعمال متعارف کرایا گیا۔ رتھ پرانے ہوگئے۔ ایک نیا فیشن اور ملبوسات متعارف کرایا گیا۔ ٹوپی، چمڑے کے جوتے، پتلون اور اوورکوٹ والا کنشک کا مجسمہ جس میں نیا لباس دکھایا گیا ہے۔ انہوں نے متھرا اور امراوتی اسکول آف آرٹ کی سرپرستی کی۔ انہوں نے آباؤ اجداد کی پوجا کرنے کی روایت متعارف کرائی جسے 'دیوکل' روایت کہا جاتا ہے۔ انہوں نے سونے کے متعدد سکے جاری کیے۔ وہ دھات تمام سونے کے سکوں میں سب سے زیادہ خالص پائی گئی یہاں تک کہ گپتا دور کی بھی۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. سنگم
2. میلند پنہو
3. سُدرشن جھیل
4. ستواہن دور کی معیشت
5. چوتھی بدھ کونسل
6. شُنگا خاندان

تحریری سوالات

7. سنگم دور اور اس کے ادبی کاموں پر مضمون لکھیں۔
8. بھارت میں یونانیوں پر توجہ مرکوز کریں۔
9. ستواہن حکمرانی کے انتظامی ڈھانچے پر بحث کریں۔
10. کنشک کا دور کیسا تھا؟ وضاحت کریں۔
11. 200 قبل مسیح سے 300 عیسوی کے دوران بدھ مت کی سرپرستی پر مضمون لکھیں۔
12. 200 قبل مسیح سے 300 عیسوی کے دور کو سیاسی تقسیم کا دور کیوں کہا جاتا ہے؟ وضاحت کریں۔

باب 9

گپتا خاندان کا عروج
واکٹا کا اور ہُن حملے

9.1 تعارف

گپتا سلطنت کی بنیاد تیسری صدی عیسوی کے وسط میں مگدھ میں رکھی گئی، جو کشان سلطنت کے زوال کے بعد عروج حاصل ہوا۔ ستواہن علاقوں کو بھی گپتا حکمرانی میں شامل کر لیا گیا، اور یہ سلطنت 543 عیسوی تک قائم رہی۔ گپتا دور کے آغاز میں، بھارت کئی بادشاہتوں اور غیر بادشاہتی ریاستوں میں تقسیم تھا۔ شمالی بھارت میں 100 سال سے زیادہ عرصے تک سیاسی اتحاد قائم رہا۔ جنوب میں سب سے بااثر حکمران خاندان "وکتا کا" اور دور جنوب میں "پلاوَس" تھے۔ اگرچہ گپتا سلطنت موریہ سلطنت جتنی وسیع نہیں تھی، لیکن گپتا حکمرانوں نے شمالی بھارت میں طویل عرصے تک سیاسی استحکام برقرار رکھا۔ گپتا دور کی تاریخ کی تشکیل کے لیے کئی ذرائع موجود ہیں، جن میں ادبی کتب، کتبے، آثارِ قدیمہ، اور سکوں کے شواہد شامل ہیں۔

9.2 مقاصد

- گپتا حکمرانی اور ان کی انتظامیہ کو اجاگر کرنا
- ان کی سرگرمیوں اور ترقیات کو سمجھنا
- بت پرستی اور اوتاروں کا تصور
- سماج، ذات پات کا نظام، عورتوں کی حیثیت، اور سماجی برائیاں
- عوام اور سائنسی و تکنیکی ترقیات
- تعلیمی اور ادبی ترقیات
- واکٹا کا خاندان سے تعلقات
- ہُن حملے اور زوال

9.3 اکتسابی نتائج

- سخت سماجی نظام
- ویدک مذہبی رسومات کی بحالی
- عورتوں کو دوسرے درجے کی حیثیت دی گئی

- تعلیمی اور سائنسی ترقیات، مگر خرافاتی عقائد بھی فروغ پائے
- بتوں کے اوتاروں کا موجودہ سماج سے تعلق
- حملے اور ان کے اثرات

9.4 گپتا خاندان کے حکمران

گپتا خاندان کے حکمران درج ذیل تھے: شری گپتا (240-280 عیسوی) گھٹوتکچ (280-320 عیسوی) چندر گپتا اول (320-335 عیسوی)، سمودر گپتا، چندر گپتا دوم، کمارا گپتا، سکندا گپتا۔

9.4.1 چندر گپتا اول

چندر گپتا اول گپتا خاندان کے پہلے ممتاز حکمران تھے۔ انہوں نے لچھوی خاندان کی شہزادی "کمرا دیوی" سے شادی کی، اور مگدھ کی بادشاہت سے اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔ انہوں نے چھوٹی ریاستوں کو فتح یا متحد کر کے "مہاراجا دھیراج" (بادشاہوں کا بادشاہ) کا لقب حاصل کیا۔ ان کے نام سے منسوب سونے کے سکوں پر ان کا اور کمرا دیوی کا نقش موجود ہے۔ ان کی سلطنت میں بہار، بنگال کا کچھ حصہ، اور الہ آباد (پریاگ) تک علاقے شامل تھے۔ 335 عیسوی میں ان کے بیٹے "سمدر گپتا" نے ان کی جانشینی حاصل کی۔

9.4.2 سمدر گپتا

سمودر گپتا اپنے والد چندر گپتا کا سب سے بڑا بیٹا نہیں تھا، لیکن اس نے اپنے بھائیوں کو زیر کر کے 335 عیسوی میں تخت سنبھالا، اور تقریباً 45 سال حکومت کی۔ وہ ایک عظیم فوجی ذہانت رکھنے والا فاتح تھا، جس نے متعدد قریبی ریاستوں کو فتح کیا، اور گپتا سلطنت کو پورے بھارتی برصغیر تک وسعت دی۔ جنوبی مہم میں وہ "پلاوَس" کی بادشاہت تک پہنچا۔ اس نے ایک وسیع سلطنت قائم کی اور "مہاراجا دھیراج" اور "وکرمانک" جیسے القاب اختیار کیے۔ اپنی فتوحات کے جشن میں "اشومیدھ" (گھوڑے کی قربانی) کی رسم ادا کی۔

الہ آباد ستون کتبہ (پریاگ پرشستی) ان کی کامیابیوں کا تفصیلی بیان فراہم کرتا ہے۔ یہ کتبہ ان کے درباری شاعر "ہری سینا" نے خالص سنسکرت میں تحریر کیا تھا۔ یہ وہی ستون ہے جس پر اشوک کے امن پسند کتبے بھی کندہ ہیں۔ سمودر گپتا نے وسیع علاقوں میں اپنا اثر قائم کیا، لیکن براہِ راست انتظامی کنٹرول زیادہ تر "ہندو-گنگا" کے میدان میں رکھا۔

سمدر گپتا کی ثقافتی اور علمی سرپرستی، سمودر گپتا نے تین اقسام کے سکے جاری کیے، جن میں انہیں فوجی لباس میں دکھایا گیا ہے۔ چینی ذرائع کے مطابق، وہ فنون لطیفہ اور ادب کے سرپرست تھے۔ ہری سینا نے انہیں "کوی راج" (شاعروں کا بادشاہ) قرار دیا، اور سکوں پر انہیں "وینا" بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ انہوں نے واسوبندھو جیسے دانشوروں کی سرپرستی کی، جس سے ادب کی ترقی میں مدد ملی۔ وہ دیگر مذاہب کے لیے بھی رواداری رکھتے تھے۔ سری لنکا کے حکمران "میگھ ورمن" کو بودھ گیا میں

بدھ مت کی خانقاہ بنانے کی اجازت دی۔

9.4.3 چندر گپتا دوم

چندر گپتا دوم، سمودر گپتا کے بیٹے، ایک بلند حوصلہ حکمران اور فاتح ثابت ہوئے۔انہوں نے فتح اور سیاسی اتحاد کے ذریعے گپتا سلطنت کو وسعت دی۔ان کے سب سے بڑے حریف "ساکا" حکمران تھے، جو گجرات اور کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں حکومت کرتے تھے۔چندر گپتا دوم کے دور میں گپتا خاندان اپنے عروج پر پہنچا، انہوں نے علاقوں کو جنگی فتوحات اور ازدواجی اتحاد کے ذریعے وسعت دی۔انہوں نے ناگا شہزادی "کبیرانگا" سے شادی کی، اور ان کی بیٹی "پربھاوتی" ہوئی۔پربھاوتی کی شادی "وکتا کا" شہزادہ "رودرسینا" سے کر دی گئی، جو دکن کا حکمران تھا۔شوہر کی وفات کے بعد، پربھاوتی نے اپنے کم عمر بیٹوں کی سلطنت کو والد کی مدد سے بحیثیت نگران چلایا۔اس طرح، چندر گپتا دوم نے "وکتا کا" ریاست کو بالواسطہ طور پر کنٹرول کیا۔"کدامبا" حکمران کی بیٹیوں کی شادیاں بھی گپتا خاندان میں ہوئیں۔ازدواجی اتحاد کے ذریعے چندر گپتا دوم نے اپنی سلطنت کو مستحکم کیا۔انہوں نے سونے، چاندی، اور تانبے کے سکے جاری کیے۔تانبے کے سکوں پر ایک طرف ان کی تصویر تھی، اور دوسری طرف "گرُڑ" کندہ تھا۔ان کی سلطنت تقریباً پورے شمالی بھارت پر مشتمل تھی، جو خلیج بنگال سے عربی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی، اور سمندری راستے سے غیر ملکی تجارت کو کنٹرول کرتی تھی۔انہوں نے ثقافتی ترقی کو بھی اہمیت دی۔

کمار گپتا (415-455 عیسوی)

چندر گپتا دوم کے بیٹے "کمار گپتا" نے انتظامی اصلاحات نافذ کیں، اور تقریباً 40 سال کامیابی سے حکومت کی۔انہوں نے "اشومیدھ" قربانی کی رسم ادا کی، اور "مہیندرادتیہ" کا لقب اختیار کیا۔انہوں نے دریائے نربدا کے جنوب میں علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کی، جس سے وکتا کا خاندان کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے۔ان کے دور میں "ہُن حملے" شروع ہوئے۔انہوں نے "نالندہ یونیورسٹی" کی بنیاد رکھی، جو عالمی شہرت یافتہ علمی مرکز بنا۔

سکندر گپتا (455-467 عیسوی)

سکندر گپتا کو گپتا خاندان کا آخری مضبوط حکمران سمجھا جاتا ہے۔انہوں نے تقریباً 460 عیسوی میں "ہُن حملہ آوروں" اور "پُشّی مِتر" کے خطرے کو شکست دی۔وہ ایک قابل جرنیل ثابت ہوئے، اور انہوں نے ہُن حملہ آوروں کو روک کر ان کے وحشیانہ حملے ناکام بنائے۔مگر ان کی وفات کے بعد، ہُن حملہ آوروں نے دوبارہ شمال مغربی سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ان کی وفات کے بعد سلطنت کمزور ہونے لگی، جس کے نتیجے میں گپتا سلطنت کے ٹکڑے ہو کر علاقائی بادشاہتوں میں تبدیل ہو گئے۔گپتا سلطنت 570 عیسوی میں ہُن حملوں کی وجہ سے ختم ہو گئی۔

9.5 گپتا دور کی حکمرانی

1. **بیوروکریٹک انتظامیہ:** بادشاہ ریاست اور انتظامیہ کا سربراہ تھا۔بادشاہ وزراء سے مشورہ لیتا اور مختلف شعبوں کا انتظام

سنبھالتا۔اہم اخراجات میں فوج،شاہی محل،اورعوامی فلاح و بہبود کے منصوبے شامل تھے۔

2. **صوبائی انتظامیہ:** سلطنت کو "بھکتی" یا "دیس" نامی صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ "اوپریکا" صوبے کا سربراہ تھا۔" گرامیکا" گاؤں کا افسر ہوتا تھا۔

3. **زرعی ڈھانچہ:** زراعت کو بہت اہمیت دی گئی۔زمین کومختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا۔چاول،گنا،اور گیہوں بڑی مقدار میں اگائے جاتے تھے۔

4. **محصولات کانظام:** زمین کامحصول آمدنی کا بنیادی ذریعہ تھا۔برہمنوں کودی جانے والی زمین "اگرہارا" کہلاتی تھی، اوروہ بغیر کسی ٹیکس کے دی جاتی تھی۔غیرملکی تجارت جاری رہی۔

9.6 گپتادورمیں سماجی نظام

معاشرہ ذات پات پرمبنی تھا،جس میں چار درجے شامل تھے:شودر،ویشیہ،کشتریہ،برہمن غلامی کا رواج تھا۔چندالوں (اچھوتوں) کوسماج میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا،اوروہ شہروں اوردیہاتوں کے باہر رہنے پرمجبور تھے۔بھارت میں بسنے والے غیرملکیوں کوویدک ہندوؤں نے قبول کرکے "کشتریہ" کا درجہ دیا۔

9.6.1 خواتین

عورتوں کوادب میں مثالی قرار دیا گیا،مگران کا مقام کمتر تھا۔عورتوں کی حیثیت کمترسمجھی جاتی تھی۔"دیوداسیاں" مندروں میں رکھی جاتی تھیں۔صرف اعلیٰ طبقے کی خواتین کومحدودتعلیم دی جاتی تھی،تاکہ وہ ذہانت سے گفتگوکرسکیں۔کبھی کبھار عورت اساتذہ اورفلسفیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔کچھ سماجی برائیاں ابھرنے لگیں:جلد شادیوں کا رواج،قبل از بلوغت شادیاں،بیواؤں کوسخت سنیاستی زندگی گزارنے کی تاکید،بیوہ کوشوہر کے چتا پر جلنے کی سفارش،یہ رسم پہلے وسطی بھارت میں شروع ہوئی،اوربعد میں مشرقی بھارت اورنیپال میں پھیل گئی۔

9.6.2 گپتادورکے سکے

گپتا حکمرانوں نے بھارت میں سب سے زیادہ سونے کے سکے جاری کیے۔بادشاہوں کی اجازت سے سونے کے کاریگراورتاجروں کی انجمنیں بھی اپنے سکے جاری کرسکتی تھیں۔سکوں پرمذہبی علامات،بادشاہوں کے نام،دیوتا،اورتاریخ درج ہوتی تھی۔یہ سکے اس وقت کے معاشی حالات پرروشنی ڈالتے ہیں۔سب سے زیادہ سکے مابعدموریہ اورگپتا دورمیں ملے ہیں، جواس دورمیں تجارتی اورکاروباری ترقی کوظاہرکرتے ہیں۔

9.6.3 مذہبی پالیسی

گپتا بادشاہوں نے تمام مذاہب کے لیے رواداری کا مظاہرہ کیا۔ بدھ مت اور جین مت کے پیروکاروں پر کوئی ظلم وستم نہیں ہوا۔ پٹلی پُتر شہر اب بھی روحانی عظمت کا حامل تھا۔ ویدک رسومات اور روایتی عبادات کی بحالی ویدک مذہب نے بھارت پر حملہ آور نسلوں کو اپنے اندر شامل کرلیا۔ وشنومت اور شیوامت کی ترقی ہوئی۔ اشومیدھ قربانی ادا کی گئی۔ برہمنوں کو بڑی مقدار میں عطیات دیے گئے، اور بت پرستی کے لیے مندر تعمیر کیے گئے۔ "دس اوتار" (دس تجسّم) کی عقیدت کو فروغ دیا گیا۔

9.7 فاہین

فاہین، ایک چینی مسافر، نے اپنے بیانات میں بھارت میں بدھ خانقاہوں اور بدھ مت کے وسیع پیمانے پر عمل کا ذکر کیا۔ فاہیان نے یہ بھی بیان کیا کہ سکوں کے علاوہ "کوری" (سمندری گھونگھے) بھی تبادلے کے ذریعے کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔

فاہیان اس بات سے متاثر ہوا کہ پٹلی پُتر میں دو اہم خانقاہیں موجود تھیں۔ ان کے مطابق، یہاں کے راہب اپنی علمی قابلیت کے لیے مشہور تھے، اور ہر طرف سے طلباء ان کے لیکچرز میں شرکت کرتے تھے۔ فاہیان نے خود تین سال پٹلی پُتر میں سنسکرت زبان اور بدھ مت کے صحیفوں کا مطالعہ کیا۔ فاہیان اشوک کے دور میں شہر کے وسط میں بنائے گئے محلات اور ہالز سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کے مطابق، بڑے پتھروں سے بنے کام، مجسموں اور آرائشی نقش ونگار سے مزین، انسانی کاریگروں کی صلاحیت سے کہیں زیادہ روحانی کام معلوم ہوتے تھے۔

فاہیان نے یہ بھی ریکارڈ کیا کہ دریائے سندھ سے متھرا اور جمنا تک کے سفر میں، انہوں نے ہزاروں راہبوں سے آباد بڑی تعداد میں خانقاہیں دیکھیں۔ صرف متھرا میں ایسی 20 خانقاہیں موجود تھیں۔

9.2 فنون اور تعمیرات

گپتا دور میں تعمیرات کو فروغ ملا۔ غاروں اور مندروں کی تعمیر کو ترجیح دی گئی۔ اتر پردیش میں چند مندروں کی تعمیر اینٹوں سے کی گئی۔ فنون لطیفہ جیسے موسیقی، رقص، اور ڈرامہ کو گپتا حکمرانوں نے سرپرستی دی۔ خواتین کو خاص طور پر ان فنون میں تربیت دی گئی، جن میں طوائفیں، دیوداسیاں، اور نگرودھوس شامل تھیں۔ اجنتا غاروں میں فریسکو پینٹنگز، دیوتاؤں، یگشا اور یگشنی کے مجسمے بنائے گئے۔ مجسمہ سازی کو ترجیح دی گئی—بت اور مجسمے بنائے گئے۔

9.8.1 تعلیم اور ادب

گپتا دور میں تعلیم کی ترقی ہوئی—نالندہ یونیورسٹی تعمیر کی گئی۔ سنسکرت ادب کو فروغ ملا، جس میں پورانوں، سمرتیوں، اور کاما ستر جیسے سُتر شامل ہیں۔ سمرتیوں میں "منوسمرتی" اور "دھرم شاستر" شامل ہیں۔ کالیداس کی تصانیف، جیسے "ابھیجنا شکنتلم"، اسی دور میں لکھی گئیں۔ "ابھیجنا شکنتلم" کو دنیا کی "سو بہترین کتابوں" میں شمار کیا جاتا ہے۔

9.8.2 سائنس اور ٹیکنالوجی

سائنسی ترقیات جاری رہیں– چند سائنسدانوں کے نام درج ذیل ہیں: آریہ بھٹ، وراہ مہر، دھنونتری۔انہوں نے طبیعیات، ریاضی، اور طب میں ترقی کی۔ دھات کاری میں گپتا دور میں شاندار ترقی ہوئی، جیسے بدھ کا دیو قامت تانبے کا مجسمہ، اور دہلی کا لوہے کا ستون، جو کئی صدیوں بعد بھی زنگ سے محفوظ ہے۔

9.9 واکٹا کا خاندان

دکن میں ستواہن خاندان کے بعد وکتا کا خاندان نے حکومت کی، جو دو سو سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ واکٹا کا خاندان شمالی بھارت میں گپتا خاندان کے ہم عصر تھے۔ واکٹا کا برہمن تھے، اور انہوں نے کئی ویدک قربانیاں ادا کیں۔ ثقافتی طور پر، وکتا کا سلطنت نے جنوبی بھارت میں برہمن خیالات اور سماجی اداروں کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنی۔ واکٹا کا خاندان نے گپتا، پدموتی کے ناگا، کرناٹک کے کدامبا، اور آندھرا کے وشنوکندن خاندانوں کے ساتھ ازدواجی اتحاد قائم کیے۔

واکٹا کا سلطنت شمال میں مالوا اور گجرات کے جنوبی کنارے سے لے کر، جنوب میں دریائے تنگبھدرا تک، اور مغرب میں عربی سمندر سے لے کر مشرق میں چھتیس گڑھ کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ واکٹا کا سلطنت کو "راشٹروں" میں تقسیم کیا گیا، جنہیں "راجیہ دھی کرتاس" کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔

راشٹروں کو "وشیاؤں" میں تقسیم کیا گیا، جو مزید "اہاروں" اور "بھوجوں" میں تقسیم تھے۔ اجنتا غاروں کی دوسری مرحلے کی پینٹنگز وکتا کا دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ وکتا کا کتبوں میں "کلپت" اور "اوپکلپت" کے الفاظ جبری مشقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

9.10 بدھ مت

واکٹا کا بادشاہ "ہری سینا" کی سرپرستی میں، اجنتا غاروں کے چٹانی بدھ ویہار اور چیتیا تعمیر کیے گئے۔ اجنتا غار نمبر XVI، XVII، XIX، وکتا کا دور کی پینٹنگز کی بہترین مثالیں ہیں، خاص طور پر "مہابھینشکرمن" کے عنوان سے پینٹنگ۔ ہری سینا کی وفات کے بعد، وکتا کا خاندان کا خاتمہ ہوا، اور نالاس، کدامباس، کالچوری، اور مالوا کے یشودھرمن نے ان کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔

9.11 ہُن حملے

ہُن وسطی ایشیا کے "زیونائٹ" قبیلے تھے، جو چار گروہوں پر مشتمل تھے۔ شمالی ہُن (کالے ہُن)، جنوبی ہُن (سرخ ہُن)، مشرقی ہُن (آسمانی ہُن)، مغربی ہُن (سفید ہُن) سفید ہُن وہ تھے جنہوں نے گپتا سلطنت پر حملہ کیا، کمار گپتا کے دور میں، اور سلطنت کو شدید نقصان پہنچایا۔

پہلی ہُن جنگ (496-515 عیسوی) میں، بادشاہ "تورامانا" نے بھارتی علاقے میں گہرائی تک دھکیل دیا، اور گجرات اور مدھیہ پردیش تک پہنچا، جس نے گپتا سلطنت کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔

اس کے بعد، کمزور حکمرانوں کا سلسلہ شروع ہوا، جیسے کمار گپتا دوم (473-476 عیسوی)، اور پھر "بدھ گپتا"، جو "پورو گپتا" کے بیٹے تھے۔ 480 عیسوی کے دوران، ہُن حملہ آوروں نے شمال مغربی بھارت میں گپتا فوجی دفاع کو توڑ دیا، اور 500 عیسوی تک شمال مغربی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطنت کئی علاقائی بادشاہتوں میں تقسیم ہوگئی، جنہیں مقامی سرداروں نے چلایا۔

گپتا خاندان کی ایک چھوٹی شاخ "مگدھ" پر حکومت کرتی رہی، جو 16 بھارتی مہاجنپدوں میں سے ایک تھا، مگر 550 عیسوی میں گپتا سلطنت ختم ہوگئی۔

9.12 اختتامیہ

مجموعی طور پر، گپتا دور شمالی بھارت میں ویدک رسومات کی بحالی کے ساتھ نمایاں ہوا، اور فنون لطیفہ اور ادب کو ترقی دی گئی۔ تعلیم نے سائنسی ترقیات کو فروغ دیا۔ کئی غیر ملکی ویدک مذہب کا حصہ بنے، اور نئے فرقوں کو اپنایا۔

گپتا سلطنت نے فوجی اور علاقائی فتوحات کے ساتھ ساتھ ثقافتی اور علمی ترقیات میں بھی ترقی کی، خاص طور پر چندر گپتا دوم کے دور میں۔ تاہم، بعد کے حکمرانوں، جیسے کمار گپتا اول اور سکندر گپتا، نے فوجی شکستوں، سکوں کی قدر میں کمی، اور کمزور قیادت کے ذریعے سلطنت کے خاتمے کی نگرانی کی۔

واکٹا کا خاندان ایک قدیم بھارتی خاندان تھا، جس نے تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں وسطی اور جنوبی بھارت کے کچھ حصوں پر حکومت کی۔

ہُن حملوں نے سرداروں اور علاقائی بادشاہوں کو مزید بلند حوصلہ بنایا، جس نے گپتا سلطنت کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. نالندہ یونیورسٹی
2. فاہیان
3. اجنتا غاریں
4. وشیائیں
5. گپتا دور کا ادب

تحریری سوالات

6. گپتا سلطنت کے حکمرانوں پر مضمون لکھیں۔
7. گپتا دور میں انتظامیہ کیسی تھی؟ وضاحت کریں۔
8. گپتا دور کے حالات کیا تھے؟ بحث کریں۔
9. وکتا کا خاندان اور ان کے کاموں پر مضمون لکھیں۔
10. ہُن کون تھے اور ان کے حملوں کا بھارت پر کیا اثر ہوا؟ وضاحت کریں۔

باب 10

بھارت ساتویں صدی عیسوی کے بعد: حکمران خاندانوں کا ظہور اور شہنشاہ ہرش وردھن کا عروج

10.1 تعارف

گپتا سلطنت کے زوال کے بعد شمالی بھارت کا سیاسی منظر نامہ متعدد حکمران خاندانوں کے ظہور سے عبارت تھا، جیسے کانیا کوبج کے ماؤکھری، مگدھ کے بعد کے گپتا، مغربی بنگال (مرشد آباد ضلع) کے گاؤڈا، سوراشٹر جزیرہ نما کے ولبھی کے میتر کاس، تھانیسور کے پشیا بھوتی ان میں سے کئی خاندان اصل میں گپتا سلطنت کے ماتحت تھے۔ لیکن گپتا حکمرانی کے سیاسی زوال کے ساتھ، انہوں نے آزادی حاصل کر لی۔

چھٹی صدی عیسوی میں شمالی بھارت متعدد حکمران طاقتوں کا میدان بن گیا، جو اپنے اپنے علاقائی تناظر میں جڑیں رکھتے تھے، اور ایک دوسرے سے مسلسل لڑتے رہتے تھے۔ ایسے سیاسی منظر نامے میں، "سامنتاس" (ماتحت حکمران) طاقتور بن کر ابھرے۔ انہوں نے دور دراز علاقوں پر کنٹرول رکھا یا اپنے حکمرانوں کے سیاسی مراکز سے دور علاقوں میں جنگیں لڑیں۔ مقامی اور علاقائی طاقتوں کا عروج اس دور کی نمایاں خصوصیت سمجھا جاتا ہے۔ ایک بار پھر شمالی بھارت کئی آزاد ریاستوں میں تقسیم ہو گیا، جن میں اہم ریاستیں شامل تھیں: ولبھی، کنوج، گُرجَر، گاؤڈا، پشیا بھوتی، ان میں کنوج بہت اہم تھا۔ گنگا کے میدانوں میں کنوج کا اسٹریٹجک مقام اسے تجارتی سرگرمیوں کے لیے موزوں بناتا تھا، اور اسے ایک قیمتی اثاثہ بناتا تھا۔ یہ ہرش وردھن کی سلطنت کا دوسرا دارالحکومت تھا۔

10.2 مقاصد

- سیاسی حالات اور سامنتاس کے غلبے کو سمجھنا
- کنوج کا اسٹریٹجک مقام
- تجارتی سرگرمیاں
- سماجی و مذہبی برائیاں
- ہرش وردھن کا شہنشاہ کے طور پر ابھرنا
- ہرش وردھن کی خدمات اور سرگرمیاں
- تعلیم اور اداروں کی اہمیت

- چینی مسافر "ہیون سانگ" اوران کے بیانات
- ثقافت کا فروغ

10.2 اکتسابی نتائج

- سیاسی حالات میں تبدیلی اوراس کا سماج پر اثر
- تعلیمی ترقیات اور علم کی افزائش
- ہرش وردھن کی پالیسیاں اور بھارت کے لیے خدمات
- بدھ مت کی ثقافت کی طرف مسافروں کی کشش
- ادبی ترقیات اور پیش رفت

10.4 وَلبھی کے میتر کاس

میتر کاس نے سوراشٹر میں خودکو آزاد حکمران کے طور پر قائم کیا۔ان کا دارالحکومت وَلبھی تھا۔یہ خاندان تقریباً300 سال تک کامیابی سے حکومت کرتا رہا،اوران ریاستوں میں سب سے زیادہ پائیدار ثابت ہوا، جو گپتا سلطنت کے زوال سے ابھری تھیں۔

ساتویں صدی کے اختتام پر، وَلبھی ایک عظیم علمی اور تجارتی مرکز کے طور پر ابھرا۔ یہ سلطنت غالباً آٹھویں صدی کی تیسری سہ ماہی میں سندھ کے عربوں کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔

کنوج کے ماؤکھری

ماؤکھری کئی شاخوں میں تقسیم تھے؛ ان کی حکومت اتر پردیش میں تھی، جو پنجاب اور بنگال کے کچھ حصوں تک پھیلی ہوئی تھی۔انہوں نے ہُن حملہ آوروں کے خلاف جنگیں لڑیں۔

راجپوتانہ کے گُرجَر

راجپوتانہ میں گُرجَر سلطنت چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں نمایاں ہوئی۔گُرجَر غیر ملکی نسل کے تھے۔

بنگال کے گاؤڈا

گاؤڈا بنگال میں نمایاں ہوئے۔ ان کے معروف حکمران ساسانکا تھے۔ساسانکا نے "راجیاشری" کو گرفتار کیا، جو پربھاکر وردھن کے بیٹے "راجیاوردھن" کی بیٹی تھی،اور راجیاوردھن کو قتل کیا۔

تھانیسور کے پشیا بھوتی

تھانیسور کے پشیا بھوتی یاوردھن خاندان نے گپتا سلطنت کے زوال کے بعد بھارتی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بانبھٹہ کی "ہرش چرِتا" کے مطابق، تیسرے حکمران "آدتیہ وردھن" کی شادی بعد کے گپتا خاندان کے "مہاسینا گپتا" کی بہن سے ہوئی۔

ان کے بیٹے اور جانشین "پربھاکر وردھن" تھے۔انہوں نے اپنی بیٹی "راجیاشری" کی شادی ماؤکھری حکمران "گرہ ورمن" سے کی،اور سلطنت کو مغرب اور جنوب کی طرف وسعت دی۔

10.5 شہنشاہ ہرش وردھن[606-647 عیسوی]

گپتا سلطنت کے زوال کے بعد شمالی بھارت میں سیاسی انتشار اور عدم اتحاد کا دور آیا۔ یہ صرف ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں تھا کہ ہرش وردھن نے شمالی بھارت میں ایک بڑی سلطنت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔شہنشاہ ہرش وردھن کو "ہرش" کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔وہ پشیا بھوتی خاندان یا وردھن خاندان کے بانی "پربھاکر وردھن" کے بیٹے تھے۔ہرش کی شادی "درگاوتی" سے ہوئی۔ان کی ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ان کی بیٹی کی شادی ولبھی کے ایک بادشاہ سے ہوئی۔

ذرائع

ہرش اور ان کے دور کی تاریخ کو جاننے کے اہم ذرائع ہیں بانبھٹہ کی "ہرش چرِتا" چینی مسافر "ہیون سانگ" کے سفر کے بیانات، بانبھٹہ ہرش کے درباری شاعر تھے۔ ہیون سانگ ساتویں صدی عیسوی میں بھارت آئے۔ان دو ذرائع کے علاوہ، ہرش کے لکھے ہوئے ڈرامے، جیسے "رتناولی"، "ناگناندا"، اور "پریہ درشیکا"، بھی مفید معلومات فراہم کرتے ہیں۔ "مدھوبن پلیٹ کتبہ" اور "سونپت کتبہ" ہرش کی تاریخ جاننے میں مددگار ہیں۔ "بانس کھیرہ کتبہ" میں ہرش کے دستخط موجود ہیں۔

شہنشاہ ہرش کی سیاسی حکمرانی

ہرش وردھن کو ساتویں صدی عیسوی کے سب سے نمایاں بھارتی شہنشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ پشیا بھوتی خاندان کے شہنشاہ تھے، جنہوں نے 606 سے 647 عیسوی تک شمالی بھارت پر حکومت کی۔ ہرش کا دور قدیم سے قرون وسطیٰ کے دور میں تبدیلی کی علامت معلوم ہوتا ہے، جب غیر مرکزی علاقائی سلطنتیں مسلسل بالادستی کے لیے جدوجہد کرتی رہیں۔تھانیسوران کا پہلا دارالحکومت تھا،اور کنوج دوسرا دارالحکومت۔

شہنشاہ ہرش نے مرکز میں ایک مضبوط فوج برقرار رکھی۔ بادشاہ نے داخلی اور خارجی طور پر اچھے تعلقات قائم رکھے۔انہوں نے ایک بڑی سلطنت قائم کی، جو شمالی اور شمال مغربی بھارت سے لے کر جنوب میں نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔لیکن ان کی جنوبی سمت میں مزید پیش رفت کو چالوکیہ بادشاہ "پلاکیسن دوم" نے روک دیا۔ان کی اصلاحات اور پالیسیاں فراخ دلانہ تھیں،اور ہمیشہ اپنے عوام کی امن،ترقی،اور خوشحالی کو فروغ دینے کے لیے تھیں۔

نظم ونسق اور سماج

شہنشاہ ہرش نے اپنے عوام کو ایک اچھا انتظام فراہم کیا۔ بادشاہ ہرش ریاست کے سربراہ تھے،اور "مہاراجادھیراج" کا لقب اختیار کیا۔

ہرش نے اپنے عوام کی فلاح و بہبود کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھا۔ وہ اپنے گاؤں کے عوام کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے، تاکہ ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھ سکیں۔

بادشاہ کو وزراء اور اہم حکام کی کونسل نے مدد فراہم کی۔ ہرش کی سلطنت کو "بھکتی" (صوبوں) میں تقسیم کیا گیا، اور بھکتی کو "وشیاؤں" (اضلاع) میں تقسیم کیا گیا۔ گاؤں انتظامیہ کی سب سے چھوٹی اکائی تھی۔ آمدنی کا بنیادی ذریعہ زمین کا محصول تھا، جسے "بھوجا" کہا جاتا تھا، جو پیداوار کا چھٹا حصہ تھا، اور اجناس میں ادا کیا جاتا تھا۔ دیگر آمدنی کے ذرائع میں "ہریا"، "بلی"، سیلز ٹیکس، ٹول ٹیکس، وغیرہ شامل تھے۔ زراعت اور تجارت کی ترقی ہوئی۔ ہرش کو ایک قابل حکمران سمجھا جاتا ہے۔ پریاگ، بنارس، اور کنوج خوشحال شہر تھے۔ ذات پات کا نظام سخت نہیں تھا۔

مذہبی پالیسی

ہرش نے بدھ مت کی پیروی کی۔ ہرش نے ہر پانچویں سال مذہبی اجتماعات منعقد کیے، تاکہ ضرورت مندوں میں خیرات تقسیم کی جا سکے۔ انہوں نے تعلیم اور ادب کو اہمیت دی۔ شہنشاہ ہرش وردھن شیوا مت کے پیروکار تھے۔ تاہم، وہ تمام مذاہب کے لیے روادار تھے، اور انہیں مکمل طور پر حمایت فراہم کی۔ زندگی کے کسی مرحلے میں، وہ بدھ مت کے سرپرست بھی بن گئے۔ شہنشاہ ہرش وردھن نے بدھ کے نام پر متعدد "سٹوپ" تعمیر کر کے مذہب کو فروغ دیا۔

ادب

ہرش نے خود تین ڈرامے لکھے—"ناگناندا"، "رتناولی"، اور "پریہ درشیکا"۔ بانبھٹہ نے "ہرش چرِتا" اور "کدامبری" لکھی۔

تعلیم

چینی مسافر "ہیون سانگ" نے بادشاہ کے دربار کا دورہ کیا، اور بدھ مت کا علم حاصل کیا۔ نالندہ، ولبھی، اور دیگر علمی مراکز کو بہت اہمیت دی گئی۔ تقریباً 10,000 طلباء اور 2,000 اساتذہ موجود تھے۔ شہنشاہ ہرش کے دور میں، بھارتی ثقافت دیگر ممالک میں پھیلتی رہی۔ ہرش 647 عیسوی میں 41 سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گئے۔ چونکہ ان کے کوئی وارث نہیں تھے، ان کی سلطنت ان کی وفات کے فوراً بعد ختم ہوگئی۔

اختتامیہ

شہنشاہ ہرش کا عروج گنگا-جمنا دوآب، خاص طور پر کنوج، کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہرش کا دور ملک کے امن، ترقی، اور خوشحالی کے لیے مشہور تھا۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات

1. کنوج کے ماؤکھری
2. بنگال کے گاؤڈا
3. کنوج
4. شہنشاہ ہرش وردھن کے دور کا ادب
5. ہیون سانگ کا دورہ ہرش کے دور میں

تحریری سوالات

6. بھارت میں حکمران خاندانوں کے ظہور پر مضمون لکھیں۔
7. شہنشاہ ہرش وردھن کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔
8. ہرش وردھن کی بھارت کے لیے خدمات پر بحث کریں۔
9. پشیا بھوتی خاندان کے کردار پر مضمون لکھیں۔
10. شہنشاہ ہرش وردھن کی تعلیمی ترقیات میں خدمات پر مضمون لکھیں۔

باب 11

ہرش کے بعد کا دور: علاقائی خاندانوں کا ظہور- سہ طرفہ جدوجہد- راجپوت ریاستوں کا عروج: تنازعات اور اثرات

11.1 تعارف

ہرش کے بعد کا دور شمالی بھارت میں شدید سیاسی انتشار کا دور تھا۔ کنوج، جو ہرش کا مرکز تھا، تنازعے کا باعث بنا رہا۔ ہر سیاسی طاقت اس پر قبضے کی خواہش رکھتی تھی۔

اہم سیاسی طاقتیں تھیں: گُرجَر- پرتیہارا، پالا، راشٹرکُٹ، یہ طاقتیں ایک جدوجہد میں داخل ہوئیں، جسے "سہ طرفہ جدوجہد" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سلطنتیں آپس میں لڑتی رہیں، انہوں نے وسیع علاقوں میں زندگی کے مستحکم حالات فراہم کیے، زراعت کو فروغ دیا، تالاب اور نہریں بنائیں، اور فنون لطیفہ اور ادب، بشمول مندروں، کی سرپرستی کی۔

11.2 مقاصد

- سیاسی انتشار کا علم حاصل کرنا
- راجپوت حکمرانی، تنازعات، اور اس کے اثرات
- راجپوتوں کے درمیان سیاسی طاقت کے لیے جدوجہد
- سماج، برائیوں، اور توہم پرستی کے عقائد
- فن اور تعمیرات کی ترقیات
- فنون لطیفہ بشمول ادب کی سرپرستی
- آبپاشی کی ترقیات

11.3 اکتسابی نتائج

- سیاسی انتشار نے ترک اور عرب حملوں کو جنم دیا
- بھارت ایک بار پھر حملہ آوروں کا شکار بنا

- سائنس، فن، اور تعمیرات کی اہمیت
- پانی کی سہولیات کی ضرورت

11.4 علاقائی ریاستوں کا ظہور: تین سیاسی طاقتیں

750 سے 1000 عیسوی کے درمیان شمالی بھارت اور دکن میں بڑی ریاستیں ابھریں۔ یہ تھیں:

1. گُرجَر-پرتیہارا: جنہوں نے مغربی بھارت اور گنگا کے بالائی میدانوں پر 10 ویں صدی کے وسط تک حکومت کی۔
2. پالاس: جنہوں نے مشرقی بھارت پر 9 ویں صدی کے وسط تک غلبہ حاصل کیا۔
3. راشٹرکُٹ" جنہوں نے دکن پر حکومت کی، اور شمالی اور جنوبی بھارت کے کچھ علاقوں پر بھی کنٹرول رکھا۔

پالا، پرتیہارا، اور راشٹرکُٹ سلطنتوں کے درمیان، جو آٹھویں صدی سے دسویں صدی کے درمیان غالب تھیں، راشٹرکُٹ خاندان زیادہ دیر تک قائم رہا۔ یہ تین سلطنتیں کنوج کی بالادستی کے لیے مسلسل جنگ میں مصروف رہیں، جسے "سہ طرفہ جدوجہد" کہا جاتا ہے۔

راشٹرکُٹ نے نسبتاً زیادہ عرصے تک حکومت کی، اور شمالی اور جنوبی بھارت کے درمیان پل کا کردار ادا کیا۔ راشٹرکُٹ خاندان دکن کے علاقے میں آٹھویں صدی سے دسویں صدی کے درمیان طاقت میں آیا۔ راشٹرکُٹ خاندان کی بنیاد "دنڈی درگا" نے رکھی۔ ابتدائی طور پر راشٹرکُٹ چالوکیہ خاندان کے ماتحت تھے۔

11.4.1 انتظامیہ

ان سلطنتوں میں انتظامیہ کا نظام گپتا سلطنت، شمال میں ہرش کی سلطنت، اور دکن میں چالوکیہ کے خیالات اور طریقوں پر مبنی تھا۔

پالا اور پرتیہارا سلطنتوں میں براہ راست انتظام کردہ علاقوں کو "بھکتی" (صوبوں)، اور "منڈلا" یا "وشیا" (اضلاع) میں تقسیم کیا گیا۔ صوبے کے گورنر کو "اوپریکا" کہا جاتا تھا، اور ضلع کے سربراہ کو "وشیاپتی" کہا جاتا تھا۔ اوپریکا زمین کا محصول جمع کرنے اور فوج کی مدد سے قانون ونظم برقرار رکھنے کا ذمہ دار تھا۔ وشیاپتی اپنے دائرہ اختیار میں یہی کام کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اس دور میں چھوٹے سرداروں کی تعداد میں اضافہ ہوا، جنہیں "سامنتاس" یا "بھوجاپتی" کہا جاتا تھا، جو کئی گاؤں پر غلبہ رکھتے تھے۔ وشیاپتی اور یہ چھوٹے سردار ایک دوسرے میں ضم ہونے لگے، اور بعد میں "سامنتاس" کا لفظ دونوں کے لیے بلاتفریق استعمال ہونے لگا۔

راشٹرکُٹ سلطنت میں براہ راست انتظام کردہ علاقوں کو "راشٹرا" (صوبوں)، "وشیا"، اور "بھکتی" میں تقسیم کیا گیا۔ راشٹرا کے سربراہ کو "راشٹراپتی" کہا جاتا تھا، اور وہ وہی کام انجام دیتا تھا جو پالا اور پرتیہارا سلطنتوں میں اوپریکا کرتا تھا۔ وشیا ایک جدید ضلع کی طرح تھا، اور بھکتی اس سے چھوٹی اکائی تھی۔ پالا اور پرتیہارا سلطنتوں میں، وشیا سے نیچے کی اکائی کو "پٹالا" کہا جاتا تھا۔ ان کا بنیادی مقصد زمین کے محصول کی وصولی اور قانون ونظم پر کچھ توجہ دینا تھا۔ ظاہر ہے کہ تمام حکام کو بغیر کرایہ والی زمین کے عطیات دے کر تنخواہ دی جاتی تھی۔

ان علاقائی تقسیمات کے نیچے گاؤں تھا۔ گاؤں انتظامیہ کی بنیادی اکائی تھی۔ گاؤں کی انتظامیہ گاؤں کے سربراہ اور گاؤں کے اکاؤنٹنٹ کے ذریعے چلائی جاتی تھی، جن کے عہدے عام طور پر موروثی ہوتے تھے۔ انہیں بغیر کرایہ والی زمین کے عطیات دے کر تنخواہ دی جاتی تھی۔ گاؤں کے سربراہ کو اکثر گاؤں کے بزرگوں، جنہیں " گرام مہاجنا" یا " گرام مہتارا" کہا جاتا تھا، کی مدد حاصل ہوتی تھی۔

بادشاہوں کو عام طور پر کئی وزراء مشورہ دیتے تھے۔ وزراء بادشاہ کے ذریعے منتخب کیے جاتے تھے، اور عام طور پر اہم خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا عہدہ اکثر موروثی ہوتا تھا۔ پالا بادشاہوں کے معاملے میں، ہم سنتے ہیں کہ ایک برہمن خاندان نے دھرم پال اور ان کے جانشینوں کو چار مسلسل وزرائے اعظم فراہم کیے۔ ایسے معاملات میں، وزیر بہت طاقتور ہوسکتا تھا۔

کتباتی اور ادبی ریکارڈز سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً ہر سلطنت میں، ایک خط و کتابت کا وزیر، جس میں خارجہ امور شامل تھے، ایک محصول کا وزیر، خزانہ دار، فوج کا سربراہ (سیناپتی)، چیف جسٹس، اور پروہت موجود تھے۔ ایک شخص میں ایک سے زیادہ عہدے شامل کیے جاسکتے تھے، اور شاید وزراء میں سے ایک کو چیف یا اہم وزیر سمجھا جاتا تھا، جس پر بادشاہ دیگر وزراء سے زیادہ انحصار کرتا تھا۔ تمام وزراء ، سوائے پروہت کے، سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ فوجی مہمات کی قیادت کریں، جب انہیں ایسا کرنے کے لیے بلایا جائے۔

اس دور کی ایک اہم خصوصیت دکن میں موروثی محصول افسران کا عروج تھا، جنہیں "نادگونڈاس" یا "دیس گراما کوٹاس" کہا جاتا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے وہی کام انجام دیے، جو بعد کے وقتوں میں مہاراشٹر کے "دیشمکھ" اور دیشپانڈے" کرتے تھے۔

11.4.2 مذہبی پالیسی

اس وقت ریاست اور مذہب کا تعلق بہت قریب تھا۔ مذہب حکمرانوں کی حیثیت کو جائز اور مضبوط بنانے کے لیے اہم تھا۔ اس وقت کے کئی حکمران شیوا یا وشنو کے عقیدت مند پیروکار تھے، یا انہوں نے بدھ مت یا جین مت کی تعلیمات کی پیروی کی۔ حکمرانوں نے برہمنوں، بدھ مت کے وہاروں، یا جین مندروں کو بڑے عطیات دیے۔ لیکن عام طور پر، انہوں نے تمام مذاہب کو سرپرستی دی، اور کسی کو بھی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا۔ راشٹرکٹ بادشاہوں نے مسلمانوں کو بھی خوش آمدید کہا، اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دی۔ کئی حکمرانوں نے شاندار مندر تعمیر کیے، جو اکثر ان کے دارالحکومتوں میں تھے، اور مندروں کی دیکھ بھال اور برہمنوں کو زمین کے بڑے عطیات دیے۔

11.4.3 فوجی قوت

مسلح افواج کو برقرار رکھنے اور توسیع کے لیے بہت اہمیت دی گئی۔ عرب مسافروں کے مطابق، پالا، پرتیہارا، اور راشٹرکٹ بادشاہوں کے پاس بڑی اور منظّم پیادہ فوج، گھڑسوار فوج، اور جنگی ہاتھیوں کی بڑی تعداد تھی۔ سب سے زیادہ ہاتھی پالا بادشاہوں کے پاس تھے۔ گھوڑوں کی بڑی تعداد راشٹرکٹ اور پرتیہار بادشاہوں نے سمندر کے ذریعے عرب اور مغربی ایشیا سے، اور خشکی کے ذریعے خراسان (مشرقی فارس) اور وسطی ایشیا سے درآمد کی۔

پیادہ فوج میں باقاعدہ اور غیر باقاعدہ فوجی شامل تھے، اور جاگیردار سرداروں کے ذریعے فراہم کردہ فوجی دستے بھی شامل تھے۔ باقاعدہ فوجی اکثر موروثی ہوتے تھے، اور کبھی کبھار بھارت کے مختلف علاقوں سے لیے جاتے تھے۔ پالا پیادہ فوج میں مالوا، کھاسا (آسام)، لاتا (جنوبی گجرات)، اور کرناٹک کے فوجی شامل تھے۔ پالا بادشاہوں، اور شاید راشٹرکٹ، کے پاس اپنی بحری افواج بھی تھیں۔ تمام سلطنتیں ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل تنازعے میں تھیں، اور شمالی بھارت میں گنگا کے علاقے پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ تین سلطنتوں کے درمیان یہ جدوجہد "سہ طرفہ جدوجہد" کہلاتی ہے۔

کنوج کے لیے سہ طرفہ جدوجہد

گپتا سلطنت کے بعد کے سیاسی منظرنامے میں کنوج کے ظہور کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کنوج نے ایک متاثر کن زرعی پس منظر کا حکم دیا، جو ایک شہر کی ترقی کے لیے اہم تھا۔ یہ بدلتی ہوئی سیاسی معیشت کی بھی عکاسی کرتا ہے، جس میں زرعی وسائل کا استحصال ان گنت مقامی، سپرا-مقامی، اور علاقائی خاندانوں کے لیے ضروری ہو گیا، جو آنے والے سالوں میں شمالی بھارت کے سیاسی میدان پر غالب رہیں گے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے دوران، کنوج پر کنٹرول کے لیے بھارت کی تین بڑی سلطنتوں کے درمیان جدوجہد ہوئی پالا، پرتیہارا، راشٹرکٹ تھیں۔ پالا نے بھارت کے مشرقی حصوں (بنگال) پر حکومت کی، جبکہ پرتیہارا نے مغربی بھارت (اوانتی-جالور علاقہ) پر کنٹرول رکھا۔ راشٹرکٹ نے بھارت کے دکن علاقے پر حکومت کی۔ ان تین خاندانوں کے درمیان کنوج پر کنٹرول کے لیے جدوجہد کو بھارتی تاریخ میں "سہ طرفہ جدوجہد" کہا جاتا ہے، جو آٹھویں-نویں صدی عیسوی کے دوران کنیا کونج (کنوج) پر قبضے کے لیے ہوئی۔ سہ طرفہ جدوجہد دو صدیوں تک جاری رہی، اور طویل جدوجہد کے دوران تینوں سلطنتوں کو کمزور کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ملک کی سیاسی تقسیم ہوئی، اور راجپوتوں کے عروج اور بعد میں مشرق وسطیٰ کے حملوں کو بھارت پر حملہ کرنے کا فائدہ ملا۔

11.5 راجپوتوں کا عروج

بادشاہ ہرش کی وفات کے بعد، بھارتی برصغیر میں ایک نیا حکمران طبقہ ابھرا، یعنی راجپوت۔ راجپوت خاندانوں کی کثرت نے بھارتی برصغیر کی سیاست میں ایک نیا رخ پیدا کیا۔

ابتدائی قرون وسطیٰ کی بھارتی تاریخ میں سیاسی تبدیلیاں خاندانوں کی تبدیلیوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر خاندان کی اپنی نسب اور تاریخ تھی، جو خاص طور پر بھارت کے مغربی اور وسطی حصے، جیسے راجستھان، گجرات، اور مدھیہ پردیش میں اس کی حکمرانی کی نمائندگی کرتی تھی۔ ساتویں سے بارہویں صدی تک کا ابتدائی قرون وسطیٰ کا دور راجپوتوں کے غلبے کا دور تھا، اور ان کے تنازعات نے ترک-مسلم فتوحات کے لیے راہ ہموار کی۔

پر تیہارا خاندان کے زوال کے بعد ابھرنے والے اہم راجپوت خاندان تھے:

- مالوا کے پرمارا، جن کے دارالحکومت اجین اور دھارا تھے۔ کنوج کے گہد ووالا۔
- دہلی اور اجمیر کے چوہان۔
- ملک کے مختلف حصوں میں چھوٹے خاندان۔
- بندیل کھنڈ کے چندیلا، جنہوں نے کھجوراہو کے مندر تعمیر کیے۔
- دہلی کے تومر۔
- جدید جبل پور کے کلاچوری۔
- میواڑ کے گُہیلا یا سسو دیا۔
- گجرات کے چولوکیا۔
- بنگال کے پالا۔

11.5.1 راجپوت سلطنتوں کے تحت انتظامیہ

راجپوت بہادر اور جنگجو طبقہ تھے۔ انتظامیہ کا نظام جاگیردارانہ تھا، اور سلطنت کو جاگیروں میں تقسیم کیا گیا تھا، جو جاگیرداروں کے پاس تھیں۔ راجپوت ریاستوں کی انتظامیہ ذات پات کے نظام پر مبنی تھی۔ صرف اعلیٰ ذات کے افراد کو انتظامیہ میں کام کرنے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ بادشاہ بھی اسی ذات کا رکن ہوتا تھا۔

ریاست کو کئی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جن میں سے ہر ایک "مکھیا" یا غالب ذات کے رہنما کے ماتحت تھی۔ ابتدائی مرحلے میں، اگر بادشاہ اس اسٹیٹ یا ذات گروہ کے مفادات کے خلاف کام کرتا، تو رہنما اسے اقتدار سے ہٹا سکتے تھے، اور کسی دوسرے ذات گروہ کے فرد کو اس کی جگہ مقرر کر سکتے تھے۔ بعد میں، بادشاہ ریاست کا اعلیٰ سربراہ بن گیا، اور پورے انتظامی، عدالتی، اور فوجی حکومت کو کنٹرول کیا۔ وہ اپنے اقتدار سے ناقابلِ تبدیل ہو گیا۔ وزارتی کونسل تمام اہم پالیسی امور پر مشاورت کے فورم کے طور پر کام کرتی تھی۔

11.5.2 زمین کا محصول

زمین کا محصول آمدنی کا بنیادی ذریعہ تھا، اور یہ زمین کی زرخیزی، آبپاشی کے بنیادی ڈھانچے، اور دیگر عوامل کی بنیاد پر ایک فارمولے کے ذریعے حساب کیا جاتا تھا۔ زمین کا محصول زیادہ تر زرعی پیداوار میں ادا کیا جاتا تھا، اور کچھ نقد رقم بھی شامل کی جاتی تھی۔ آمدنی کے اضافی ذرائع تحائف، جرمانے، معدنیات، جنگلات، اور کرائے پر دیے گئے علاقے تھے۔

11.5.3 سماج

راجپوت سماج کی بنیاد قبیلہ تھا۔ ہر قبیلہ اپنے نسب کو ایک مشترکہ جد، حقیقی یا خیالی، سے جوڑتا تھا۔ قبیلے عام طور پر ایک مربوط علاقے پر غلبہ رکھتے تھے۔ زمین، خاندان، اور عزت (مان) سے وابستگی راجپوتوں کی خصوصیت تھی۔ ہر راجپوت ریاست کو ایک "رانا" یا "راوت" کے ذریعے حکمرانی کرنی تھی، جو عام طور پر اپنے خون کے بھائیوں کے ساتھ مل کر حکمرانی کرتا تھا۔

راجپوت سماج کی تنظیم کے فوائد اور نقصانات دونوں تھے۔ ایک فائدہ بھائی چارے اور مساوات کا احساس تھا، جو راجپوتوں میں عام تھا۔ لیکن یہی خصوصیت ان میں نظم وضبط برقرار رکھنے کو مشکل بنا دیتی تھی۔ نسلی جھگڑے، جو کئی نسلوں تک جاری رہتے تھے، راجپوتوں کی ایک اور کمزوری تھی۔ لیکن ان کی بنیادی کمزوری ان کا رجحان تھا کہ وہ مخصوص گروہوں کی تشکیل کریں، جو ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ کرتے تھے۔

راجپوت سماج فتحوں اور جنگوں کے غلبے میں تھا، اور لوگوں کے معیارِ زندگی میں وسیع فرق کی وجہ سے متاثر ہوا۔ راجپوت جنگ کو کھیل سمجھتے تھے۔ یہ اور زمین اور مویشیوں کے لیے جدوجہد مختلف راجپوت ریاستوں کے درمیان مسلسل جنگ کا باعث بنی۔ مثالی حکمران وہ تھا جو دسہرہ کے تہوار کے بعد اپنی افواج کی قیادت کرتا، تاکہ اپنے پڑوسیوں کے علاقوں پر حملہ کرے۔ اؤں اور شہروں میں رہنے والے لوگ اس پالیسی سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔

11.5.4 ذات پات کا نظام

ذات اور عقیدے کے نظام کا وسیع پیمانے پر رواج تھا۔ راجپوت ایک نئی ذات کے طور پر منظر عام پر آئے۔ وقت کے ساتھ، مختلف ذاتوں سے تعلق رکھنے والے تمام حکمران خاندانوں کو راجپوت کے طور پر درجہ بند کیا گیا۔ وزراء، بیوروکریٹس، اور جاگیردار سردار اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اور اس طرح وہ عیش وعشرت اور شان وشوکت میں زندگی گزارنے کے قابل تھے، جس نے انہیں دولت جمع کرنے کی اجازت دی۔

راجپوتوں نے اپنے حرم اور کئی خادموں کے ذریعے اپنی دولت کی نمائش کی۔ دوسری طرف، کسانوں پر زمین کا محصول اور دیگر ٹیکس عائد کیے گئے، جو جاگیرداروں کے ذریعے ظلم وستم کے ساتھ وصول کیے جاتے تھے، یا انہیں جبری مشقت کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اس وقت کے دوران، نچلے طبقے کے لوگوں کو درپیش مشکلات مزید بڑھ گئیں۔ زیادہ تر ملازمین، جیسے جولاہے، ماہی گیر، نائی، وغیرہ، اور قبائل کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔

راجپوت حکمران برہمنوں اور ذات پات کے نظام کے حقوق کے محافظ کے طور پر کھڑے ہوئے۔ اس طرح، برہمنوں کے لیے زمین کے محصول کی کم شرح وصول کرنے کا نظام کچھ راجپوت ریاستوں میں جاری رہا، یہاں تک کہ ان کے بھارتی یونین میں انضمام تک۔

11.5.5 خواتین کی حالت

اگر چہ راجپوت خواتین کی عزت کو اہمیت دیتے تھے اور ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے تھے، لیکن وہ ایک غیر حقیقی اور مفلوج معاشرے میں رہتی تھیں۔ ویدوں کا مطالعہ کرنے کا حق نچلی ذات کی خواتین تک محدود تھا۔ دوسری طرف، اعلیٰ آمدنی والے گھرانوں کو زیادہ تعلیم حاصل ہوتی تھی۔

خواتین کے حقوق سختی سے محدود تھے۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے شوہروں کی لاشوں کے ساتھ خوشی سے قربانی دیں۔

11.5.6 مذہب

اس وقت کے زیادہ تر راجپوت حکمران ہندومت کے علمبردار تھے، اگر چہ ان میں سے کچھ نے جین مت کی بھی سرپرستی کی۔ انہوں نے برہمنوں اور مندروں کو بڑے عطیات اور زمین کے عطیات دیے۔ مندر کی تعمیر کا جو انداز نمایاں ہوا، اسے "ناگرا" کہا جاتا تھا۔ اگر چہ یہ انداز تقریباً پورے بھارت میں پایا جاتا تھا، لیکن اس طرز کے تعمیراتی مراکز شمالی بھارت اور دکن میں تھے۔

11.5.7 سائنس اور تعلیم

راجپوت حکمرانی کے دوران صرف برہمنوں اور چند اعلیٰ طبقے کے خاندانوں کو اسکول جانے کی اجازت تھی۔ مطالعہ اور گفتگو کے سب سے مشہور موضوعات مذہب اور فلسفہ تھے۔

11.5.8 تعمیراتی ڈھانچہ

راجپوت قابل ذکر معمار تھے، جنہوں نے قلعے، محلات، چتور قلعے میں فتح کا مینار، ادے پور میں جھیل محل، ہوا محل، اور ورثہ شہروں کی تعمیر پر اپنی دولت اور بہادری خرچ کی۔ 18 ویں صدی میں سوائی جے سنگھ کے ذریعے تعمیر کردہ فلکیاتی رصد گاہ، راجپوت فن تعمیر کی چند پیچیدہ مثالیں ہیں۔ وہ اپنی درستگی اور اعلیٰ معیار کی آبپاشی نہروں، بندوں، اور آبی ذخائر کے لیے بھی مشہور تھے، جو آج بھی قابل احترام ہیں۔

11.5.9 زبان اور ادب

راجپوت حکمرانوں نے فنون لطیفہ اور ادب کی بھی سرپرستی کی۔

☆ اپ بھرنش اور پراکرت ادب، جو بولی جانے والی زبانوں کے قریب تھیں، ان زبانوں میں تخلیق جاری رہی۔ جدید شمالی بھارتی زبانیں، جیسے ہندی، بنگالی، اور مراٹھی، اسی دور میں ان مقبول زبانوں سے ابھرنا شروع ہوئیں۔

☆ چند بردائی، پرتھوی راج چوہان کے درباری شاعر، نے "پرتھوی راج راسو" لکھا، جس میں انہوں نے پرتھوی راج چوہان کی فوجی فتوحات کا ذکر کیا۔

☆ بھاسکر آچاریہ نے "سدھانتا شیرومانی" لکھی، جو فلکیات پر ایک کتاب ہے۔

☆ کلہن کی "راج ترنگنی" (بادشاہوں کی ندی)

11.5.10 فن اور تعمیرات

☆ دیواروں کی پینٹنگز اور چھوٹے پینٹنگز مقبول تھیں۔

☆ چندیلوں نے کھجوراہو کے مندر تعمیر کیے۔

☆ ماونٹ ابو میں دلواڑا مندر۔

11.6 راجپوت سلطنتوں کی ناکامی

شمالی بھارت میں غلبے کے لیے جدوجہد نے ان راجپوت سلطنتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تنازعے میں رکھا۔ بین ذات تنازعات نے بھی سلطنتوں کو کمزور کر دیا، جس کا اسلامی حملہ آوروں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کی اتحاد کی کمی واحد وجہ تھی، جس کی وجہ سے حملہ آور غوریوں اور غزنویوں نے اپنے حملوں میں کامیابی حاصل کی۔

11.6.1 تجارت اور کاروبار کا زوال

750 سے 1000 عیسوی کے درمیان شمالی بھارت میں تجارت اور کاروبار میں زبردست کمی دیکھنے میں آئی، جس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں: شمالی بھارت کی رومن سلطنت کے ساتھ ایک شاندار تجارت تھی، اور اس کے زوال نے تجارت پر بڑا اثر ڈالا۔ ساسانی سلطنت (ایرانی) کے زوال نے، جو اسلام کے عروج کی وجہ سے ہوا، بھارتی زمینی غیر ملکی تجارت کو زبردست دھچکا پہنچایا۔ بھارت کی دولت، سونے اور چاندی کے لحاظ سے، بنیادی طور پر اس کی غیر ملکی تجارت کی وجہ سے تھی۔

11.6.2 بھارت پر اثرات

ابتدائی قرون وسطیٰ کے دور کی مجموعی ترقیات نے بھارت میں ایک بڑی تبدیلی لائی۔ سیاسی طور پر، 750 عیسوی سے 1200 عیسوی کے درمیان کا دور ابتدائی قرون وسطیٰ کا دور ہے، جس میں کئی علاقائی ریاستوں کا عروج ہوا۔ اس دور کے ریاستی ڈھانچے کو اکثر "غیر مرکزی" سیاسی نظام کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک اقتصادی زوال کا دور تھا، جو بیرونی تجارت میں کمی کی وجہ سے ہوا۔

نئی علاقائی سلطنتوں نے نئے علاقائی ثقافتی زونز کے ظہور کی قیادت کی۔ لیکن طاقت اور زمین کے لیے جدوجہد اور تنازعات نے مشرق وسطیٰ کے ممالک، ترکوں، اور دیگر اسلامی قبائل کے حملوں اور حملوں کو جنم دیا۔ ذات پات کا نظام سخت تھا۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے سماجی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ تعمیرات کو ترجیح دی گئی۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات

1. کنوج
2. خواتین کی حالت
3. راجپوت دور کے دوران ٹیکس
4. تجارت اور کاروبار
5. تعلیم اور سائنس
6. ادب

تحریری سوالات

7. ابتدائی قرون وسطیٰ کے دور میں کون سی تین طاقتیں سیاسی طاقت کے طور پر ابھریں؟ وضاحت کریں۔
8. سہ طرفہ جدوجہد کیا ہے اور اس کا ہمارے ملک، بھارت پر کیا اثر پڑا؟ بحث کریں۔
9. راجپوت اور ان کی انتظامیہ پر لکھیں۔
10. راجپوت دور کے دوران سماج کیسا تھا؟
11. راجپوت دور کے دوران مجموعی ترقیات کیا تھیں؟ اظہار کریں۔
12. راجپوتوں کے زوال کی وجوہات کیا تھیں؟

باب 12

جنوبی ہندوستانی سلطنتوں کا ظہور

(6ویں صدی عیسوی سے 13ویں صدی عیسوی تک)

12.1 تعارف

دکن کی سیاسی تاریخ 6ویں صدی عیسوی سے 13ویں صدی عیسوی تک پالوا خاندان کے عروج، چولا طاقت کے ابھرنے، کلیانی کے چالوکیہ، اور کرناٹک کے کلاچوری کے ذریعے نمایاں ہوئی۔ ان سلطنتوں میں سے ایک، جو بادامی کے چالوکیہ کے زوال پر طاقت میں آئی، راشٹرکٹ تھی۔ بعد میں، تنگبھدرا کے جنوب کا علاقہ تقریباً دو صدیوں تک تنجور کے چولا اور کلیانی کے چالوکیہ کے تحت ایک ریاست کے طور پر متحد رہا۔ بارہویں صدی کے اختتام تک، چولا اور کلیانی کے چالوکیہ دونوں بڑی طاقتیں اپنے تنازعات کی وجہ سے مکمل طور پر تھک چکی تھیں، اور زوال پذیر تھیں۔ ان کے ماتحت طاقتوں نے نئی توانائی دکھانا شروع کی، اور اپنے حکمرانوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آزادی کا اعلان کیا۔ دیوا گیری کے یادو، ورنگل کے کاکتیہ، دوارا سمودرا کے ہوئسالہ، اور مدورائی کے پانڈیا، 12ویں اور 13ویں صدی کے دوران اہم سیاسی قوتیں بن گئیں۔

12.2 سبق کے مقاصد

- جنوبی بھارتی سلطنتوں کے بارے میں علم حاصل کرنا
- سیاسی حالات اور ورن نظام
- سماج اور خواتین کی حالت
- حکمرانوں کے درمیان تنازعات
- معیشت اور تجارتی تعلقات
- سماجی-سیاسی تعلقات
- فن اور تعمیراتی ترقی
- اصلاحات اور تبدیلیاں
- آبپاشی کی ترقیات

12.3 اکتسابی نتائج

- سیاسی حالات اور عوام کی زندگی کو سمجھنا
- جدوجہد اور کامیابیاں
- جاگیرداری اور عوام پر ٹیکس کا بوجھ
- زمین سے گھرا ہوا علاقہ اور پانی کی سہولیات کی ترقی
- انتظامی پالیسیاں اور عوام کی فلاح و بہبود
- فن اور تعمیراتی انداز
- مذہب اور عقائد، رسم و رواج، اور اخراجات
- علم، وغیرہ

12.4 پلاّ وا خاندان

پلاّ وا ایک عظیم جنوبی بھارتی خاندان تھا، جس نے 3 ویں صدی عیسوی سے لے کر 9 ویں صدی عیسوی کے زوال تک حکومت کی۔ ان کا دارالحکومت تمل ناڈو میں کانچی پورم تھا۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ شاید ستواہن خاندان کے جاگیردار تھے۔ پالوا خاندان نے اپنی حکومت کرشنا ندی کی وادی سے شروع کی، جو آج پالناڈو کے نام سے جانی جاتی ہے، اور بعد میں جنوبی آندھرا پردیش اور شمالی تمل ناڈو تک پھیل گئی۔

مہندرورمن اول ایک نمایاں پالوا بادشاہ تھے، جنہوں نے مہابلی پورم کے چٹان تراش مندروں پر کام شروع کیا۔ ان کے بیٹے نرسمہ ورمن اول 630 عیسوی میں تخت پر آئے۔ انہوں نے 632 عیسوی میں چالوکیہ کے بادشاہ پلکیشین دوم کو شکست دی، اور چالوکیہ کے دارالحکومت واتاپی کو جلا دیا۔ پالوا اور پانڈیا خاندانوں نے 6 ویں سے 9 ویں صدی عیسوی کے درمیان جنوبی بھارت کے جنوبی علاقوں پر غلبہ حاصل کیا۔

12.5 کلاچوری خاندان

کلاچوری خاندان ابتدائی چالوکیہ اور راشٹرکٹ خاندانوں سے ازدواجی تعلقات کے ذریعے جڑا ہوا تھا۔ جنوب کے کلاچوری جین مت کے سرپرست تھے، اور انہوں نے اپنی سلطنت میں جین مت کی حوصلہ افزائی کی۔ کرناٹک کے کلاچوری خاندان کے پہلے نمایاں سردار اُچیتا تھے۔ اگرچہ ان کے بعد کئی بادشاہ آئے، جو کلیانی کے چالوکیہ کے جاگیردار کے طور پر حکومت کرتے تھے، جوگاما ایک بااثر جاگیردار بنے، اور عظیم چالوکیہ بادشاہ وکرمادتیہ ششم سے ازدواجی تعلقات کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔ کلاچوری حکمرانوں میں، بجلا دوم مشہور تھے۔

12.6 بجّالا دوم (1130-1167 عیسوی)

بجّالا دوم نے اپنے والد پرماڈی کی جگہ لی۔ بجّلا اپنی طاقت پر پُر اعتماد تھا اور اس نے محسوس کیا کہ وکرمادتیہ کے جانشینوں کے تحت چالوکیہ سلطنت کمزوری کے تمام آثار دکھا رہی ہے۔ یہی بات اسے آزادی حاصل کرنے کا جواز فراہم کرتی تھی۔ بالگاوے کے کتبے میں اس کے رویے کا ذکر ہے، جہاں کہا گیا ہے: "حاکمیت کا حق صرف ایک حقیقی جنگجو کو حاصل ہونا چاہیے۔" چکلا گی کے کتبے میں بجّلا کو "مہا بھوجبلچکرورتی" کہا گیا ہے۔

جب تک تیلا سوم چالوکیہ کے تخت پر بیٹھا، طاقتور کلاچوری سردار بجّالا نے خود کو ایک خودمختار حکمران کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے دعوے اس وقت درست ثابت ہوئے جب کاکتیہ کے حکمران پرولا دوم نے چالوکیہ کے دارالحکومت پر حملہ کیا اور اس کی کمزوری کو بے نقاب کیا۔ 1162 عیسوی تک، بجّلا نے حقیقت میں چالوکیہ کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا، اور تیلا سوم کو اس کے دارالحکومت سے نکال دیا تھا۔ اس نے فخر کے ساتھ چالوکیہ کے روایتی القابات جیسے "شری پرتھوی ولبھ" اور "پرمیشور" اختیار کیے۔ ہریہارا کے ریکارڈ میں کہا گیا ہے: "بادشاہ بجّلا، جو جاگیردار سرداروں کے خاندان میں پیدا ہوا، نے اپنی بہادری کے ذریعے پوری زمین کو زیر کر لیا۔"

بدقسمت تیلا کو چالوکیہ خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اس طرح، اپنے حکمران کے خون سے ہاتھ رنگے ہوئے، بجّالا نے میکبیتھ کی طرح چالوکیہ کا تاج چھین لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا دارالحکومت منگلویڈا (منگلواڈا) سے شاہی شہر کلیانی منتقل کر دیا۔

بجّالا کی آزاد حکومت مختصر تھی؛ یہ تقریباً 1162 عیسوی سے 1167 عیسوی تک جاری رہی۔ ان سالوں کے دوران، اس نے ہوئسالہ کے بادشاہ نرسمہا اول اور اُچنگی کے پانڈیا سردار کے خلاف کامیابی سے جنگ لڑی۔

12.6.1 نظم ونسق

نظم ونسق میں، بجّالا نے کچھ نئی اصلاحات متعارف کروائیں۔ مورخین کے مطابق، انتظامی ڈویژنوں کے سربراہوں کے سیکریٹریز کو زیادہ اہمیت دی گئی، اور حقیقت میں، انہیں اپنے اعلیٰ افسران پر نظر رکھنے کے لیے کہا گیا۔ یہ صوبائی سرکشی کو روکنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ بجّالا نے کسا پیا نائیکا پر بڑا اعتماد کیا، جو کلاچوری سلطنت میں اثر ورسوخ کے مقام پر پہنچے۔ عظیم ویراشیوا سنت باسویشور بجّلا کے چیف خزانچی اور پھر وزیر اعظم تھے۔

12.7 وجے پورا-ایک نئے شہر کی تشکیل (بعد میں بیجاپور)

بجّالا کے دور حکومت میں، سات دیہاتوں کو ملا کر ایک نیا شہر بنایا گیا: گج کنہالی، بج کنہالی، چندنکری، کیادگی، کھترکری، اور کورنکٹی۔ اسے 1162 عیسوی میں "بجنا ہلی" کہا گیا، جو بعد میں سنسکرت میں "وجے پورا" بن گیا۔ ایک کتبہ کہتا ہے کہ چالوکیہ

کے مہا مدلیشور، کلاچوری کے بجلا، جو بعد میں کلیانی کے چالوکیہ کو معزول کر چکے تھے، 10ویں-11ویں صدی میں بیجاپور (بجنا ہلی) شہر کے بانی تھے۔ یہ شہر 13ویں صدی میں دہلی کے خلجیوں کے زیر اثر آیا، اور 1347 عیسوی میں، گلبارگہ کی بہمنی سلطنت نے اسے فتح کر لیا۔ اس وقت تک، اس شہر کو بیجاپور کہا جانے لگا۔

بجّالا نے 1167 عیسوی میں اپنے دوسرے بیٹے سووی دیوا کے حق میں تخت چھوڑ دیا۔ لیکن اس سے کلاچوری سلطنت میں پیدا ہونے والے مسائل کو روکنے میں مدد نہیں ملی، اور بجّالا ان مسائل کا شکار بن گئے۔ چند دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ مسائل سیاسی نوعیت کے تھے، اور کساپیا نائیکا جیسے بدعنوان افسران نے سازش کی۔ لیکن ڈاکٹر پی. بی. دیسائی کا خیال ہے کہ بجلا کی ویراشیوا تحریک کے خلاف دشمنی نے شدید ردعمل کو جنم دیا، جو ایک کھلی بغاوت کی شکل اختیار کر گئی۔ اگرچہ باسویشور نے تشدد کی اجازت نہیں دی، ان کے پیروکاروں نے اسے جاری کیا، اور بجّالا 1168 عیسوی میں کلیانی کے آس پاس کے جنگل میں قتل ہو گئے۔

بجّالا کے جانشین، سووی دیوا/سومیشور کو کئی اطراف سے اپنے اقتدار کو چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے اپنی حکومت برقرار رکھی، اور 1176 عیسوی تک حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مالوگی نے تخت سنبھالا، لیکن انہیں فوراً ہی ان کے دوسرے بھائی سنکما نے معزول کر دیا، جنہوں نے 1180 عیسوی تک حکومت کی۔ ان کے جانشین اہوا ملا (1180-83 عیسوی) اور سنگھنا (1183-84 عیسوی) تھے۔ اس عرصے کے دوران، کلاچوری سلطنت کمزور ہو گئی، اور اپنی خودمختار آزادی چالوکیہ کو دے دی، جن کی طاقت بھی تھوڑی دیر کے لیے چمکی اور پھر ختم ہو گئی۔ کلاچوری کا قبضہ اور حکومت ڈرامائی، ہنگامہ خیز، اور مختصر مدت کی تھی۔

12.7.1 سکّے

جنوبی کلاچوری بادشاہوں نے سکّے جاری کیے، جن پر کنڑ زبان میں تحریریں تھیں۔ "گجسرادولا" قسم کے سکّے زیادہ تر سونے یا تانبے کے تھے۔ عام سکّوں میں بیٹھے ہوئے دیوی کے نقش کے ساتھ جاری کنندہ کا نام شامل ہوتا تھا، جو عام طور پر "شریمت" سے شروع ہوتا اور "دیوا" پر ختم ہوتا تھا۔

12.7.2 مذہب

کلاچوری حکمران بظاہر شیوا کے پیروکار تھے، اور وہ باسویشور، اپنے وزیر اعظم، کے انقلابی خیالات اور طریقوں کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ باسوا نے بادشاہ بجلا کے خزانے میں ملازمت حاصل کی، اور ان کی کوششوں اور محنت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ انہوں نے وزیر بلدیوا کی بیٹی سے شادی کی۔ یہی بات بجلا کی ویراشیوا تحریک کے خلاف مخالفت کی وضاحت کرتی ہے۔

ویراشیوا تحریک مذہب کو آسان بنانے اور سماجی نظم پیدا کرنے کی کوشش میں ابھری۔ ریوانا سدھا باسونا کے بڑے ہم عصر تھے۔ یہ باسونا تھے، جو بادشاہ بجلا کے وزیر اعظم تھے، جنہوں نے اس تحریک کو رفتار اور تحریک دی، اور اس عمل میں ایک نیا مذہب "لنگایت" قائم کیا۔

12.8 باسوا بحیثیت مصلح

باسویشور 1105 عیسوی میں موجودہ کرناٹک ریاست کے بیجاپور ضلع کے شہر باگے واڈی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک برہمن تھے اور مدیراجا اور مدمبا کے بیٹے تھے۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ انہوں نے ویراشیوا فرقے کی بنیاد رکھی۔ وہ بادشاہ بجالا کے دور حکومت میں کلیان (جدید بمبئی کے قریب ایک جگہ) گئے۔ بچپن سے ہی باسونا مذہبی رسومات کو ناپسند کرتے تھے اور خود کو ان سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے برہمن دھاگے کی رسم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ باسوا ّنا نے باگے واڈی چھوڑ دیا اور قریبی شہر کودالا سنگما گئے، جہاں انہوں نے ایشانیا گرو کے تحت روحانیت کا مطالعہ کیا۔ وہ اکثر اپنے اردگرد بھگوان شیوا کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد جمع کرتے تھے۔

انو بھاوامنٹپا، جو روحانیت پر مبنی ایک اکیڈمی اور مذہبی مباحثوں کا ایک عظیم مرکز تھا، کلیانی میں قائم کیا گیا۔ یہیں سے باسوا ّنا نے بھگوان شیوا کے عقیدت مندوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو اپنی تعلیمات دیں۔ اسی دوران، انہوں نے ایک نچلی ذات کے مرد اور ایک برہمن لڑکی کے درمیان شادی کروائی، جسے کلیانی کے قدامت پسند قبول نہیں کر سکے۔ انہوں نے بادشاہ بجلا دوم سے اس کی شکایت کی اور ملوث افراد کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے دلہا اور دلہن کے والدین، ہرالیا اور مدھوویا کو قتل کروا دیا۔ حکمران کے اس ظلم نے باسوا ّنا کے پیروکاروں کو حیران کر دیا، اور جلد ہی یہ وسیع پیمانے پر غصے اور عدم اطمینان کا اشارہ بن گیا۔ اپنے پیروکاروں میں بڑھتی ہوئی آگ کو بھڑکانے سے بچنے کے لیے، باسونا واپس کودالا سنگما چلے گئے۔

تاہم، دارالحکومت میں افراتفری چھا گئی۔ ایک نظریہ یہ کہتا ہے کہ بادشاہ بجلا کو باسونا کے کزن جگدیوا نے قتل کر دیا۔ اس سے ویراشیوا کمیونٹی کے خلاف وسیع پیمانے پر ناراضگی پیدا ہوئی، جو بظاہر عارضی طور پر متاثر ہوئی۔ باسونا سے متاثر تحریک کو وجے نگر سلطنت کے دنوں میں دوبارہ شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔

12.8.1 کلاچوری خاندان کا زوال

اگرچہ کلاچوری خاندان کے ابتدائی دور کا زوال 7ویں صدی میں بادامی کے چالوکیہ کے عروج کے ساتھ ہوا، لیکن کلاچوری خاندان کافی دیر تک موجود رہا۔ جنوبی کلاچوری سلطنت بجلا کے قتل کے بعد زوال پذیر ہوگئی۔ ان کے بعد آنے والے حکمران کمزور اور نااہل تھے، سوائے سومیدیو کے، جنہوں نے سلطنت پر کنٹرول برقرار رکھا۔ کلاچوری خاندان آندھرا کے رزمیہ داستان "پالناڈو کی جنگ" کے مرکزی کردار ہیں۔

12.9 چالوکیہ خاندان

چالوکیہ خاندان نے 6ویں سے 12ویں صدی کے دوران جنوبی اور وسطی بھارت کے بڑے حصوں پر حکومت کی۔ اس عرصے کے دوران، انہوں نے تین متعلقہ لیکن الگ الگ خاندانوں کے طور پر حکومت کی، جنہیں بادامی چالوکیہ یا مغربی چالوکیہ اور مشرقی چالوکیہ کہا جاتا ہے۔

چالوکیہ خاندان کے پہلے بادشاہوں میں سے ایک پلکیشین اول تھے۔ انہوں نے بادامی (موجودہ باگلکوٹ، کرناٹک) سے حکومت کی۔ ان کے بیٹے پلکیشین دوم 610 عیسوی میں چالوکیہ سلطنت کے بادشاہ بنے اور 642 عیسوی تک حکومت کی۔ پلکیشین دوم کو 637 عیسوی میں شہنشاہ ہرش وردھن کے خلاف جنگ جیتنے کے لیے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے پالوا بادشاہ مہندرورمن اول کو بھی شکست دی۔ چالوکیہ سلطنت 543-757 عیسوی تک موجود رہی، اور کاویری سے نرمدہ ندیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ چالوکیہ نے فن تعمیر کا چالوکیہ انداز تخلیق کیا۔ پٹڈکل، ایہولے، اور بادامی میں عظیم یادگاریں تعمیر کی گئیں۔ یہ مندر وسارا طرزِ تعمیر کے ارتقاء کو ظاہر کرتے ہیں۔

وینگی کے چالوکیہ، جنہیں مشرقی چالوکیہ بھی کہا جاتا ہے، بادامی کے چالوکیہ سے متعلق تھے اور جنوبی بھارت کے مشرقی ساحل پر موجودہ وجے واڑہ کے آس پاس حکومت کرتے تھے۔ مشرقی چالوکیہ خاندان کی بنیاد کبجا وشنو وردھن نے رکھی، جو پلکیشین دوم کے بھائی تھے۔ مشرقی چالوکیہ نے پانچ سو سال سے زیادہ عرصے تک حکومت کی، اور چولا خاندان کے ساتھ قریبی اتحاد میں رہے۔

12.10 چولا سلطنت کا عروج

چولا خاندان تمل بولنے والے جنوبی بھارت میں تین حکمران خاندانوں میں سے ایک تھا۔ نویں صدی کے وسط میں، اس خاندان نے جزیرہ نما کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا، اور اس علاقے پر غلبہ حاصل کیا۔ انہوں نے موجودہ بھارتی ریاست تمل ناڈو میں زرخیز کاویری ندی کے ڈیلٹا پر ایک سلطنت قائم کی، جو چار سو سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ گیارہویں صدی میں، انہوں نے جنوبی بھارت کے زیادہ تر حصے پر حکومت کی، اور سری لنکا اور مالدیپ تک پھیل گئے۔ سفارتی مشنز برما (میانمار)، ملائیشیا، اور چین تک پہنچے۔

چولا سلطنت کے بانی وجے آلیا تھے، جو ابتدا میں پالوا خاندان کے جاگیردار تھے۔ انہوں نے 850 عیسوی میں تنجور پر قبضہ کیا، اور نویں صدی کے آخر تک، چولا نے کانچی (تونڈائی منڈلم) کے پالوا کو شکست دی، اور پانڈیا کو کمزور کر دیا، جس سے جنوبی تمل علاقہ ان کے کنٹرول میں آ گیا۔ لیکن چولا کو راشٹرکٹ کے خلاف اپنی پوزیشن کا دفاع کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

چولا نے تین حصوں پر مشتمل ایک بڑی فوج برقرار رکھی: ہاتھی، گھڑسوار، اور پیادہ فوج۔ چولا کے پاس ایک مضبوط بحریہ بھی تھی، جس نے مالابار اور کورومنڈل ساحل پر غلبہ حاصل کیا، اور کچھ وقت کے لیے پورے خلیج بنگال پر بھی۔

12.10.1 راجاراجا اور راجندر اول کا دور

چولا کے عظیم ترین حکمران راجا راجا (985-1014) اور ان کے بیٹے راجندر اول (1014-1044) تھے۔ کورومنڈل ساحل اور مالابار جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے ساتھ بھارت کی تجارت کے مراکز تھے۔ راجا راجا کی بحری مہمات میں سے ایک مالدیپ کی فتح تھی۔ راجندر کو اپنے والد کی زندگی میں ہی ولی عہد مقرر کیا گیا تھا، اور تخت نشینی سے

پہلے انتظامیہ اور جنگ میں کافی تجربہ حاصل تھا۔انہوں نے راجاراجا کی توسیعی پالیسی کو آگے بڑھایا، پانڈیا اور چیرا ممالک کو مکمل طور پر فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔سری لنکا کی فتح بھی مکمل ہوئی، اور سری لنکا کے بادشاہ اور ملکہ کے تاج اور شاہی علامتیں جنگ میں قبضے میں لے لی گئیں۔سری لنکا مزید 50 سال تک چولا کے کنٹرول سے آزاد نہ ہوسکا۔

راجاراجا اور راجندراول

راجاراجا اور راجندراول نے اپنی فتوحات کو مختلف مقامات پر شیوا اور وشنو مندروں کی تعمیر کے ذریعے نشان زد کیا۔ان میں سب سے مشہور تنجور کا بریہد یشور مندر تھا، جو 1010 عیسوی میں مکمل ہوا۔چولا حکمرانوں نے ان مندروں کی دیواروں پر کتبے لکھوانے کا رواج اپنایا، جو ان کی فتوحات کی تاریخی داستان بیان کرتے تھے۔

راجندراول کے دور حکومت میں سب سے قابل ذکر کارنامہ کلنگا سے بنگال تک مارچ تھا، جس میں چولا فوجوں نے گنگا ندی عبور کی اور دو مقامی بادشاہوں کو شکست دی۔اس موقع کی یادگار کے طور پر، راجندراول نے " گنگا ئیکونڈا چولا" (گنگا کو فتح کرنے والا چولا) کا لقب اختیار کیا۔انہوں نے کاویری ندی کے دہانے کے قریب ایک نیا دارالحکومت بنایا اور اسے " گنگا ئیکونڈا چولا پورم" (گنگا کو فتح کرنے والے چولا کا شہر) کہا۔

راجندر اول کے دور میں ایک اور قابل ذکر کارنامہ سری وجیا سلطنت کے خلاف بحری مہمات تھیں۔سری وجیا سلطنت، جو 10 ویں صدی میں دوبارہ زندہ ہوئی تھی، ملائی جزیرہ نما، سماٹرا، جاوا، اور آس پاس کے جزیروں پر پھیلی ہوئی تھی، اور چین کے لیے سمندر پار تجارتی راستے کو کنٹرول کرتی تھی۔

سری وجیا سلطنت کے سیلند را خاندان کے حکمران بدھ مت کے پیروکار تھے، اور چولا کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔سیلند را حکمران نے ناگا پٹنم میں ایک بدھ مت خانقاہ تعمیر کی، اور ان کی درخواست پر، راجندراول نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک گاؤں عطا کیا۔

دونوں کے درمیان اختلاف کی وجہ چولا کی خواہش تھی کہ بھارتی تاجروں کے لیے رکاوٹیں دور کی جائیں، اور چین کے ساتھ تجارت کو وسعت دی جائے۔تجارت اور کاروبار سڑکوں یا" پروواز ھیس "اور تجارتی انجمنوں کی بہتری کے ساتھ ترقی پذیر ہوا۔کچھ بڑی تجارتی انجمنیں جاوا اور سماٹرا کے ساتھ تجارت کرتی تھیں۔

ان مہمات کے نتیجے میں کدارم یا کیدہ اور ملائی جزیرہ نما اور سماٹرا کے کئی دیگر مقامات کی فتح ہوئی۔چولا بحریہ علاقے میں سب سے مضبوط تھی، اور کچھ وقت کے لیے خلیج بنگال کو" چولا جھیل" میں تبدیل کر دیا گیا۔

چولا سلطنت بارہویں صدی کے دوران ترقی کرتی رہی، لیکن تیرہویں صدی کے اوائل میں زوال پذیر ہوگئی۔مہاراشٹر کے علاقے میں بعد کے چالوکیہ سلطنت بھی بارہویں صدی کے دوران ختم ہوگئی۔

چولا کی جگہ جنوبی میں پانڈیا اور ہوئسالہ نے لے لی، اور بعد کے چالوکیہ کو یادو اور کاکتیہ نے بدل دیا۔ان تمام ریاستوں نے فنون اور تعمیرات کی سرپرستی کی۔بدقسمتی سے، انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف بار بار لڑائی کر کے خود کو کمزور کر دیا، شہروں کو لوٹ لیا، اور یہاں تک کہ مندروں کو بھی نہیں بخشا۔آخر کار، انہیں چودھویں صدی کے آغاز میں دہلی کے سلطانوں نے تباہ کر دیا۔

12.11 چولا انتظامیہ — مقامی خود اختیاری حکومت

چولا نے اپنی سلطنت میں ایک مضبوط انتظامی نظام قائم کرنے کی کوشش کی۔ چولا سلطنت کو صوبائی، ضلعی، اور مقامی انتظامیہ میں تقسیم کیا گیا۔ چولا سلطنت نے اپنی صوبائی انتظامیہ کو "منڈلم" میں تقسیم کیا، اور ہر منڈلم کو "ولا نادو" اور "نادو" میں تقسیم کیا۔ ہر نادو میں کئی خود مختار دیہات تھے۔

شاہی شہزادے یا افسران منڈلم کے انچارج تھے۔ ولا نادو "پیر یا ناتر" کے تحت تھا، اور نادو "ناتر" کے تحت تھا۔ شہر کو " نگرم" کہا جاتا تھا، اور یہ " نگراتر" نامی کونسل کے انتظام کے تحت تھا۔

مقامی خود مختاری چولا انتظامیہ کی قابل ذکر خصوصیات میں سے ایک تھی۔ دیہاتی اسمبلی بنیادی طور پر دو قسم کے دیہات پر مشتمل تھی:

☆ پہلی قسم کو "Ur" کہا جاتا تھا۔ یہ قسم مختلف ذاتوں کے لوگوں پر مشتمل تھی۔

☆ دوسری قسم کے دیہات کو "اگرہارا" (Agraha) کہا جاتا تھا۔ اس قسم میں صرف برہمن ذات کے لوگ آباد تھے۔ اگرہارا کی زیادہ تر زمین ٹیکس سے مستثنیٰ تھی۔

12.11.1 محصولات

محصولات کا محکمہ اچھی طرح سے قائم تھا۔ تمام زمینوں کا تفصیلی سروے کیا گیا اور محصولات کے تخمینے کے لیے درجہ بندی کی گئی۔ رہائشی زمین اور مندر کی زمینیں ٹیکس سے مستثنیٰ تھیں۔ ٹیکس کی شرحیں زمین کی زرخیزی اور حیثیت کے مطابق مقرر کی گئیں۔

زمین کے محصولات کے علاوہ، سامان کی نقل و حرکت پر ٹولز اور کسٹمز، مختلف قسم کے پیشہ ورانہ ٹیکس، عدالتی جرمانے، اور شادیوں جیسے تقریبات پر واجبات عائد کیے گئے۔

12.11.2 صنعت

چولا بادشاہوں نے بنائی کی صنعت کی ترقی میں بڑی دلچسپی لی، کیونکہ بنائی نے چولا سلطنت کے لیے بڑی مقدار میں محصولات حاصل کیے۔ چولا دور میں ریشم کی بنائی نے اعلیٰ معیار حاصل کیا۔ کانچی پورم ایک بڑا ریشم شہر بن گیا، اور اپنی اعلیٰ معیار کی ریشم کی بنائی کے لیے مشہور ہوا۔

اعلیٰ معیار نے زیورات اور دھات کی صنعتوں کو نمایاں بنایا۔ سمندری نمک کی تیاری حکومت کی نگرانی اور کنٹرول میں کی گئی۔

12.11.3 ورن نظام

ورن نظام بڑے پیمانے پر رائج تھا، اور کشتریہ کو معاشرے میں خصوصی مراعات حاصل تھیں۔ چولا دور کے کتبے ذاتوں کو "ولنگائی" اور "ادنگائی" ذاتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ تاہم، خواتین کی حالت بہتر نہیں ہوئی۔ ستی، ایک رسم جس میں بیوہ اپنے شوہر کی موت پر خود کو قربان کرتی ہے، شاہی خاندانوں میں رائج تھی۔ دیوداسی نظام یا مندروں سے منسلک رقص کرنے والی لڑکیوں کا رواج اس دور میں شروع ہوا۔

12.11.4 فن اور تعمیرات

چولا نے دراوڑی طرزِ فن اور تعمیرات کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے عظیم مندروں کی تعمیر کی، اور اپنی شاندار مندر کی تعمیرات اور نفیس کاریگری کے لیے سراہا گیا۔

مشہور مورخ جیمز فرگوسن نے ایک بار تبصرہ کیا: ''چولا فنکاروں نے دیوقامت کے طور پر تصور کیا اور جواہرات کی طرح مکمل کیا''

نٹراجا یا رقص کرتے ہوئے شیوا کا کانسی کا مجسمہ ایک مکمل شاہکار تھا۔ چولا حکمرانوں نے مندروں کو نہ صرف عبادت کی جگہ کے طور پر بلکہ اقتصادی اور تعلیمی سرگرمیوں کے مرکز کے طور پر بھی تصور کیا۔ چولا فن کا اسکول جنوب مشرقی ایشیا تک پھیل گیا، اور ان کے فن اور تعمیرات کو متاثر کیا۔

12.11.5 ہوئسالہ

ہوئسالہ سلطنت ایک کنڑ طاقت تھی، جو بھارتی برصغیر سے نکلی اور 10 ویں سے 14 ویں صدی کے درمیان موجودہ کرناٹک کے زیادہ تر حصے پر حکومت کی۔ ہوئسالہ کا دارالحکومت ابتدا میں بیلور میں واقع تھا، لیکن بعد میں ہالیبید منتقل کر دیا گیا۔ ہوئسالہ حکمران اصل میں مالینادو سے تھے، جو مغربی گھاٹ میں ایک بلند علاقہ ہے۔ 12 ویں صدی میں، مغربی چالوکیہ سلطنت اور کلیانی کے کلاچوری کے درمیان داخلی جنگوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہوئسالہ نے موجودہ کرناٹک کے علاقے اور موجودہ تمل ناڈو میں کاویری ڈیلٹا کے شمالی زرخیز علاقوں کو فتح کیا۔

13 ویں صدی تک، انہوں نے زیادہ تر کرناٹک، شمال مغربی تمل ناڈو، اور مغربی آندھرا پردیش کے حصوں پر حکومت کی۔ ہوئسالہ حکومت کا سب سے اہم دور 12 ویں اور 13 ویں صدی کے دوران ہوا، جس میں وشنوورد ھن، بللا دوم، اور ویرا بللا سوم جیسے نمایاں حکمران شامل تھے۔ سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا، جنہیں "نادو"، "وشیا"، "کمپنا"، اور "دیشا" کہا جاتا تھا، جو جغرافیائی سائز کے لحاظ سے نزولی ترتیب میں درج تھے۔

ہوئسالہ معاشرے میں ذات پات کا نظام بھی موجود تھا، جیسا کہ بھارت کے زیادہ تر حصوں میں رائج تھا۔ مغربی ساحل پر تجارت نے بھارت میں کئی غیر ملکیوں کو لایا۔ ہوئسالہ نے وسارا اور دراوڑی طرز کو ملا کر فن اور تعمیرات میں نیا "ہوئسالہ طرز" تیار کیا۔ انہوں نے مذہبی مندر تعمیر کیے۔ مندروں کی تعمیر نے تجارتی اور مذہبی کام انجام دیے، اور تمام ہندو فرقوں کے لیے کھلے تھے۔ مندروں میں رقص کرنے والی لڑکیاں (دیوداسی)، جو فنون میں تعلیم یافتہ اور ماہر تھیں، عام طور پر مندروں میں رقص کرتی تھیں۔ 14 ویں صدی کے اوائل تک، ہوئسالہ سلطنت کمزور ہو گئی، اور آخر کار 14 ویں صدی کے اوائل میں وجے نگر سلطنت میں ضم ہو گئی۔

12.13 کاکتیہ خاندان

کاکتیہ خاندان 11 ویں صدی میں چالوکیہ کے زوال کے ساتھ نمایاں ہوا۔ ابتدائی کاکتیہ حکمرانوں نے دو صدیوں سے زیادہ عرصے تک راشٹرکٹ اور مغربی چالوکیہ کے جاگیرداروں کے طور پر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے 1163 عیسوی میں پرتاپرودراول کے تحت تلنگانہ کے علاقے میں دیگر چالوکیہ ماتحتوں کو دبانے کے بعد خودمختاری حاصل کی۔

12 ویں صدی کے آخر تک، ان کی سلطنت خلیج بنگال تک پہنچ گئی، اور یہ گوداوری اور کرشنا ندیوں کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ سلطنت اپنے عروج پر گناپتی دیوا کے تحت پہنچی، جو اس کے سب سے عظیم حکمران تھے۔ اپنے سب سے بڑے دور میں، سلطنت میں موجودہ آندھرا پردیش، اوراوڈیشا، مہاراشٹر، چھتیس گڑھ، اور کرناٹک کے کچھ حصے شامل تھے۔ گناپتی دیوا کے بعد ان کی بیٹی رودرامبا نے تخت سنبھالا۔

کاکتیہ خاندان تین صدیوں تک قائم رہا۔ ورنگل ان کا دارالحکومت تھا۔ 14 ویں صدی کے اوائل میں، کاکتیہ خاندان نے دہلی سلطنت کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، اور علاؤالدین خلجی کے تحت دہلی کو چند سالوں تک خراج ادا کیا، لیکن آخر کار 1323 عیسوی میں محمد بن تغلق کی افواج کے ذریعے فتح کر لیا گیا۔

کاکتیہ خاندان نے فن، تعمیرات، ادب، اور سماجی ترقی کی ایک بھرپور میراث چھوڑی۔ قلعوں کی تعمیر، جیسے ورنگل قلعے کے شاندار کھنڈرات اور مشہور کاکتیہ تورنم، مندروں اور آبپاشی کے نظام، ان کی انجینئرنگ مہارت کا ثبوت ہیں۔ ان کے دور حکومت میں کئی قابل ذکر ادبی کاموں کی سرپرستی کی گئی۔

کاکتیہ خاندان نے بلند علاقوں میں آبپاشی کے لیے "ٹینک" کہلانے والے ذخائر کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا، جن میں سے کئی آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ کاکتیہ کے چھوڑے گئے یادگاروں میں قلعے، جھیلیں، مندر، اور پتھر کے دروازے شامل ہیں، جو موجودہ دور میں شہر کو ایک مشہور سیاحتی مقام بنانے میں مددگار ثابت ہوئے۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. پلّاوا خاندان
2. پانڈیا خاندان
3. چیرا خاندان
4. باسوا
5. مقامی خود اختیاری حکومت

تحریری سوالات

6. چالوکیہ خاندان اور ان کی حکومت پر لکھیں۔
7. کلاچوری خاندان اور ان کی سرگرمیوں پر لکھیں۔
8. ہوئسالہ کی حکومت اور ان کی سرگرمیاں کیسی تھیں؟ وضاحت کریں۔
9. چولا حکومت کی اہمیت کیا ہے؟ بحث کریں۔
10. کاکتیہ خاندان نے تلنگانہ میں کس طرح تعاون کیا؟ تجزیہ کریں۔

باب 13

عربوں کی سندھ پر فتح۔ ترکوں کا حملہ اور ہندوستان میں دہلی سلطنت کا قیام

13.1 تعارف

ہندوستان کی تاریخ کے قرون وسطیٰ کے دور میں اہم تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں، خاص طور پر عربوں اور ترکوں کے حملوں کے ساتھ۔ یہ حملے برصغیر کی سماجی و سیاسی منظرنامے کو تشکیل دینے میں اہم موڑ ثابت ہوئے۔ مقامی ثقافتوں اور عرب و ترک افواج کے درمیان تصادم نے خیالات، روایات، اور حکمرانی کے ڈھانچوں کے امتزاج کو جنم دیا۔

13.2 مقاصد

- ترک اور عرب حملے اور ان کے اثرات
- غیر ملکی حکومت کا قیام
- ان کی پالیسیاں اور طریقے
- غلامی اور برے رسم و رواج
- غلبہ اور اقتدار کی جنگ
- ترقیات-فن اور تعمیرات

13.3 نتائج

- غیر ملکی حکومت اور عوام کی زندگی
- انتظامیہ اور پالیسیاں
- ثقافتی ترقیات
- معاشرہ اور برے رسم و رواج

13.4 عربوں کی فتح

اسلام کے عروج، مغربی ایشیا اور ایران کی فتح، اور خراسان اور وسطی ایشیا میں اس کی سست توسیع، خاص طور پر زرخیز علاقے ماوراالنہر (آمو دریا اور سیر دریا کے درمیان کا علاقہ) نے، اس علاقے میں ہندوستان کے ثقافتی اور سیاسی اثر و رسوخ کو بتدریج کم کر دیا، جو زیادہ تر بدھ مت کا مرکز تھا۔ اس نے چین اور مغربی ایشیا کے ساتھ ہندوستان کی زمینی تجارت کو بھی منفی طور پر متاثر کیا۔ مغربی ہندوستان کی بندرگاہوں سے تجارت بھی کچھ وقت کے لیے متاثر ہوئی۔ تاہم، اس رجحان کا جلد ہی عرب

سمندری تاجروں کے عروج نے مقابلہ کیا، جنہوں نے ہندوستان کی سمندری تجارت کو مغربی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا، اور چین کے ساتھ دوبارہ زندہ اور مضبوط کیا۔ ترک حملوں یا حملوں کا آغاز 9ویں صدی عیسوی میں ترک سبکتگین کے حملے سے ہوا۔ راجپوتوں کی محافظ کے طور پر ناکامی نے شمالی ہندوستان میں ترک حکومت کے قیام کی راہ ہموار کی۔

13.5 سبکتگین کے تحت غزنی کا عروج

ترک سبکتگین نے بڑا حملہ کیا۔ انہوں نے بٹھنڈہ کے راجہ جے پال سے تصادم کیا اور 991 عیسوی میں انہیں شکست دی۔ سبکتگین کے بعد ان کے بڑے بیٹے محمود غزنوی نے 997 عیسوی میں اقتدار سنبھالا۔ محمود غزنوی کی نظر ہندوستان کی بے پناہ دولت پر تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ، وہ اپنے مذہبی جوش و جذبے کے تحت برصغیر میں اسلام پھیلانے کی کوشش میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ یہ مانا جاتا ہے کہ انہوں نے 1001-1027 عیسوی کے درمیان سترہ بار ہندوستان پر حملہ کیا، اور 1009 عیسوی سے 1026 عیسوی کے درمیان کانگڑا، تھانیسر، کنوج، متھرا، گوالیار، کشمیر، اور پنجاب پر حملہ کیا۔ ان کا آخری حملہ 1027 عیسوی میں ہوا۔ ہندوستان پر اگلا بڑا مسلم اثر محمد غوری کے ذریعے آیا۔

13.6 محمد غوری کی ہندوستانی مہمات

غزنی کی سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد، محمد غوری نے ہندوستان کی فتح کی طرف توجہ دی۔ غوری نے تیس سال کے طویل عرصے میں کئی مہمات کی قیادت کی۔ وہ ایک پرجوش اور قابل فوجی جنرل تھے۔ محمد غوری نے ہندوستان میں مہمات کا آغاز کیا، پہلے 1175-76 عیسوی میں ایک مسلم سردار سے ملتان پر قبضہ کیا، اور تین سال بعد گجرات پر حملہ کیا، لیکن ہندو بادشاہ کے ہاتھوں شکست کھائی۔

13.6.1 محمد غوری کے حملے

- 1175 عیسوی میں، محمد غوری کے ابتدائی حملے ملتان اور اُچ کے قلعے پر مرکوز تھے، جہاں انہوں نے پرانے غزنوی گورنروں کے زیر انتظام علاقوں پر قبضہ کیا۔
- 1178 عیسوی میں، انہوں نے گجرات کے انہلواڑہ پر حملہ کیا، لیکن سولنکی خاندان کے بادشاہ بھیم دوم کے ہاتھوں کیادارا کی جنگ میں شکست کھائی۔
- 1190 عیسوی تک، محمد غوری نے پشاور، لاہور، اور سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا، اور دہلی اور گنگا کے دوآب کی طرف مزید پیش قدمی کے لیے تیار تھے۔

13.7 پہلی جنگِ ترائن، 1191 عیسوی

پہلی جنگِ ترائن دو پرجوش حکمرانوں، معز الدین محمد اور پرتھوی راج کے درمیان ناگزیر تھی۔ تنازعہ تبرہندہ کے دعووں کے ساتھ شروع ہوا۔

- پرتھوی راج بٹھنڈہ کی طرف روانہ ہوئے اور تاریخی شہر تھانیسر کے قریب ترائن میں اپنے حریف کا سامنا کیا۔
- جنگ غوری فوج کے راجپوت مرکز پر تیراندازی کے ساتھ شروع ہوئی۔ پرتھوی راج کی افواج نے تین اطراف سے جوابی حملہ کیا، جنگ پر غلبہ حاصل کیا، اور غوری فوج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔
- پہلی جنگِ ترائن میں، پرتھوی راج نے غوریوں کی ہندوستان میں پیش قدمی کو کامیابی سے روک دیا۔

13.8 دوسری جنگِ ترائن، 1192 عیسوی

1192 عیسوی میں دوسری جنگِ ترائن کو ہندوستان کی تاریخ کے اہم موڑ میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ معزالدین محمد نے مقابلے کے لیے محتاط تیاری کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 1,20,000 فوجیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، جس میں بھاری گھڑسوار فوج، فولادی کوٹ اور زرہ بکتر سے لیس، اور 10,000 تیرانداز شامل تھے۔

جیسے ہی پرتھوی راج کو غوری خطرے کی نوعیت کا احساس ہوا، انہوں نے شمالی ہندوستان کے تمام راجاؤں سے مدد کی اپیل کی۔ کہا جاتا ہے کہ کئی راجاؤں نے ان کی مدد کے لیے دستے بھیجے، لیکن کنوج کے حکمران جے چندر نے دوری اختیار کی۔

ترکوں نے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا، جو بہار کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح، ترائن اور چنداور کی جنگوں نے شمالی ہندوستان میں ترک حکومت کی بنیاد رکھی۔

1197 عیسوی میں، محمد بختیار خلجی، جو محمد غوری کے ایک جنرل تھے، نے بہار پر قبضہ کر لیا، اور 1202 عیسوی میں، انہوں نے بنگال پر قبضہ کیا۔ اس فتح کے دوران، انہوں نے وکرم شلا اور نالندہ کی مشہور یونیورسٹیوں کو تباہ کر دیا، اور بعد میں بہار اور بنگال کے وائسرائے بن گئے۔

13.9 ہندوستانی حکمرانوں کی ترکوں کے خلاف شکست کی بڑی وجوہات

ہندوستانی حکمرانوں کی ترک حملوں کے خلاف شکست کو مختلف اہم عوامل سے منسوب کیا جا سکتا ہے:

- سیاسی وجوہات: حکمرانوں کے درمیان اختلاف، مضبوط مرکزی اختیار کی عدم موجودگی، سرحدی علاقوں کی نظر اندازی، اور جاگیرداری نظام کی وجہ سے شاہی طاقت کی کمزوری۔ جاگیرداری کے عروج، یعنی مقامی زمین دار عناصر اور سرداروں کے عروج نے، ہندوستانی ریاستوں کے انتظامی ڈھانچے اور فوجی تنظیم کو کمزور کر دیا۔
- سماجی وجوہات: ہندومت کی سماجی تقسیم پر زور، ورن نظام کے برعکس اسلام کی عالمگیر بھائی چارے کی تعلیمات نے شکست کے سماجی متحرکات میں اہم کردار ادا کیا۔

- مذہبی وجوہات: حملہ آوروں کی جہاد کے لیے وابستگی، یعنی اسلام کے تحفظ اور پھیلاؤ کی مہم، ہندومت کی متنوع فرقوں کے ساتھ منتشر نوعیت کے برعکس تھی، جس نے ہندوستانی افواج کی شکست میں کردار ادا کیا۔
- فوجی وجوہات: ہندوستانی افواج میں منظّم فوجی ڈھانچے کی عدم موجودگی اور دفاعی سوچ، ترکوں کے خلاف شکست کے قابل ذکر فوجی عوامل تھے۔
- حکمرانوں کی مصروفیت اور دفاعی موقف: ہندوستانی حکمرانوں کی ترکوں کے ہاتھوں شکست کی وجہ ان کا دفاعی موقف اور داخلی تنازعات میں الجھنا تھا۔
- راجپوتوں کی توجہ: راجپوتوں کی نظر ہندوستان پر مرکوز رہی، اور انہوں نے بیرونی ترقیات، خاص طور پر وسطی ایشیا پر کم توجہ دی، جو اکثر ہندوستان کی تاریخ کو تشکیل دینے میں کلیدی کردار ادا کرتا تھا۔

13.10 ترکوں کی کامیابی کی وجوہات

ترکوں کی سماجی اور تنظیمی ساخت نے انہیں کئی فوائد دیے۔ اقطاع نظام، جو مغربی ایشیا میں آہستہ آہستہ ترقی پذیر ہوا، اس کا مطلب تھا کہ ایک ترک سردار کو اقطاع کے طور پر زمین کا ایک ٹکڑا دیا جاتا تھا، جس سے وہ ریاست کے واجب الادا زمین کے محصولات اور ٹیکس جمع کر سکتا تھا۔ سلطان براہ راست زمین کے ٹکڑوں سے محصولات حاصل کرتا تھا، جنہیں "خالصہ" کہا جاتا تھا۔ اس نے سلطان کو ایک بڑی مستقل فوج برقرار رکھنے کے قابل بنایا۔ ترک افسران میں سے کئی غلام تھے، جو جنگ کے لیے تربیت یافتہ تھے، اور سلطان کی خدمت میں ترقی کرتے تھے، جن پر سلطان مکمل اعتماد کر سکتا تھا۔

13.10.1 دہلی سلطنت کا قیام

1206 عیسوی میں، محمد غوری کو قتل کر دیا گیا، اور فوراً ہی قطب الدین ایبک نے خود کو دہلی کا سلطان قرار دیا، جس سے دہلی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ دہلی سلطنت نے 1206 سے 1526 عیسوی تک دہلی میں کسی بھی دوسری سلطنت کے مقابلے میں زیادہ طویل عرصے تک حکومت کی۔ ریاست کی حدود مسلسل تبدیل ہوتی رہیں، اور مختلف اوقات میں افغانستان اور دکن بھارت کو شامل کیا، لیکن مرکزی طاقت مغلوں کی آمد تک ان کے ساتھ رہی۔ دہلی سلطنت کے دور نے قطب مینار اور مہرولی علاقے پر غلبہ حاصل کیا، اور دہلی میں چار شہر تعمیر کیے، جنہیں سیری، تغلق آباد، جہان پناہ، اور فیروز آباد کہا جاتا تھا، اور انہیں دہلی سلطنت، ہندوستان کہا جاتا تھا۔

ہندوستان کو پہلے سندھ ندی کے پار زمین کے طور پر کہا جاتا تھا۔ قرون وسطیٰ کے دور میں، بابر نے اپنی یادداشتوں میں ہندوستان کو ہندوکش پہاڑی سلسلے کے پار زمین کہا۔ موجودہ دور میں، اسلامی ممالک ہندوستان کو جمہوریہ بھارت کہتے ہیں۔

13.11 دہلی سلطنت کی تاریخ

دہلی سلطنت 1206 میں قائم ہوئی اور 1526 تک چلتی رہی۔ یہ ایک اسلامی سلطنت پر مبنی حکومت تھی، جس نے 320 سال تک برصغیر کے بڑے حصے پر حکومت کی۔ سلطنت پانچ خاندانوں کے ذریعے چلائی گئی، جن میں شامل ہیں:

غلام خاندان (1206-1290)
خلجی خاندان (1290-1320)
تغلق خاندان (1320-1414)
سید خاندان (1414-1451)
لودھی خاندان (1451-1526)

دہلی سلطنت کے دارالحکومت مختلف اوقات میں لاہور، بدایوں، دہلی، دولت آباد، اور آگرہ تھے۔ دہلی سلطنت کے پہلے سلطان قطب الدین ایبک تھے، اور آخری سلطان ابراہیم لودھی تھے۔ سب سے مشہور خاتون سلطان رضیہ سلطانہ تھیں۔

13.11.1 غلام یا مملوک خاندان (1206-1290)

غلام یا مملوک خاندان کو غلام خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ مملوک کا مطلب ہے 'ملکیت'، اور یہ ایک طاقتور فوجی طبقے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس کا آغاز 9ویں صدی عیسوی میں عباسی خلفاء کی اسلامی سلطنت میں ہوا۔

غلام خاندان کے حکمران:

- قطب الدین ایبک (1206-1210 عیسوی)
- التمش (1211-1236 عیسوی)
- رضیہ سلطان (1236-1240 عیسوی)
- بلبن (1266-1286 عیسوی)

غلام خاندان کا تعاون

قطب الدین ایبک

غلام خاندان کے سلاطین نے اپنے دور حکومت میں فن اور تعمیرات میں اہم خدمات انجام دیں۔ قطب الدین ایبک، بانی، نے دہلی میں قوت الاسلام مسجد کی تعمیر شروع کی، اور اجمیر میں اڑھائی دن کا جھونپڑا بھی تعمیر کیا۔ انہوں نے قطب مینار کی تعمیر کے ابتدائی مراحل کی نگرانی کی، جو ایک شاندار یادگار رہے اور آج بھی ایک معماری عجوبہ ہے۔

التمش

التمش کے دور حکومت میں، قطب مینار مکمل ہوا، جو معماری کامیابی کی ایک چوٹی تھی۔ انہوں نے ٹنکا، ایک نیا سکّہ نظام متعارف کرایا، جس نے سلطنت بھر میں تجارت اور کاروبار کو آسان بنایا۔ التمش نے غلام خاندان کی ترقی کی حمایت کی، اور بعد کے حکمرانوں کے لیے ایک مضبوط بنیاد رکھی۔

چالیسہ ایک نمایاں فوجی تنظیم تھی جو غلام خاندان کے دور میں موجود تھی۔ یہ "چالگان" کہلانے والے اشرافیہ جنگجوؤں پر مشتمل تھی، جو التتمش کی حکمرانی اور فوجی مہمات میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ تاہم، وقت کے ساتھ، ان کا اثر ورسوخ کم ہو گیا، کیونکہ انہوں نے غیر ضروری سیاسی طاقت حاصل کرنا شروع کر دی، اور خود کو سلطان کے نائب کے طور پر پیش کیا، جس سے خاندان میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا۔

13.12 رضیہ سلطانہ کا دورِ حکومت

رضیہ سلطانہ ایک بہادر ملکہ تھیں، جو 1205 عیسوی میں پیدا ہوئیں۔ وہ بہت خاص تھیں کیونکہ وہ دہلی سلطنت کی پہلی خاتون حکمران بنیں۔ وہ بہت ذہین، مہربان، اور خود مختار تھیں۔ اپنے دورِ حکومت میں، انہوں نے فنون، تعلیم، اور ملک کے انتظام میں بہتری لا کر اپنے لوگوں کے لیے حالات بہتر کیے۔ اگرچہ رضیہ سلطانہ کو بہت سے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے اپنی ہمت اور عزم سے لوگوں کو متاثر کیا۔

رضیہ ایک ترک غلام، دہلی کے سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تھیں۔ انہیں رضی الدین، رضیہ بیگم یا سلطانہ رضیہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں دہلی کے تخت پر بیٹھنے والی پہلی اور آخری خاتون تھیں۔

- ☆ رضیہ سلطانہ نے ایک کامیاب حکمران کے طور پر اپنی سلطنت میں قانونی اور مکمل امن قائم کیا، اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ہر کوئی ان کے قوانین اور ضوابط پر عمل کرے۔
- ☆ انہوں نے تجارت کو بہتر بنانے، سڑکیں تعمیر کرنے، اور کنویں کھودنے جیسے اقدامات کے ذریعے قوم کی بنیاد کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔
- ☆ وہ ریاست کی انتظامی سرگرمیوں میں بہت دلچسپی رکھتی تھیں۔ انہوں نے ذاتی طور پر کئی اقطاع داروں، کمانڈروں، اور دیگر افسران کو مقرر کیا۔ انہوں نے ریاست کے معاملات کو ایک کھلے دربار میں چلایا۔
- ☆ انہوں نے قرآن اور محمدؐ کی روایات پر تحقیق کے لیے اسکول، ادارے، تحقیقاتی مراکز، اور کھلی لائبریریاں قائم کیں۔
- ☆ انہوں نے روایتی مسلم خواتین کے لباس، جیسے پردہ، کو ترک کر دیا، اور مرد رہنماؤں کے لباس کے مشابہ غیر جانبدار لباس اپنایا۔

غیاث الدین بلبن

غیاث الدین بلبن، جو اپنی انتظامی قابلیت کے لیے مشہور تھے، نے حکمرانی کے ڈھانچے کو مزید بہتر بنایا۔ اپنے شاہانہ کردار اور مذہبی عقیدت کے لیے مشہور، انہوں نے اپنے درباریوں کی موجودگی میں روایتی لباس پہنا، جو ان کے اختیار اور مذہبی وابستگی کی علامت تھا۔ بلبن کے دور میں شاعری اور فنون نے ترقی کی، جو ان کی حکمرانی کے تحت ثقافتی دولت اور تخلیقی صلاحیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

13.13 خلجی خاندان (1290-1320)

خلجی خاندان دہلی سلطنت کا اگلا حکمران خاندان تھا، جسے جلال الدین فیروز خلجی نے غلام خاندان کو ختم کر کے قائم کیا۔ خلجی خاندان نے تقریباً 30 سال (1290-1320) تک حکومت کی۔ خلجی خاندان نے کئی کامیاب فوجی مہمات کی قیادت کی اور طویل مدتی اصلاحات کیں۔ علاء الدین خلجی خلجی خاندان کے سب سے طاقتور حکمران تھے۔ خلجی پہلے دہلی سلطنت کے غلام خاندان کے ماتحت کے طور پر خدمات انجام دیتے تھے۔

13.13.1 جلال الدین خلجی (1290-1296)

جلال الدین خلجی کو البری سلطان کیقباد نے عارضِ ممالک مقرر کیا۔ انہوں نے "خلجی انقلاب" کے دوران کیقباد (آخری مملوک حکمران) کو قتل کر دیا، اور خلجی خاندان کی بنیاد رکھی۔ دیوا گیری پر حملہ ان کے دور حکومت کے سب سے اہم واقعات میں سے ایک تھا۔ وہ ایک امن پسند شخص تھے، لیکن ان کی اس پالیسی کو ترک اشرافیہ نے ناپسند کیا۔ انہیں 1296 میں ان کے داماد علاء الدین خلجی نے قتل کر دیا۔

13.13.2 علاء الدین خلجی (1296-1316)

علاء الدین خلجی خلجی خاندان کے سب سے طاقتور حکمران تھے۔ ان کا اصل نام علی گرشاسپ تھا، اور انہوں نے سکندرِ ثانی کا لقب اختیار کیا۔ ان کے دور حکومت نے دہلی میں ہندوستانی مسلمانوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے دیکھا۔ جلال الدین نے انہیں 1292 میں کرا کے گورنر کے طور پر مقرر کیا۔ علاء الدین نے خود کو خلیفہ کا نائب کہا اور بادشاہت کے الٰہی نظریے پر عمل کیا۔ علاء الدین پہلے مسلم حکمران تھے جنہوں نے اپنی سلطنت کو برصغیر کے انتہائی جنوب تک بڑھایا۔

علاء الدین خلجی دہلی کے پہلے سلطان تھے جنہوں نے زمین کی پیمائش اور زمین کی پیمائش پر مبنی ٹیکس وصولی کا حکم دیا۔ زمین کا محصول صرف نقد میں وصول کیا جاتا تھا۔ علاء الدین خلجی نے اپنے قابل فوجی جرنیلوں، جیسے نصرت خان، علغ خان، اور ملک کافور کی مدد سے پورے ہندوستان میں کئی کامیاب فوجی مہمات کی قیادت کی۔ علاء الدین نے منگولوں سے دہلی کا کامیابی سے دفاع بھی کیا۔ علاء الدین خلجی کا انتقال جنوری 1316 میں ہوا۔ علاء الدین کے چاندی کے ٹنکے میں تقریباً ایک تولہ یا 250 ملی گرام چاندی ہوتی تھی، اور 48 سے 50 جتل تانبے کے ایک ٹنکے کے برابر ہوتے تھے۔

13.13.3 علاء الدین خلجی کی اصلاحات

علاء الدین خلجی کی زرعی اور بازار کی اصلاحات کو سلطنت کی اندرونی تنظیم نو کی کوششوں کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، اور بار بار ہونے والے منگول حملوں کے خطرے سے نمٹنے کے لیے ایک بڑی فوج بنانے کی ضرورت کے طور پر بھی۔

زرعی اصلاحات

علاء الدین خلجی کی زرعی اصلاحات کا جوہر دیہات کو حکومت کے ساتھ قریبی تعلق میں لانا تھا۔ زمین کا محصول اجناس

میں شمار کیا جاتا تھا، لیکن نقد میں طلب کیا جاتا تھا۔

اس مقصد کے لیے، کاشتکاروں کو یا تو پیداوار کو بنجاروں کو بیچنا پڑتا تھا، یا اسے مقامی منڈی (منڈی) میں فروخت کے لیے لے جانا پڑتا تھا۔ مویشیوں پر چراگاہ ٹیکس (چرائی) اور گھروں پر گھری ٹیکس کی وصولی۔ یہ دونوں ٹیکس پہلے بھی عائد کیے گئے تھے اور روایتی تھے۔

بازار کی اصلاحات

علاءالدین خلجی پہلے حکمران تھے جنہوں نے قیمتوں کے کنٹرول کے مسئلے کو منظّم انداز میں دیکھا، اور ایک طویل عرصے تک مستحکم قیمتیں برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ بارانی کہتے ہیں کہ علاءالدین خلجی نے بازار کی اصلاحات اس لیے کیں کیونکہ دہلی کے منگول محاصرے کے بعد، وہ ایک بڑی فوج بھرتی کرنا چاہتے تھے، لیکن اگر انہیں ان کی معمول کی تنخواہیں ادا کرنی پڑتیں تو ان کے تمام خزانے جلد ختم ہو جاتے۔ قیمتوں کے کنٹرول اور قیمتوں میں کمی کے نتیجے میں، کہا جاتا ہے کہ وہ ایک گھوڑے والے سپاہی کو بھرتی کرنے میں کامیاب ہوئے، اور اسے سالانہ 238 ٹنکے ادا کیے، اور دو گھوڑوں والے کے لیے 75 ٹنکے زیادہ۔

بازار کا کنٹرول

- ☆ مختلف اشیاء کے لیے علیحدہ بازاروں کا قیام، جو دیوانِ ریاست اور شاہنا منڈی کے ذریعے کنٹرول کیے گئے۔
- ☆ علاء الدین نے سخت اقدامات کیے تاکہ ان کے مقرر کردہ قیمتوں پر سختی سے عمل کیا جائے۔
- ☆ ایک افسر (شہنا) کو مناسب فورس کے ساتھ بازار کے انچارج کے طور پر مقرر کیا گیا، اور سخت ہدایات دی گئیں کہ جو کوئی بھی احکامات کی خلاف ورزی کرے، اسے سزا دی جائے۔
- ☆ تاجروں کی ریاست کے ساتھ رجسٹریشن۔
- ☆ ذخیرہ اندوزی اور غیر منصفانہ طریقوں کے خلاف سخت قوانین۔
- ☆ ہنگامی حالات کے لیے ریاست کی طرف سے اناج کا ذخیرہ۔
- ☆ دوسرا بازار، کپڑے کا بازار، جو خشک میوہ جات، جڑی بوٹیاں، گھی، تیل وغیرہ بھی فروخت کرتا تھا، اور جو طویل عرصے تک محفوظ رکھا جا سکتا تھا، اسے "سرائے عدل" کہا جاتا تھا۔
- ☆ تیسرا بازار گھوڑوں، مویشیوں، اور غلاموں سے متعلق تھا۔ فوجی محکمے اور سپاہیوں کے لیے مناسب قیمتوں پر اعلیٰ معیار کے گھوڑوں کی فراہمی اہم تھی۔ گھوڑوں کی تجارت کم و بیش ایک اجارہ داری تجارت تھی، اور زمینی تجارت ملتانوں اور افغانوں کے ذریعے اجارہ دار تھی۔

فوجی اصلاحات

- ☆ سپاہیوں کے لیے نقد ادائیگی کا تعارف۔
- ☆ سپاہیوں کی براہ راست بھرتی فوجی کمانڈر، عارضِ ممالک کے ذریعے۔
- ☆ گھوڑوں کی برانڈنگ (داغ) اور سپاہیوں کی تفصیل (حلیہ) کا نفاذ۔

☆ سپاہیوں کو ان کے سامان اور گھوڑوں کی بنیاد پر تین درجات میں تقسیم کرنا:

(a) پیادہ سپاہی (b) ایک گھوڑے والے سپاہی (ایک اسپہ)

(c) دو گھوڑوں والے سپاہی (دو اسپہ)

13.14 فن اور تعمیرات

خلجی خاندان کا ایک منفرد معماری انداز تھا۔ یہ فارسی، ترک، اور ہندوستانی اثرات کا امتزاج تھا۔ خلجی خاندان کی تعمیرات اسلامی معماری عناصر کو ہندوستانی نقش ونگار کے ساتھ ملاتی تھیں، جس کے نتیجے میں ایک منفرد ہندو-اسلامی انداز پیدا ہوا۔

علاء الدین خلجی نے فن اور تعمیرات کو اہمیت دی۔ انہوں نے دہلی میں ایک نیا قلعہ تعمیر کیا جسے سیری قلعہ کہا جاتا ہے، اور قوت الاسلام مسجد کو بڑا کیا اور ایک شاندار دروازہ تعمیر کیا۔ انہوں نے جامعیت خانہ مسجد اور نظام الدین اولیاء کا مقبرہ بھی تعمیر کیا۔ اس میں مشہور علائی دروازہ اور دہلی میں قوت الاسلام مسجد بھی شامل ہیں۔ یہ مساجد پیچیدہ نقش ونگار، گنبدوں، اور میناروں کو ظاہر کرتی ہیں۔

خلجی خاندان نے وسیع محل کمپلیکس تیار کیے، جن میں شاندار ہال، صحن، اور باغات شامل تھے۔ ان میں سب سے مشہور "حوض خاص کمپلیکس" ہے، جس میں ایک شاہی رہائش گاہ، ایک مسجد، اور ایک پانی کا ذخیرہ شامل ہے۔ خلجی تعمیرات نے علاقے میں مستقبل کے معماری انداز کی بنیاد رکھی۔ اس نے بعد کے سلطانوں اور مغل دور کو متاثر کیا۔

نظم ونسق

خلجی خاندان کی انتظامیہ اپنے وقت سے آگے تھی، اور علاء الدین خلجی اس سائنسی طور پر ڈیزائن کردہ انتظامی ڈھانچے کے اہم معمار تھے۔

مرکزی نظم ونسق

سلطان حقیقی منتظم تھا، اور تمام اختیارات اس میں مرکوز تھے۔ سلطان کو خدا کا نائب سمجھا جاتا تھا، اور سلطان کا فرض تھا کہ وہ قرآن پاک میں ذکر کردہ الٰہی قوانین کو نافذ کرے۔ علاء الدین خلجی نے اقطاع نظام کو ختم کر دیا، اور زیادہ تر اقطاع زمین کو خالصہ زمین میں واپس لے آئے۔

عدالتی محکمہ

سلطنت کی اعلیٰ عدالتی اتھارٹی سلطان تھی، حالانکہ ایک الگ عدالتی محکمہ "دیوانِ قضا" کے نام سے موجود تھا، جس کی سربراہی ایک افسر "قاضی" کرتا تھا۔

محصول نظم ونسق

خلجی خاندان کی ٹیکس پالیسی حنفی فقہ کے اصولوں پر مبنی تھی، جو پانچ قسم کے ٹیکس تجویز کرتی تھی:

زکوٰۃ: مسلمانوں کے فائدے اور فلاح و بہبود کے لیے ادا کیا جانے والا مذہبی ٹیکس۔ شرح جائیداد کی آمدنی کا 2.5% تھی۔
خراج: زمین کا محصول، جو عام طور پر زرعی پیداوار کے 1/5 حصے کی شرح پر نقد یا اجناس میں ادا کیا جاتا تھا۔ (علاء الدین خلجی صرف نقد ادائیگی قبول کرتے تھے۔)
خمس: جنگ کے دوران حاصل کردہ مالِ غنیمت میں ریاست کا حصہ۔ شرح مالِ غنیمت کا 1/5 حصہ تھی۔
جزیہ: غیر مسلموں پر عائد کیا جانے والا حفاظتی ٹیکس۔
عشر: زمین کا محصول، جو صرف مسلمان کسانوں سے وصول کیا جاتا تھا۔

13.15 ادب

فارسی خلجی خاندان کی سرکاری زبان تھی۔ عدالتی تاریخیں، جو سلطانوں کی کہانیاں پیش کرتی تھیں، سلطنت کے دور میں ادب کی ایک اہم خصوصیت تھیں۔ "تحقیقِ علائی" امیر خسرو نے علاء الدین خلجی پر مبنی لکھی۔ "خزائن الفتوح" امیر خسرو کا ایک عظیم کام تھا، جو علاء الدین خلجی کی فوجی فتوحات سے متعلق تھا۔

مذہب

خلجی خاندان کے سلطان سنی اسلام مذہب کے پیروکار تھے۔ غیر مسلموں کو ظلم کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور انہیں جزیہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو بھی عام طور پر امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن خلجی خاندان کے دور میں ہندوستانی مسلمان اور تبدیل شدہ مسلمان نمایاں عہدوں پر فائز ہوئے۔

خلجی خاندان کا وقت مختصر تھا (1290-1320)، لیکن اس مختصر وقت میں، خاندان نے نہ صرف ہندوستان کے سماجی، اقتصادی، اور ثقافتی پہلوؤں پر، بلکہ انتظامی پہلوؤں پر بھی دیرپا اثر چھوڑا۔ علاء الدین خلجی نے سلطنت کی علاقائی حدود کو جنوبی ریاست مدورائی تک بڑھایا۔ علاء الدین نے مختلف اصلاحات بھی متعارف کروائیں، جو بعد میں دہلی سلطنت کے بعد کے خاندانوں، مغل اور سور سلطنت، اور برصغیر کے دیگر آزاد علاقائی سلطنتوں کے محصولات، بازار، اور فوجی انتظامیہ کی ریڑھ کی ہڈی بن گئیں۔

13.16 تغلق خاندان (1320-1413)

تغلق خاندان کو تغلق یا تغلک خاندان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلم خاندان تھا جو ہند-ترک نژاد تھا۔ یہ دہلی سلطنت پر حکومت کرنے والے سب سے اہم خاندانوں میں سے ایک تھا۔ اس نے قرون وسطیٰ کے ہندوستان پر 1320 عیسوی سے 1414 عیسوی تک حکومت کی۔ تغلق خاندان نے خلجی خاندان کے آخری حکمران مبارک شاہ سے اقتدار سنبھالا۔

تغلق خاندان کی بنیاد غیاث الدین تغلق نے رکھی۔ انہوں نے 1321 عیسوی میں تغلق آباد شہر کی بنیاد رکھی، جواب تغلق آباد قلعہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے بیٹے جونہ خان (محمد بن تغلق کے نام سے مشہور) نے ورنگل اور مدورائی پر دوبارہ اقتدار قائم کیا۔

ناصر الدین محمود شاہ تغلق خاندان کے آخری حکمران تھے۔ کارخانوں کے قیام نے اقتصادی ترقی کو تیز کیا، جبکہ نہری آبپاشی کی موجودگی نے زرعی سرگرمیوں کو بڑھایا۔ اس سے اندرونی اور سمندری تجارت میں اضافہ ہوا، اور شہری ترقی کی رفتار تیز ہوئی۔ شہری مراکز کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکولوں، مساجد، اور عوامی عمارتوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔

13.16.1 محمد بن تغلق

محمد بن تغلق تغلق خاندان کے سب سے مشہور حکمران تھے۔ انہیں واحد سلطان سمجھا جاتا ہے جنہوں نے ادبی، مذہبی، اور فلسفیانہ تعلیم حاصل کی۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانیں جانتے تھے، اور منطق، فلکیات، فلسفہ، طبیعیات، اور ریاضی کا جامع علم رکھتے تھے۔

اصلاحات

- ☆ محمد بن تغلق نے دارالحکومت کو دہلی سے دیوگری اور پھر واپس دہلی منتقل کیا۔
- ☆ ٹوکنی کرنسی: محمد بن تغلق کا ایک مقصد سکوں کے نظام میں اصلاح کرنا تھا۔ انہوں نے تانبے اور پیتل کے سکے جاری کیے، جنہیں چاندی اور سونے کے برابر تبادلے کے لیے استعمال کیا جانا تھا۔ ٹوکنی کرنسی کا تصور جدید دنیا میں سب کو معلوم ہے، لیکن قرون وسطیٰ میں یہ ایک نیا خیال تھا۔
- ☆ انہوں نے عادل آباد قلعہ اور جہان پناہ شہر تعمیر کیا۔ انہوں نے غیر ملکیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے اور ایک چینی سفیر کا استقبال کیا۔
- ☆ محمد بن تغلق کے زرعی اقدامات، وبائیں، اور ایک قحط، جو چھ سے سات سال تک جاری رہا، دوآب اور مالوہ کے بڑے حصوں کو متاثر کیا، جس سے عوامی پریشانی اور کسانوں کی بغاوت ہوئی۔

ان تجربات کی ناکامی نے سلطان کی عوامی شہرت اور خزانے کو متاثر کیا۔

13.17 فیروز تغلق

فیروز تغلق غیاث الدین تغلق کے چھوٹے بھائی کے بیٹے تھے۔ وہ ترک-ہندوستانی نژاد تھے کیونکہ ان کی والدہ ایک ہندو شہزادی تھیں۔ انہیں ایک ہچکچاہٹ والے اور نرم مزاج حکمران کے طور پر جانا جاتا ہے، لیکن انہوں نے 37 سال حکومت کی۔

فیروز تغلق کا طویل دورِ حکومت (1351-88)، جو محمد تغلق کے کزن تھے، دہلی سلطنت کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے۔ فیروز تغلق نے ایک ایسی ریاست کی روایت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جو خیر خواہی اور عوام کی فلاح و بہبود پر مبنی ہو، جسے جلال الدین خلجی نے قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ فیروز نے مفاہمت کی پالیسی اپنائی، اور ان طبقات کو جیتنے کی کوشش کی — اشرافیہ، منتظمین، سپاہی، علماء، کسان وغیرہ، جو کسی نہ کسی وجہ سے محمد بن تغلق سے دور ہو گئے تھے۔ کئی فوجی مہمات کے بعد، جو نمایاں طور پر کامیاب نہیں ہوئیں، فیروز نے جنگ ترک کر دی، اور ریاست کو ترقی اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنا دیا۔

فیروز شاہ تغلق نے اپنی سلطنت میں بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے لیے بڑے پیمانے پر کام کیا۔ فیروز نے حصار فیروزہ (جدید حصار) شہر کی بنیاد رکھی، اور شہر میں پانی لانے کے لیے ستلج اور جمنا سے دو نہریں کھودنے کا فیصلہ کیا۔ یہ نہریں، جو تقریباً 100 میل لمبی تھیں، کرنال کے قریب آپس میں ملتی تھیں، اور حصار شہر کو وافر پانی فراہم کرتی تھیں۔

نہروں کے علاوہ، فیروز نے آبپاشی کے مقاصد کے لیے کئی بند (ڈیم) بھی بنائے۔ انہیں باغات لگانے کا بھی بہت شوق تھا، اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دہلی کے اردگرد 1200 باغات لگائے، ان لوگوں کو قیمت ادا کرنے کے بعد جن کی جائیداد یا ٹیکس سے مستثنیٰ (انعام) زمینوں پر یہ باغات تھے۔ باغات میں 30 باغات شامل تھے جو علاء الدین نے شروع کیے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زیادہ تر باغات میں کالے اور سفید انگور اور خشک میوہ جات اگائے جاتے تھے، اور ان سے سلطان کی آمدنی 1,80,000 ٹنکے تھی۔

فیروز تغلق کے اقدامات

- ☆ دیوانِ خیرات: خیرات کے لیے دفتر
- ☆ دیوانِ بندگان: غلاموں کا محکمہ
- ☆ سرائے (مسافر خانے): تاجروں اور دیگر مسافروں کے فائدے کے لیے
- ☆ چار نئے شہر: فیروز آباد، فتح آباد، جونپور، اور حصار
- ☆ فیروز تغلق نے کئی کنویں تعمیر کیے اور آبپاشی کی نہریں کھودیں۔
- ☆ انہوں نے دیوانِ استبقا قائم کیا تاکہ غریبوں کو مالی امداد فراہم کی جا سکے۔
- ☆ انہوں نے دیوانِ خیرات (شادی بیورو)، دارالشفا (ہسپتال)، اور ایک روزگار بیورو بھی قائم کیا۔

فیروز شاہ تغلق کے تحت عائد کردہ ٹیکس

- ☆ خراج: زمین کا محصول، جو زمین کی پیداوار کے دسواں حصے کے برابر تھا۔
- ☆ زکوٰۃ: جائیداد پر مسلمانوں سے وصول کیا جانے والا ڈھائی فیصد ٹیکس۔

خمس: جنگ کے دوران حاصل کردہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (چار پانچواں حصہ سپاہیوں کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا)۔

دیگر ٹیکس: آبپاشی ٹیکس، باغ ٹیکس، چوکی ٹیکس، اور فروخت ٹیکس۔

13.18 تغلق خاندان کا زوال

فیروز تغلق کی 1388 عیسوی میں وفات کے بعد، تغلق سلطنت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی، کیونکہ آئندہ حکمران نابالغ تھے اور اپنی حکمرانی میں نااہل ثابت ہوئے۔ گجرات، مالوہ، اور شرقی (جونپور) سلطنتیں دہلی سلطنت سے الگ ہوگئیں۔ 1394 عیسوی میں، لاہور کے ہندوؤں نے آزاد حکمرانی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت کے حکمران محمد شاہ نے اپنے بیٹے ہمایوں کے ساتھ بغاوت کو دبانے کی تیاری کی، لیکن بادشاہ کی وفات ہوگئی، اور اس کے بعد ان کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا۔

سید خاندان

سید خاندان کی بنیاد 1414 عیسوی میں خضر خان نے رکھی، اور اس خاندان کی حکمرانی اس وقت ختم ہوئی جب علاء الدین شاہ حکمران تھے۔ سید خاندان کی بنیاد خضر خان نے رکھی۔ مملوک، خلجی، اور تغلق خاندانوں کے بعد، سید خاندان قائم ہوا، اور 1414 سے 1451 عیسوی تک دہلی سلطنت پر کامیابی سے 37 سال حکومت کی۔

سید خاندان کے چار حکمران تھے، جن کے نام خضر خان، مبارک شاہ، محمد شاہ، اور آخری حکمران علاء الدین عالم شاہ تھے۔ سید خاندان کے حکمرانوں کا ماننا تھا کہ انہیں حکمرانی کا الٰہی حق حاصل ہے، اور اس طرح انہوں نے تخت پر اپنی طاقت کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اسلام کے بانی حضرت محمد؟ کی قریش قبیلے سے براہ راست نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ خضر خان ایک سید تھے، اس لیے اس خاندان کو سید خاندان کہا جاتا ہے۔

سید خاندان کے بعد لودھی خاندان آیا، جو دہلی سلطنت کا آخری حکمران خاندان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ علاء الدین عالم شاہ نے اپنی مرضی سے سلطنت بہلول لودھی کے حوالے کر دی، اور بدایوں چلے گئے، جہاں ان کا انتقال ہوا۔

13.19 لودھی خاندان

لودھی خاندان ایک افغان خاندان تھا اور دہلی سلطنت کا پانچواں اور آخری خاندان تھا۔ اس نے 1451 سے 1526 عیسوی تک حکومت کی۔ لودھی خاندان کی بنیاد بہلول لودھی نے رکھی، اور اس کے آخری حکمران ابراہیم لودھی تھے۔

بہلول لودھی (1451-1489 عیسوی)

لودھی خاندان کی بنیاد بہلول لودھی نے رکھی۔ انہوں نے 1451 سے 1489 عیسوی تک حکومت کی۔ ملک سلطان شاہ لودھی، جو پنجاب، ہندوستان میں سرہند کے گورنر تھے، ان کے چچا اور داماد تھے۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور ایک شریف افغان تھے۔ بہلول لودھی نے افغانوں کو جاگیر دے کر اور ان کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کر کے ان کا دل جیت لیا۔ انہوں نے 1489 عیسوی میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے سکندر لودھی نے ان کی وفات کے بعد تخت سنبھالا۔

سکندر لودھی (1489-1517 عیسوی)

سکندر لودھی بہلول لودھی کے دوسرے بیٹے تھے، جبکہ ان کے بڑے بیٹے بار بک شاہ تھے۔ سکندر لودھی نے 1489 سے 1517 عیسوی تک حکومت کی۔ 1489 عیسوی میں، انہوں نے سکندر شاہ کے نام سے تخت سنبھالا۔ 1504 عیسوی میں، انہوں نے آگرہ شہر کی بنیاد رکھی۔ سکندر لودھی موسیقی، ادب، اور فنون کے ایک فراخ دل حامی تھے۔ انہوں نے آگرہ شہر کو شاندار قلعوں اور عمارتوں سے مزین کیا۔ ان کے دور میں، ایک موسیقی کا نوٹ "لہجہ سکندر شاہی" تخلیق کیا گیا۔ سکندر لودھی 1517 عیسوی میں وفات پا گئے۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے ابراہیم لودھی نے سلطنت کا کنٹرول سنبھالا۔

سکندر لودھی کے کام

- 1503 عیسوی میں آگرہ شہر کا قیام اور 1506 عیسوی میں دارالحکومت کو دہلی سے آگرہ منتقل کرنا۔
- بنگال، بہار، چندیری، اودھ، اور بندیل کھنڈ کے بادشاہوں پر اقتدار قائم کر کے دہلی سلطنت کو بحال کرنے کی کوشش۔
- زمین کی پیمائش کے لیے "گاجِ سکندری" کا استعمال۔
- گوالیار قلعہ پر قبضہ کرنے کی کئی کوششیں، لیکن ہر بار راجہ مان سنگھ کے ہاتھوں شکست۔
- جزیہ ٹیکس: سکندر لودھی نے ہندوؤں پر جزیہ ٹیکس نافذ کیا۔**

ابراہیم لودھی (1517-1526 عیسوی)

ابراہیم لودھی سکندر لودھی کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ انہوں نے سکندر لودھی کی وفات کے بعد لودھی خاندان کے تخت پر قدم رکھا۔ وہ دہلی اور لودھی خاندان کے آخری سلطان تھے۔ ابراہیم لودھی نے افغان سرداروں کی شدید مخالفت کے بعد دوہری حکومت کا نظام دوبارہ متعارف کرایا۔ بابر کی افواج نے انہیں شکست دی اور پہلی جنگِ پانی پت میں قتل کر دیا، جس سے ہندوستان میں عظیم مغل سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. اقطاع
2. خالصہ
3. ترک حملہ
4. قطب الدین ایبک
5. سلطانوں کے تحت فن اور تعمیرات

تحریری سوالات

6. ترائن کی جنگوں کی اہمیت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
7. ترک حملوں کے دوران راجپوتوں کی ناکامی کی وجوہات کیا تھیں؟
8. ترکوں کی کامیابی میں مدد دینے والی وجوہات کیا ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔
9. رضیہ سلطانہ اور ان کے کاموں پر لکھیں۔
10. علاء الدین خلجی کی لائی گئی مختلف اصلاحات کا ذکر کریں۔
11. فیروز شاہ تغلق کے کام کیا تھے؟ وضاحت کریں۔
12. سید اور لودھی خاندان کی حکمرانی کی سرگرمیوں پر توجہ دیں۔

باب 14

بھکتی اور صوفی تحریکیں- مشترکہ ثقافت

14.1 تعارف

دہلی سلطنت کے قیام اور موجودہ خاندانوں کی حکمرانی کے دوران، ملک کے مختلف حصوں میں بھکتی اور صوفی ازم کے تصورات پر مبنی کئی وسیع پیمانے پر سماجی- مذہبی تحریکیں سامنے آئیں۔ بھکتی ایک مذہبی تصور ہے، جس کا مطلب ہے نجات حاصل کرنے کے لیے ذاتی طور پر تصور کیے گئے اعلیٰ خدا کے سامنے عقیدت مند سر تسلیم خم کرنا۔ بھکتی تحریک، جو فرد کے خدا کے ساتھ روحانی اتحاد پر زور دیتی ہے، ترکوں کی آمد سے بہت پہلے ہندوستان میں کام کر رہی تھی۔

ذاتی خدا کی عبادت کا تصور بدھ مت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے ساتھ ترقی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ عیسائی دور کے ابتدائی صدیوں میں، مہایان بدھ مت کے تحت، بدھ کو ان کی 'رحم دل' (اولوکیتا) شکل میں پوجا جانے لگا۔

بھکتی تحریک جاگیردارانہ ظلم وستم اور راجپوت- برہمن غلبے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جاگیرداری کے خلاف انقلابی مخالفت کے عناصر بھکتی سنتوں کی آیات میں پائے جا سکتے ہیں، جو کبیر اور نانک سے لے کر چیتنیا اور تلسی داس تک ہیں۔ اسی تناظر میں، قرون وسطیٰ کی بھکتی تحریکوں کو اکثر یورپ میں پروٹسٹنٹ اصلاحات کے ہندوستانی ہم منصب کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اسلام کی آمد اور ترک سیاسی بالادستی کے قیام نے برہمنوں کی طاقت اور وقار کو ختم کر دیا۔ اس طرح غیر روایتی تحریکوں کے ابھرنے کے لیے اسٹیج تیار ہوا، جن میں ذات پات اور برہمنیت مخالف نظریہ شامل تھا۔

14.2 مقاصد

- ☆ سمجھیں کہ بھکتی اور صوفی تحریک کیوں ابھری۔
- ☆ تعلیمات کو اجاگر کریں۔
- ☆ مشترکہ ثقافت کی خصوصیات۔

14.3 اکتسابی نتائج

- ☆ ذاتی توحید پرستی کی مشق۔
- ☆ محبت اور امن کو زندگی کا طریقہ بنانا۔

☆ بھائی چارے کی مشق۔

☆ ورنا نظام کی مخالفت۔

☆ ہم آہنگ ثقافت کی ترقی۔

☆ زبانوں کی ترقی۔

14.4 جنوبی ہندوستان میں بھکتی تحریک

جنوبی ہندوستان میں ساتویں سے بارہویں صدی کے درمیان مقبول بھکتی کی ترقی ہوئی۔شیونا یناراور ویشنوایت آلوار نے جین اور بدھ مت کے ذریعہ تبلیغ کی گئی سختیوں کونظر انداز کیا،اور خدا کے ساتھ ذاتی عقیدت کونجات کا ذریعہ قرار دیا۔انہوں نے ذات پات کے نظام کی سختیوں کونظر انداز کیا،اور خدا کے ساتھ محبت اور ذاتی عقیدت کا پیغام جنوبی ہندوستان کے مختلف حصوں میں مقامی زبانوں کا استعمال کرتے ہوئے پہنچایا۔

ان سنت-شاعروں نے ایک ہی وقت میں روایتی برہمنوں کے غلبے کی مخالفت کی،بھکتی کوذات پات اور جنس کی تفریق کے بغیر سب کے لیے قابل رسائی بنایا۔جنوبی ہندوستان کے سنت شاعروں نے ذات پات کے نظام کی نظریاتی اور سماجی بنیادوں کوچیلنج نہیں کیا۔نتیجتاً،جنوبی ہندوستان کی بھکتی تحریک نے طویل عرصے میں اس درجہ بندی کے نظام کومضبوط کیا،بجائے اس کے کہ اسے کمزور کرے۔

بالآخر،جب تحریک دسویں صدی میں اپنے عروج پر پہنچی،تو اسے روایتی برہمن مذہب نے آہستہ آہستہ شامل کرلیا۔ شہری کاریگروں کی بڑھتی ہوئی کلاسیں،جواب روایتی برہمن درجہ بندی میں دی گئی کم حیثیت سے مطمئن نہیں تھیں،برابری کے خیالات کی وجہ سے توحید پرستی کی تحریک کی طرف راغب ہوئیں۔توحید پرستوں نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جووقت کے غالب مذاہب—ہندومت اور اسلام دونوں سے آزاد تھا۔

14.5 شمالی ہندوستان میں بھکتی تحریک

لوگ اب ایسے مذہب سے مطمئن نہیں تھے جوصرف رسومات اور شکلوں پر زور دیتا ہو۔وہ ایک ایسا مذہب چاہتے تھے جوان کی عقل اور جذبات دونوں کومطمئن کرسکے۔انہی عوامل کی وجہ سے بھکتی تحریک پندرہویں اور سولہویں صدی کے دوران شمالی ہندوستان میں ایک مقبول تحریک بن گئی۔جنوب سے شمالی ہندوستان میں بھکتی سنتوں کے خیالات کی ترسیل ایک سست اور طویل عمل تھا۔تیرہویں سے پندرہویں صدی تک،شمالی اور مشرقی ہندوستان اور مہاراشٹر میں کئی مقبول سماجی-مذہبی تحریکیں پھلتی پھولتی رہیں۔ان تحریکوں کی خصوصیت بھکتی اور مذہبی مساوات پر زور دینا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ نام دیو نے دور دراز سفر کیا اور دہلی میں صوفی سنتوں کے ساتھ گفتگو کی۔رامانند،جو رامانوجا کے پیروکار

تھے، پریاگ (الہ آباد) میں پیدا ہوئے اور وہاں اور بنارس میں رہے۔ نام دیو نے اپنی بھکتی کی تعلیمات چاروں ورنوں کو دی، اور مختلف ذاتوں کے لوگوں کے ساتھ کھانا پکانے اور کھانے پر پابندی کو نظر انداز کیا۔ انہوں نے تمام ذاتوں، بشمول نچلی ذاتوں، سے شاگردوں کو شامل کیا۔ اس طرح ان کے شاگردوں میں روی داس، جو ذات کے لحاظ سے موچی تھے؛ کبیر، جو جولاہا تھے؛ سینا، جو نائی تھے؛ اور سادھنا، جو قصائی تھے، شامل تھے۔ نام دیو اپنے شاگردوں کو شامل کرنے میں یکساں طور پر وسیع النظر تھے۔

جیسا کہ جدید مورخ ڈاکٹر تاراچند کہتے ہیں: ' کبیر کا مشن محبت کے مذہب کی تبلیغ کرنا تھا، جو تمام ذاتوں اور عقائد کو متحد کرے۔ انہوں نے ہندومت اور اسلام کی ان خصوصیات کو مسترد کر دیا جو اس روح کے خلاف تھیں، اور جو فرد کی حقیقی روحانی فلاح و بہبود کے لیے اہم نہیں تھیں۔' کبیر نے ذات پات کے نظام، خاص طور پر چھوت چھات کے عمل کی سختی سے مذمت کی، اور انسان کی بنیادی وحدت پر زور دیا۔ وہ انسانوں کے درمیان کسی بھی قسم کے امتیاز کے خلاف تھے، چاہے وہ ذات، مذہب، نسل، خاندان یا دولت کی بنیاد پر ہو۔ ان کی ہمدردیاں واضح طور پر غریبوں کے ساتھ تھیں، جن کے ساتھ انہوں نے خود کو شناخت کیا۔ تاہم، وہ سماجی اصلاح کار نہیں تھے، ان کا زور ایک حقیقی گرو یا استاد کی رہنمائی میں فرد کی اصلاح پر تھا۔

کبیر کی طرح، نانک نے ایک خدا پر زور دیا، جس کا نام دہرانے اور محبت اور عقیدت کے ساتھ اس پر غور کرنے سے، ذات، عقیدے یا فرقے کی تفریق کے بغیر نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے بت پرستی، زیارتوں، اور مختلف مذاہب کی دیگر رسمی رسومات کی سخت مذمت کی۔ انہوں نے ایک درمیانی راستے کی وکالت کی، جس میں روحانی زندگی کو گھر کے فرائض کے ساتھ ملایا جا سکتا تھا۔ میرا بائی ذاتی خدا کی عقیدت مند تھیں۔

14.6 صوفی ازم

صوفی اسلام میں بہت ابتدائی مرحلے میں ابھرے۔ ان میں سے زیادہ تر انتہائی روحانی افراد تھے، جو اسلام کی سیاسی-فوجی فتح کے بعد دولت کی فحش نمائش اور اخلاقی انحطاط سے نفرت کرتے تھے۔ صوفی کا لفظ فارسی لفظ "صوف" سے نکلا ہے، جس کا مطلب ہے کھردرا اون۔ وسطی اور مغربی ایشیا کے اسلامی صوفی ایک لمبا لباس (خرقہ) پہنتے تھے، جو صوف سے تیار کیا جاتا تھا اور مسلسل چبھن پیدا کرتا تھا۔

صوفی ازم ایک بنیادی طور پر خاموش تحریک تھی، جو محبت، عقیدت، اور غور و فکر پر مبنی تھی، جو آہستہ آہستہ وجدانی محبت کی طرف مائل ہو گئی، جس میں موجودہ سماجی اصولوں، مذہبی عقائد، اور رسومات کو چیلنج کرنے کی صلاحیت تھی۔ کچھ صوفی موسیقی کے اجتماعات (سماع) کے شوقین تھے، جن میں وجد کی حالت پیدا کی جاتی تھی۔ چشتی صوفی جنوبی ایشیا میں ابتدائی اسلامی صوفی مہاجرین میں شامل تھے۔ اس صوفی سلسلہ نے ہندوستانی ثقافتی روایات کے مختلف پہلوؤں، جیسے موسیقی، کو اپنانے کی کوشش کی، اور برصغیر میں انتہائی مقبول ہو گئے۔ انہوں نے سماع کی حمایت کی۔

تیرہویں صدی میں، دہلی چشتیوں کے اہم مراکز (مرکز) میں سے ایک کے طور پر ابھری۔ اب بہت سے صوفی سنتوں

نے ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کی نمائندگی کی، اس معنی میں کہ ان کے ہندو، سکھ، اور مسلم پیروکار تھے۔ بہت سے چشتی اور قادری صوفی "صلح کل" یا 'سب کے ساتھ امن' کی پالیسی پر یقین رکھتے تھے۔ بعد میں، مغل بادشاہ اکبر ایک عظیم سلطنت ساز کے طور پر ابھر سکے، زیادہ تر اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت کی وجہ سے۔ لہذا، کچھ صوفیوں کو سرپرستی کی پیشکش کا مطلب کثیر الثقافتی علامتوں کو مضبوط کرنا تھا، جس سے بہت سے سلطان مختلف لسانی اور ثقافتی پس منظر کی نمائندگی کرنے والی عوام کی وفاداری اور اعتماد جیتنے میں کامیاب ہوئے۔ علاقے مختلف پیروں (مختلف سلسلوں کے اہم صوفیوں) کے درمیان تقسیم کیے گئے، اس طرح کہ مختلف سلسلوں کے صوفی آپس میں خوشگوار تعلقات برقرار رکھ سکیں۔ سلطنت کے دور میں جنوبی ایشیا میں دو سب سے نمایاں صوفی سلسلے تھے۔

1. چشتی 2. سہروردی

صوفی 12 سلسلوں یا سلاسل میں منظّم تھے۔ ایک سلسلہ عام طور پر ایک نمایاں صوفی کے زیر قیادت ہوتا تھا، جو اپنے شاگردوں کے ساتھ خانقاہ یا مہمان خانے میں رہتا تھا۔ استاد یا پیر اور اس کے شاگردوں یا مریدوں کے درمیان تعلق صوفی نظام کا ایک اہم حصہ تھا۔ ہر پیر اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیے ایک جانشین یا ولی نامزد کرتا تھا۔ صوفیوں کی خانقاہی تنظیم، اور ان کے کچھ اعمال جیسے توبہ، روزہ، اور سانس روکنا، کبھی کبھی بدھ مت اور یوگی اثرات سے منسلک کیے جاتے ہیں۔ بدھ مت وسطی ایشیا میں اسلام کی آمد سے پہلے وسیع پیمانے پر رائج تھا، اور بدھ کی ایک مقدس انسان کے طور پر کہانی اسلامی کہانی میں منتقل ہو گئی تھی۔

14.6.1 چشتی سنت

چشتی سنتوں نے سادگی، غربت، عاجزی، اور خدا کے لیے بے لوث عقیدت کی زندگی پر زور دیا۔ ان میں سے بہت سے غربت کے تصور سے اتنے متاثر تھے کہ وہ مٹی سے ڈھکے چھت والے گھروں میں رہتے تھے، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور طویل روزے رکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ چشتی دہلی اور آس پاس کے علاقوں، بشمول راجستھان، پنجاب کے کچھ حصے، جدید اتر پردیش، بنگال، بہار، مالوہ، گجرات، اور بعد میں دکن میں بھی صوفی تحریک کی لہریں محسوس کی گئیں۔

چشتی سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی نے رکھی، جو 1192 عیسوی کے آس پاس ہندوستان آئے، پرتھوی راج چوہان کی شکست اور موت کے فوراً بعد۔ لاہور اور دہلی میں کچھ وقت گزارنے کے بعد، وہ آخر کار 1206 عیسوی کے آس پاس اجمیر منتقل ہو گئے، جو ایک اہم سیاسی مرکز تھا اور پہلے ہی ایک قابل ذکر مسلم آبادی رکھتا تھا۔ تاہم، چشتی سنتوں میں سب سے مشہور نظام الدین اولیاء اور نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ یہ ابتدائی صوفی نچلے طبقے کے لوگوں، بشمول ہندوؤں، کے ساتھ آزادانہ طور پر گھل مل گئے۔ انہوں نے ایک سادہ، سخت زندگی گزاری، اور لوگوں سے ان کی مقامی بولی ہندوی میں بات کی۔

نظام الدین اولیاء (وفات: 1325 عیسوی)، بابا فرید کے ایک اہم جانشین، دہلی کے سب سے ممتاز چشتی سنت تھے، جہاں انہوں نے پچاس سال تک کام کیا۔ یہ دور شدید سیاسی ہلچل کا تھا، جس کی خصوصیت بلبن کے خاندان کے زوال، علاء الدین خلجی کے عروج، علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد عدم استحکام، اور تغلقوں کے عروج سے تھی۔

چشتی سنت ہندو اور جین یوگیوں کے ساتھ آزادانہ طور پر بات چیت کرتے تھے، اور خاص طور پر یوگی مشقوں کے بارے میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ ایک بار، ہندوؤں کے ایک گروپ کی عقیدت سے بہت متاثر ہو کر، نظام الدین اولیاء نے اپنے دوست شاعر امیر خسرو سے کہا: "ہر کمیونٹی کا اپنا راستہ اور ایمان ہوتا ہے، اور اپنی عبادت کا طریقہ۔"

چودھویں صدی کے وسط میں نصیر الدین چراغ دہلی کی وفات کے بعد، چشتی دہلی میں ایک مضبوط شخصیت سے محروم ہو گئے۔ نتیجتاً، چشتی سنت منتشر ہو گئے، اور اپنا پیغام ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی حصوں تک پہنچایا۔ دکن میں بیجاپور 1300 عیسوی سے 1700 عیسوی تک چشتیوں کے لیے ایک اہم مرکز کے طور پر پھلا پھولا۔ دکن میں ایک اور اہم صوفی مرکز گلبرگہ تھا، جہاں بندہ نواز گیسو دراز (وفات: 1422 عیسوی)، مشہور چشتی بزرگ، دہلی سے ہجرت کر کے آئے۔ بیدر بھی قادری سلسلہ کا ایک اہم مرکز (مرکز) کے طور پر ابھرا، جن میں سے بہت سے عرب مہاجرین تھے۔

14.6.2 سہروردی سلسلہ

سہروردی سلسلہ چشتیوں کے ساتھ تقریباً اسی وقت ہندوستان میں داخل ہوا، لیکن اس کی سرگرمیاں زیادہ تر پنجاب، ملتان، اور سندھ تک محدود رہیں۔ اس سلسلہ کے سب سے مشہور بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی اور حمید الدین ناگوری تھے۔

سہروردی شاہی عطیات قبول کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ غریبوں کی مدد کے لیے پیسہ ضروری ہے۔ انہوں نے مذہب کے ظاہری اعمال، جیسے نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ پر بھی زور دیا۔ بہاؤ الدین زکریا، ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کے بانی تھے۔ سہروردی سلسلہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ پہلا صوفی سلسلہ تھا، جسے شیخ جلال الدین تبریزی (وفات: 1225 عیسوی)، ایک ہندوستان بھر میں مشہور بزرگ، کے ذریعے بنگال میں متعارف کرایا گیا۔

تاہم، دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے حکمرانوں کی مدد کی، ایسی رائے عامہ پیدا کر کے جس میں مختلف فرقوں اور مذاہب کے لوگ امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکیں۔ جبکہ مکہ مقدس ترین مقام رہا، مشہور بزرگوں کے عروج نے ملک کے مسلمانوں کے لیے عقیدت اور عبادت کا ایک مفید مقام فراہم کیا۔

اس طرح، قرون وسطیٰ کے دور میں، بھکتی اور صوفی سنتوں نے ایک قابل ذکر انداز میں ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا، جس پر مختلف فرقوں اور عقائد کے لوگ ایک دوسرے سے مل سکتے تھے اور ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے۔ یہ اکبر کے خیالات اور ان کے تصور 'توحید' یا تمام مذاہب کی وحدت کے لیے ضروری پس منظر تھا۔

14.7 مشترکہ ثقافت

ہندو-مسلم تعلقات کی نوعیت اور دونوں کے ثقافتی رویے مشترکہ ثقافت کے طور پر ترقی یافتہ ہوئے۔ مشترکہ ثقافت کی اصطلاح اس ثقافت کو ظاہر کرتی ہے جو ترکوں اور ہندوستانیوں کے تعامل کے نتیجے میں ترقی یافتہ ہوئی۔ یہ ثقافت نہ تو خالص

فارسی تھی اور نہ ہی مکمل طور پر ہندوستانی، بلکہ دونوں کے بہترین عناصر کا امتزاج تھی۔ اس ثقافت کو ہندو-اسلامی ثقافت بھی کہا جاتا ہے۔

ثقافتی طور پر، قرون وسطیٰ کا دور ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کی ترقی میں ایک نئے مرحلے کا آغاز کرتا ہے۔ اس نے ہندوستان کے فن اور تعمیرات میں نئی خصوصیات کے تعارف اور ان کی ملک کے تمام حصوں میں پھیلاؤ کو دیکھا۔ اس دور میں جو تعمیرات ترقی یافتہ ہوئی، وہ وسطی ایشیا اور فارس کی روایات کے ہندوستانی طرز کے ساتھ امتزاج کا نتیجہ تھیں۔

اس وقت زبانوں اور ادب کی ترقی میں قابل ذکر پیش رفت ہوئی۔ دو نئی زبانیں — عربی اور فارسی — ہندوستان کے لسانی ورثے کا حصہ بن گئیں۔ تاریخی تحریریں پہلی بار ہندوستانی ادب کا ایک اہم جزو بن گئیں۔ فارسی کے اثر کے تحت، ادب کی نئی شکلیں، جیسے غزل، متعارف کرائی گئیں۔ اس دور نے دو عظیم مذہبی تحریکوں کو دیکھا۔ بھکتی اور صوفی تحریک پورے ملک میں پھیل گئی۔

ان دونوں تحریکوں نے مذہبی انفرادیت اور تنگ نظری سے لڑنے، اور تمام کمیونٹیز کے لوگوں کو ایک ساتھ لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سکھ مذہب گرو نانک اور دیگر سنتوں کی تعلیمات پر مبنی ایک نئے مذہب کے طور پر ابھرنے لگا۔ مشترکہ ثقافت کی ترقی مغلوں کے دور میں سولہویں اور سترہویں صدی میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات

1. بھکتی
2. چشتی
3. ثقافت

تحریری سوالات

1. ہندوستان میں بھکتی تحریک پر لکھیں۔
2. ہندوستان میں صوفی تحریک پر تبادلہ خیال کریں۔
3. ہندوستان میں مشترکہ ثقافت کیسے ترقی یافتہ ہوئی؟ وضاحت کریں۔

باب 15

مغل سلطنت کی بنیاد اور سرُ سلطنت کی طاقت

15.1 تعارف

مغل سلطنت نے اپنی سیاسی پالیسیوں کو نافذ کر کے ایک وسیع سلطنت قائم کی، اور زمین کے محصولات کے نظام، معیشت، تجارت، ثقافتی امتزاج، سماجی تعلقات، مذہبی پالیسیوں، اور فن وتعمیر میں شاندار شراکت کے ذریعے اپنے اثر ورسوخ کے دائرے کو بڑھایا۔ اس طرح قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ میں مغل دور کو تاریخی تناظر میں مطالعہ کے لیے بہت اہمیت حاصل ہے۔

15.2 مقاصد

- ہندوستان میں مغل حکومت کی بنیاد کے بارے میں جاننا۔
- حکمران اور انتظامیہ۔
- ان کی پالیسیاں اور ٹیکس وصولی۔
- معیشت اور تجارت۔
- فن اور تعمیرات میں شراکت۔
- ثقافتی امتزاج۔

15.3 اکتسابی نتائج

- طاقت کے قیام کے لیے حکمت عملی۔
- ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے انتظامیہ۔
- محصولات پیدا کرنے کی پالیسیاں۔
- صنعتوں کا قیام اور تجارت میں اضافہ۔
- تخلیقی صلاحیت — فن اور تعمیراتی شکلیں۔
- ایک نئی ثقافت کا ابھرنا۔

انتہائی اہم مغل حکمران یہ تھے

☆ بابر:1526–1530 عیسوی

☆ ہمایوں: پہلا دور:1530–1540؛(سوری سلطنت:1540–1555)دوسرا دور:1555–1556 عیسوی

☆ اکبر:1556–1605 عیسوی

☆ جہانگیر:1605–1627 عیسوی

☆ شاہ جہاں:1627–1658 عیسوی

☆ اورنگزیب:1658–1707 عیسوی

15.4 پانی پت کی جنگ (20اپریل1526)

ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد شمال مغربی ہندوستان کی سیاسی صورتحال بابر کے ہندوستان میں داخلے کے لیے موزوں تھی۔ 1517 میں سکندر لودھی کی وفات ہوگئی، اور ابراہیم لودھی نے ان کی جگہ لی۔ ابراہیم کی ایک مضبوط، مرکزی سلطنت بنانے کی کوششوں نے افغان سرداروں اور راجپوتوں کو پریشان کر دیا۔ افغان سرداروں میں سب سے طاقتور داؤد خان لودھی، پنجاب کے گورنر، تقریباً ایک آزاد حکمران تھے۔

ابراہیم لودھی، دہلی کے حکمران، کے ساتھ تصادم ناگزیر تھا، اور بابر نے دہلی کی طرف مارچ کر کے اس کے لیے تیاری کی۔ ابراہیم لودھی نے پانی پت میں بابر سے ملاقات کی، ایک اندازے کے مطابق 100,000 آدمیوں اور 1000 ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ۔ ابراہیم لودھی کو بابر کی مضبوط دفاعی پوزیشن کا اندازہ نہیں تھا۔ ابتدائی دھچکوں کے باوجود، ابراہیم لودھی کی فوج نے بہادری سے جنگ لڑی۔ جنگ دو یا تین گھنٹے تک جاری رہی۔ ابراہیم لودھی نے آخری دم تک لڑائی کی، اپنے اردگرد 5000-6000 لوگوں کے ساتھ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ، جنگ میں ان کے 15,000 سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

پانی پت کی جنگ کو ہندوستان کی تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ اس نے لودھی طاقت کی کمر توڑ دی، اور دہلی اور آگرہ تک کے پورے علاقے کو بابر کے کنٹرول میں لے آیا۔ اس طرح ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد مغل سلطنت قائم ہوئی۔ اس نے دہلی سلطنت کے دور کا خاتمہ کیا اور مغل سلطنت کے دور کا آغاز کیا۔

15.5 بابر(1526–1530)

بابر، پہلے مغل بادشاہ نے 1526 میں ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ وہ موجودہ ازبکستان سے ہندوستان آئے، اور تیمور اور چغتائی ترک کے وارث تھے۔ بابر کے بعد 1530 میں ان کے بیٹے ہمایوں نے اقتدار سنبھالا، جو بدقسمتی سے سیاسی بدامنی کا شکار ہوگئے، اور ان کی زندگی نے کئی غیر متوقع موڑ لیے۔ ایک افغان، شیر خان (شیر شاہ) کے ہاتھوں تخت سے محروم ہوکر، ہمایوں نے صفوی فارسی حکمران، شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ لی۔

بابر نے مملکت کا ایک نیا تصور متعارف کرایا، جو تاج کی طاقت اور وقار، مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب کی عدم موجودگی، اور ثقافت اور فنون لطیفہ کی محتاط پرورش پر مبنی تھا۔ انہوں نے اپنے جانشینوں کے لیے ایک مثال اور سمت فراہم کی۔

بابر کا ہندوستان میں داخلہ کئی نقطہ نظر سے اہم تھا۔ کشان سلطنت کے زوال کے بعد پہلی بار، کابل اور قندھار شمالی ہندوستان پر مشتمل ایک سلطنت کے لازمی حصے بن گئے۔ چونکہ یہ علاقے ہمیشہ ہندوستان پر حملے کے لیے اسٹیجنگ مقامات کے طور پر کام کرتے تھے، بابر اور ان کے جانشین ان پر غلبہ حاصل کر کے ہندوستان کو تقریباً 200 سال تک بیرونی حملوں سے تحفظ فراہم کرنے میں کامیاب رہے۔ معاشی طور پر بھی، کابل اور قندھار کا کنٹرول ہندوستان کی غیر ملکی تجارت کو مضبوط کرتا تھا، کیونکہ یہ دونوں شہر چین کے مشرقی قافلوں اور مغربی بحیرہ روم کی بندرگاہوں کے لیے نقطہ آغاز تھے۔ اس طرح، ہندوستان عظیم بین-ایشیائی تجارت میں زیادہ حصہ لے سکتا تھا۔

15.6 ہمایوں

ہمایوں نے دسمبر 1530 میں 23 سال کی کم عمری میں بابر کی جانشینی کی۔ انہیں بابر کے چھوڑے ہوئے کئی مسائل سے نمٹنا پڑا۔ انتظامیہ ابھی تک مستحکم نہیں ہوئی تھی، اور مالیات نازک حالت میں تھیں۔ افغانوں کو ابھی تک زیر نہیں کیا گیا تھا، اور وہ مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کی امید رکھتے تھے۔ ہمایوں کو مشرق میں افغان طاقت کی تیزی سے بڑھتی ہوئی قوت اور گجرات کے حکمران بہادر شاہ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے نمٹنا پڑا۔ شیر خان کے خلاف ہمایوں کی ناکامی کی بڑی وجہ افغان طاقت کی نوعیت کو سمجھنے میں ان کی ناکامی تھی۔

ہمایوں نے خود کو ایک قابل جنرل اور سیاستدان کے طور پر ثابت کیا، جب تک کہ ان کی غلط منصوبہ بندی شدہ بنگال مہم نہ ہوئی۔ شیر خان کے ساتھ دونوں جنگوں میں، شیر خان نے خود کو ایک برتر جنرل کے طور پر ثابت کیا۔ ہمایوں کی زندگی ایک رومانوی کہانی تھی۔ وہ دولت سے غربت میں گئے، اور پھر غربت سے دوبارہ دولت میں واپس آئے۔ ہمایوں نے دہلی میں ایک نیا شہر تعمیر کرنے میں اپنا وقت گزارا، جس کا نام انہوں نے دین پناہ رکھا۔

1555 میں، سور سلطنت کے ٹوٹنے کے بعد، وہ دہلی کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن وہ فتح کے ثمرات سے لطف اندوز ہونے کے لیے زیادہ دیر زندہ نہ رہے۔ وہ دہلی میں اپنے قلعے کی لائبریری کی پہلی منزل سے گر کر وفات پا گئے۔ ان کی پسندیدہ بیوی نے قلعے کے قریب ان کے لیے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا۔ یہ عمارت شمالی ہندوستان میں فن تعمیر کے انداز میں ایک نئے مرحلے کی نشاندہی کرتی ہے، جس کی سب سے قابل ذکر خصوصیت سنگ مرمر کا شاندار گنبد ہے۔

15.7 شیر شاہ اور سرُ سلطنت (1540–55)

شیر شاہ نے 1540 میں 54 سال کی عمر میں دہلی کے تخت پر قبضہ کیا۔ ان کا اصل نام فرید تھا اور ان کے والد جونپور میں

ایک چھوٹے جاگیردار تھے۔فرید نے اپنے والد کی جاگیر کے معاملات دیکھ کر مضبوط انتظامی تجربہ حاصل کیا۔ابراہیم لودھی کی شکست اور موت اور افغان معاملات میں انتشار کے بعد، وہ ایک اہم افغان سردار کے طور پر ابھرے۔شیر خان کا خطاب انہیں ان کے سرپرست نے ایک شیر (شیر) کو مارنے یا خدمات انجام دینے پر دیا۔جلد ہی، شیر خان بہار کے حکمران کے دائیں ہاتھ کے طور پر ابھرے، اور نام کے علاوہ اس کے تمام معاملات کے مالک بن گئے۔یہ بابر کی موت سے پہلے کی بات ہے۔شیر خان کا عروج اچانک نہیں تھا۔

ایک حکمران کے طور پر، شیر شاہ نے شمالی ہندوستان میں محمد بن تغلق کے وقت سے وجود میں آنے والی سب سے طاقتور سلطنت پر حکومت کی۔ان کی سلطنت بنگال سے لے کر سندھ تک پھیلی ہوئی تھی، کشمیر کو چھوڑ کر۔مغرب میں، انہوں نے مالوہ اور تقریباً پورے راجستھان کو فتح کیا۔سُر سلطنت کو کئی لحاظ سے دہلی سلطنت کا تسلسل اور عروج سمجھا جا سکتا ہے، بابر اور ہمایوں کا دور ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا تھا۔شیر شاہ کی سب سے اہم شراکت ان کی سلطنت کے طول وعرض میں قانون اور نظم وضبط کا دوبارہ قیام تھا۔

15.7.1 شیر شاہ کا تعاون

شیر شاہ کی سب سے اہم تعاون ان کی سلطنت کے طول وعرض میں قانون اور نظم وضبط کا دوبارہ قیام تھا۔انہوں نے ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ساتھ سختی سے نمٹا، اور ان زمینداروں کے ساتھ بھی جو زمین کا محصول ادا کرنے سے انکار کرتے تھے یا حکومت کے احکامات کی نافرمانی کرتے تھے۔شیر شاہ کے مورخ عباس خان سروانی ہمیں بتاتے ہیں کہ زمیندار اتنے خوفزدہ تھے کہ ان میں سے کوئی بھی ان کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے یا اپنے علاقوں سے گزرنے والے مسافروں کو پریشان کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

شیر شاہ نے اپنی سلطنت میں تجارت اور مواصلات کو فروغ دینے اور بہتر بنانے پر بہت توجہ دی۔انہوں نے پرانی شاہی سڑک، جسے گرینڈ ٹرنک روڈ کہا جاتا ہے، کو بحال کیا، جو مغرب میں دریائے سندھ سے لے کر مشرق میں سونارگاؤں، بنگال تک جاتی تھی۔انہوں نے آگرہ سے جودھپور اور چتور تک ایک سڑک بھی بنائی، جو بظاہر گجرات کی بندرگاہوں کی سڑک سے جڑتی تھی۔انہوں نے لاہور سے ملتان تک تیسری سڑک تعمیر کی۔ملتان اس وقت مغربی اور وسطی ایشیا جانے والے قافلوں کے لیے اسٹیجنگ پوائنٹ تھا۔

مسافروں کی سہولت کے لیے، شیر شاہ نے ان سڑکوں پر ہر دو کوس (تقریباً آٹھ کلومیٹر) کے فاصلے پر ایک سرائے تعمیر کی۔شیر شاہ نے بڑی تعداد میں سرائیں تعمیر کیں، جن میں سے کچھ آج بھی موجود ہیں، جو ان کی مضبوطی کو ظاہر کرتی ہیں۔ان کی سڑکوں اور سراؤں کو 'سلطنت کی شریانیں' کہا گیا ہے۔انہوں نے ملک میں تجارت اور کاروبار کو تیز کرنے میں مدد کی۔بہت سی سرائیں مارکیٹ ٹاؤنز (قصبوں) میں تبدیل ہو گئیں، جہاں کسان اپنی پیداوار بیچنے کے لیے آتے تھے۔سرائیں خبروں کی خدمت یا ڈاک چوکی کے مراحل کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں۔

شیر شاہ نے تجارت و کاروبار کے فروغ کے لیے کئی اصلاحات متعارف کروائیں۔ اس کی پوری سلطنت میں مال پر کسٹم ڈیوٹی صرف دو مقامات پر وصول کی جاتی تھی: بنگال میں تیار کی گئی اشیاء یا باہر سے درآمد شدہ اشیاء سے کسٹم ڈیوٹی بنگال اور بہار کی سرحد پر سکری گلی میں وصول کی جاتی، اور مغربی وسطی ایشیا سے آنے والے مال پر دریائے سندھ پر کسٹم ڈیوٹی وصول کی جاتی۔ سڑکوں، دریاؤں پر گھاٹوں یا شہروں میں کہیں بھی کسٹم ڈیوٹی لینے کی اجازت نہ تھی۔ مال کی فروخت کے وقت دوسری بار ڈیوٹی لی جاتی تھی۔

اسی طرح سڑکوں پر قتل و غارت کے معاملے میں بھی ایک ہی قانون نافذ کیا گیا۔ یہ قانون بظاہر سخت اور ظالمانہ تھا کہ بے گناہ کو گناہگار کے جرم کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا، لیکن یہ قانون مؤثر ثابت ہوا۔ عباس سرونی کے خوبصورت انداز بیان میں کہا گیا کہ "ایک ضعیف عورت سونے کے زیورات کی ٹوکری سر پر رکھ کر سفر پر روانہ ہو سکتی تھی، اور کوئی چور یا ڈاکو اس کے قریب نہ آتا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شیر شاہ کی طرف سے سخت سزا دی جائے گی۔"

شیر شاہ کے کرنسی نظام میں اصلاحات نے بھی تجارت اور دستکاری کو فروغ دیا۔ اُس نے سونے، چاندی اور تانبے کے خالص اور معیاری سکے جاری کیے جو پہلے کے ناقص اور آمیزش والے سکوں کی جگہ استعمال ہوئے۔ اس کا چاندی کا روپیہ اس قدر معیاری تھا کہ کئی صدیوں تک استعمال میں رہا۔ شیر شاہ نے پورے ملک میں ناپ تول کے ایک جیسے پیمانے نافذ کرنے کی کوشش کی، جو تجارت میں بہت مددگار ثابت ہوئی۔

شیر شاہ نے انتظامی تقسیم میں زیادہ تبدیلی نہیں کی۔ سلاطین دہلی کے دور کی طرح کئی دیہات مل کر ایک پرگنہ بناتے تھے۔ پرگنہ کے انتظام کی نگرانی شقدار کرتا تھا جو امن وامان اور عمومی نظم ونسق کا ذمہ دار ہوتا، جبکہ منصف یا عامل محصول کی وصولی کا کام دیکھتا۔ حساب کتاب فارسی اور مقامی زبان (ہندوی) دونوں میں رکھا جاتا۔ پرگنہ سے اوپر شق یا سرکار کا درجہ ہوتا، جس کے انچارج شقدارِشقداران (فوجدار) اور منصفِ منصفان ہوتے تھے۔ لگتا ہے کہ ان افسران کے صرف عہدوں کے نام نئے تھے۔

شیر شاہ نے زمین محصول، فوج اور عدلیہ پر خصوصی توجہ دی۔ اپنے قابل منتظمین کی ٹیم کے ذریعے اس نے پورے نظام کو مؤثر بنایا۔ اُس نے زمین کی پیمائش پر زور دیا۔ فصلوں کے مطابق نرخ مقرر کیے گئے، اور ریاست کا حصہ تین چوتھائی (1/3) مقرر کیا گیا۔ یہ حصہ بازار کے جاری نرخوں کی بنیاد پر نقد میں بدلا جا سکتا تھا۔

زمینوں کو اچھی، خراب اور درمیانی زمروں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر زمین کی اوسط پیداوار کا تخمینہ لگایا گیا اور اس کا ایک تہائی ریاست کے لیے مقرر کیا گیا۔ کسانوں کو نقد یا اجناس میں ادائیگی کا اختیار دیا گیا، تاہم ریاست نقد کو ترجیح دیتی تھی۔

ہر کسان کو ایک پرچہ (پٹہ) دیا جاتا جس میں اس کی زمین، کاشت شدہ فصل اور واجب الادا رقم درج ہوتی۔ کوئی بھی کسان سے اضافی رقم لینے کا مجاز نہ تھا۔ زمین کی پیمائش کرنے والے کارکنان کو بھی طے شدہ معاوضہ دیا جاتا۔ قحط اور دیگر قدرتی آفات سے بچاؤ کے لیے فی بیگھا اڑھائی سیر کا ٹیکس (سیس) بھی نافذ کیا گیا۔

شیر شاہ کسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بے حد فکرمند تھا۔ وہ کہا کرتا: ''کاشتکار بے قصور ہوتے ہیں، وہ طاقتوروں کی اطاعت کرتے ہیں، اگر میں ان پر ظلم کروں گا تو وہ دیہات چھوڑ جائیں گے، اور ملک تباہ و ویران ہو جائے گا، اور اسے دوبارہ آباد ہونے میں طویل عرصہ لگے گا۔''

شیر شاہ نے وسیع سلطنت کے نظم و نسق کے لیے ایک مضبوط فوج قائم کی۔ اُس نے قبائلی سرداروں کی فوج ختم کی اور خود فوجیوں کی بھرتی کی، جن کا کردار جانچنے کے بعد اُنہیں شامل کیا گیا۔ ہر سپاہی کا حلیہ (چہرہ) اور گھوڑے کی شناخت (داغ) درج کی جاتی تاکہ ناقص گھوڑوں کو استعمال نہ کیا جا سکے۔ یہ نظام علاؤالدین خلجی سے مستعار لیا گیا تھا۔ اُس کی ذاتی فوج کی تعداد تقریباً 1,50,000 سوار، 25,000 پیدل سپاہی، 5,000 ہاتھی اور توپ خانہ پر مشتمل تھی۔ اُس نے مختلف مقامات پر چھاؤنیاں بنائیں اور مضبوط دستے تعینات کیے۔

شیر شاہ نے عدل و انصاف پر بھی زور دیا۔ اس نے ظالموں کو خواہ وہ اُمراء ہوں، قریبی رشتہ دار ہوں یا قبیلے کے افراد، معاف نہیں کیا۔ مختلف مقامات پر قاضی تعینات کیے گئے، لیکن دیہاتی پنچایتیں اور زمیندار مقامی سطح پر مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

شیر شاہ نے دہلی کے قریب دریائے جمنا کے کنارے ایک نیا شہر بسایا۔ اس کا واحد باقی ماندہ نشان ''پرانا قلعہ'' اور اُس کے اندر موجود خوبصورت مسجد ہے۔ اُس نے اہلِ علم کی سرپرستی بھی کی۔ ہندی زبان کی مشہور تخلیق ''پدماوت'' (ملک محمد جائسی) اسی کے دور میں مکمل ہوئی۔ یوں شیر شاہ کا دور افغان طرزِ حکومت کا آئینہ دار رہا جو نسل و قبیلے کی بنیاد پر قائم تھا۔ اصل تبدیلی مغل بادشاہ اکبر کے دور میں آئی۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. پہلی جنگِ پانی پت
2. ہمایوں
3. شیر شاہ کے دور میں زمین محصول
4. شیر شاہ کے دور میں کرنسی

طویل سوالات

1. ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کیسے قائم ہوئی؟ وضاحت کریں۔
2. شیر شاہ کا نظامِ حکومت پر تفصیل سے نوٹ لکھیں۔
3. شیر شاہ نے ہندوستان کی کن کن شعبوں میں خدمات انجام دیں؟ بحث کریں۔

باب 16

اکبر اور مغلیہ نظم ونسق کا استحکام (1556-1605)۔ جہانگیر، شاہجہان، اور اورنگزیب کی خدمات

16.1 تعارف

مغلیہ حکومت کو اکبر نے دوبارہ قائم کیا اور مضبوط انتظامیہ کے ساتھ متعدد نئی پالیسیاں اور سرگرمیاں نافذ کیں، جن کی پیروی بعد میں جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب نے کی۔ ان بادشاہوں نے فن وتعمیر میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں، جن کے شاہکار آج عالمی ورثے (UNESCO Heritage) کا حصہ ہیں۔

16.2 مقاصد

- مغلیہ حکومت کے دوبارہ قیام کو سمجھنا
- پالیسیوں اور ان کے اثرات کا مطالعہ
- امراء اور زمینداروں کا کردار
- زبان، ادب اور موسیقی کی ترقی
- فن اور فنِ تعمیر کی ترقی

16.3 اکتسابی نتائج

- زوال شدہ طاقت کی بحالی کا نظام
- انتظامیہ کو مضبوط بنانا، محصولات کی پیداوار اور زرعی پالیسیوں کا نفاذ
- دکن اور مذہبی پالیسیوں کا اطلاق
- موسیقی کے آلات اور راگ
- کھانے، پکوان اور مٹھائیوں کی اقسام
- مصوری – منی ایچر پینٹنگ
- خطاطی – لکھنے کا فن
- فنِ تعمیر – قلعے اور سنگ مرمر کی یادگاریں

16.4 اکبر(1556-1605)

اکبر(1556-1605)،ظہیر الدین بابر کا پوتا تھا۔اس نے نئی اصلاحات متعارف کروائیں اور مغلیہ سلطنت کا سب سے عظیم حکمران بنا۔اکبر نے بابر کی سلطنت کو مزید وسعت دی۔اسے 1556 میں کلانور میں تخت پر بٹھایا گیا،اس وقت اس کی عمر تیرہ سال اور چار ماہ تھی۔اکبر کو حکومت ایک نازک موقع پر ملی۔آگرہ کے باہر افغانوں کی طاقت بدستور قائم تھی،اور وہ ہیمو کی قیادت میں اپنی طاقت کو دوبارہ منظّم کر رہے تھے۔

ہیمو کی طرف سے خطرہ سب سے زیادہ سنگین سمجھا جاتا تھا۔چنار سے بنگال کی سرحد تک کا علاقہ عادل شاہ کے قبضے میں تھا،جو شیر شاہ سوری کا بھتیجا تھا۔ہیمو،جو پہلے اسلام شاہ کے دور میں بازار کا نگران تھا،تیزی سے ترقی کرتے ہوئے عادل شاہ کا اہم مشیر بن گیا۔وہ اب تک 22 جنگوں میں سے ایک میں بھی شکست نہیں کھا چکا تھا۔

16.5 دوسری جنگِ پانی پت(5 نومبر 1556)

عادل شاہ نے ہیمو کو وزیر بنایا اور اسے "وکرماجیت" کا لقب دیا،اور مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کا کام سونپا۔ہیمو نے آگرہ پر قبضہ کر لیا،اور 50,000 سوار،500 ہاتھی اور مضبوط توپخانے کے ساتھ دہلی کی جانب بڑھا۔

مغل اور افغان فوجوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ 5 نومبر 1556 کو ایک بار پھر پانی پت میں ہوئی۔اگرچہ مغل فوج پہلے ہی ہیمو کی توپوں پر قبضہ کر چکی تھی،لیکن جنگ کا پلڑا ہیمو کے حق میں جھک چکا تھا۔مگر ایک تیر ہیمو کی آنکھ میں لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔قیادت سے محروم افغان فوج شکست کھا گئی،ہیمو گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔اس طرح اکبر کو اپنی سلطنت دوبارہ فتح کرنی پڑی۔

16.6 اکبر کے تحت سلطنت کی توسیع

اکبر کے دور میں مغلیہ سلطنت کی حدود میں مالوہ،نرمدا وادی،مدھیہ پردیش کے شمالی علاقے،راجستھان کا بڑا حصہ، گجرات،بنگال اور بہار شامل ہو گئے۔

16.6.1 اکبر کا نظامِ حکومت

اکبر کے دور میں انتظامیہ کو ترقی ملی،اور اس نے مغلیہ سلطنت کو مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

16.6.2 زمین محصول کا نظام

اکبر کے سامنے سب سے اہم مسئلہ زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کا نظام تھا۔گجرات سے واپسی کے بعد (1573)،اکبر نے ذاتی طور پر اس معاملے پر توجہ دی۔اُس نے پورے شمالی ہند میں " کروری" نامی افسران مقرر کیے۔ان کا

کام ایک کروڑ دام (تقریباً 2,50,000 روپے) کا محصول جمع کرنا اور قنگو ؤں کی فراہم کردہ معلومات کی جانچ کرنا تھا۔ زمین کی اصل پیداوار، مقامی قیمتوں اور زرخیزی کی بنیاد پر اکبر نے 1580 میں "دہسالا نظام" نافذ کیا۔

دہسالا نظام کے تحت مختلف فصلوں کی اوسط پیداوار اور گزشتہ دس (دہ) سالوں کی اوسط قیمتوں کا حساب کیا گیا۔ پیداوار کا ایک تہائی حصہ ریاست کا حق مقرر کیا گیا۔ ریاست کی مانگ نقدی میں کی جاتی تھی، جو اوسط قیمتوں کی بنیاد پر پیداوار کو نقد میں تبدیل کر کے مقرر کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر اگر کسی بیگھا زمین سے جو پیداوار متوقع تھی وہ منوں میں تھی، تو اس کا تخمینہ گزشتہ قیمتوں کی بنیاد پر روپے میں لگا کر ریاستی محصول طے کیا جاتا۔

بعد میں، ایک اور بہتری کی گئی۔ نہ صرف مقامی قیمتوں کو مدنظر رکھا گیا، بلکہ ایک ہی قسم کی پیداوار رکھنے والے پرگنوں کو الگ الگ تشخیصی حلقوں میں گروپ کیا گیا۔ اس طرح، کسان کو مقامی پیداوار اور مقامی قیمتوں کی بنیاد پر ادائیگی کرنے کی ضرورت تھی۔

16.6.3 دہسالا نظام کے فوائد

اس نظام کے کئی فوائد تھے۔ جیسے ہی کسان کے بوئے گئے علاقے کو لوہے کے حلقوں سے جڑی بانسوں کے ذریعے ناپا گیا، کسانوں اور ریاست دونوں کو معلوم ہو گیا کہ واجب الادا رقم کیا ہے۔ اگر خشک سالی، سیلاب وغیرہ کی وجہ سے فصلیں ناکام ہو گئیں تو کسان کو زمین کے محصول میں چھوٹ دی گئی۔ ناپنے کے نظام اور اس پر مبنی تشخیص کو ضبطی نظام کہا جاتا ہے۔ اکبر نے یہ نظام لاہور سے الہ آباد تک کے علاقے میں، اور مالوہ اور گجرات میں متعارف کرایا۔ دہسالا نظام ضبطی نظام کی مزید ترقی تھی۔

ضبطی نظام راجہ ٹوڈرمل سے منسوب ہے، اور کبھی کبھی اسے ٹوڈرمل کا بندوبست کہا جاتا ہے۔ ٹوڈرمل ایک شاندار محصول افسر تھے، جنہوں نے سب سے پہلے شیر شاہ کے تحت خدمات انجام دیں۔ لیکن وہ صرف اکبر کے تحت سامنے آنے والے شاندار محصول افسران کی ایک ٹیم کا حصہ تھے۔ دہسالا نظام ان کی مشترکہ محنت کا نتیجہ تھا۔

اکبر کے تحت تشخیص کے کئی دیگر نظام بھی اپنائے گئے۔ سب سے عام اور شاید سب سے پرانا نظام بٹائی یا غلہ بخشی کہلاتا تھا۔ کسانوں کو بعض شرائط کے تحت ضبطی اور بٹائی کے درمیان انتخاب کرنے کی اجازت دی گئی۔ کپاس، نیل، تیل کے بیج، گنا وغیرہ جیسی فصلوں کی صورت میں ریاستی مطالبہ ہمیشہ نقدی میں ہوتا تھا۔ اس لیے انہیں نقدی فصلیں کہا جاتا تھا۔

اکبر کے دور میں استعمال ہونے والا ایک تیسرا نظام نسق تھا۔ یہ کسان کے ماضی میں ادا کی گئی رقم کی بنیاد پر واجب الادا رقم کا ایک تخمینہ تھا۔ یہ نظام فصلوں کے معائنے اور ماضی کے تجربے کی بنیاد پر تخمینہ لگانے کا مطلب تھا، اور اس طرح پورے گاؤں کے لیے واجب الادا رقم کو طے کرنا۔ اسے کانکوت یا تخمینہ بھی کہا جاتا ہے۔

زمین کے محصول کو طے کرتے وقت، کاشت کی تسلسل کو مدنظر رکھا گیا۔ زمین جو تقریباً ہر سال زیر کاشت رہتی تھی اسے پلوج کہا جاتا تھا۔ جب یہ غیر کاشت شدہ رہتی تو اسے پراتی (پرتی) کہا جاتا تھا۔ پراتی زمین جب کاشت کی جاتی تو مکمل (پلوج) شرح پر محصول ادا کرتی۔ زمین جو دو سے تین سال تک غیر کاشت شدہ رہتی تھی اسے چچر کہا جاتا تھا، اور اس سے زیادہ عرصے تک غیر کاشت شدہ رہنے والی زمین کو بنجر کہا جاتا تھا۔

16.6.4 اکبر کے تحت کاشتکاری میں بہتری

اکبر کاشتکاری کی بہتری اور توسیع میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے عامل کو کسانوں کے لیے والد کی طرح کام کرنے کو کہا۔ عامل کو ضرورت کے وقت کسانوں کو بیج، اوزار، جانور وغیرہ کے لیے قرض (تقوی) کے طور پر رقم فراہم کرنی تھی، اور آسان اقساط میں ان کی وصولی کرنی تھی۔ اکبر کی آبادکاری سترہویں صدی کے آخر تک مغل سلطنت کے زمین کے محصول کے نظام کی بنیاد بنی رہی۔

16.6.5 منصبداری نظام اور فوج

اکبر کو اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور اس پر اپنی گرفت برقرار رکھنے کی ضرورت تھی، اور یہ صرف ایک مضبوط فوج کے ساتھ ممکن تھا۔ اس مقصد کے لیے، ان کے لیے اشرافیہ اور اپنی فوج کو منظّم کرنا ضروری تھا۔ اکبر نے ان دونوں مقاصد کو منصبداری نظام کے ذریعے حاصل کیا۔

اس نظام کے تحت، ہر افسر کو ایک عہدہ (منصب) تفویض کیا گیا۔ سب سے کم عہدہ 10 تھا، اور اشرافیہ کے لیے سب سے زیادہ 5000 تھا۔ شاہی خاندان کے شہزادوں کو اعلیٰ منصب دیے گئے۔ اکبر کے تحت منصب کا نظام بتدریج ترقی یافتہ ہوا۔ شروع میں صرف ایک عہدہ (منصب) تھا۔ چالیسویں سال (95–1594) سے، عہدے دو حصوں میں تقسیم کیے گئے—ذات اور سوار۔ لفظ ذات کا مطلب ذاتی ہے۔ یہ کسی شخص کی ذاتی حیثیت اور اس کے واجب الادا تنخواہ کو طے کرتا تھا۔ سوار کا عہدہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ کسی شخص کو کتنے گھڑسوار (سوار) رکھنے کی ضرورت ہے۔

گھڑسواروں کے علاوہ، تیرانداز، بندوقچی (بندوقچی)، کھدائی کرنے والے اور کان کن بھی دستوں میں بھرتی کیے گئے۔ گھوڑوں کو چھ اقسام میں اور ہاتھیوں کو پانچ اقسام میں معیار کے مطابق درجہ بندی کیا گیا، گھوڑوں اور ہاتھیوں کی تعداد اور معیار کو احتیاط سے تجویز کیا گیا۔ یہ اس لیے تھا کیونکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور ہاتھی بہت قیمتی سمجھے جاتے تھے اور ایک مؤثر فوجی مشین کے لیے ناگزیر تھے۔ ان دنوں فوج کا بنیادی حصہ گھڑسوار اور ہاتھی تھے، حالانکہ توپ خانہ تیزی سے زیادہ اہم ہوتا جا رہا تھا۔ نقل و حمل کا دستہ فوج کو زیادہ متحرک بنانے کے لیے بہت اہم تھا۔

16.6.6 حکومت کی تنظیم

اکبر نے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی تنظیم پر بہت توجہ دی۔ اکبر نے مختلف محکموں کے درمیان اختیارات کی تقسیم، اور چیک اور بیلنس کی بنیاد پر مرکزی انتظامیہ کی مشینری کو دوبارہ منظّم کیا۔

اکبر نے 1580 میں سلطنت کو بارہ صوبوں (صوبوں) میں تقسیم کیا۔ یہ بنگال، بہار، الہ آباد، اودھ، آگرہ، دہلی، لاہور، ملتان، کابل، اجمیر، مالوہ اور گجرات تھے۔ ہر صوبے میں ایک گورنر (صوبیدار)، ایک دیوان، ایک بخشی، ایک صدر، ایک قاضی، اور ایک واقعہ نویس مقرر کیا گیا۔ اس طرح، چیک اور بیلنس کے اصول پر مبنی منظّم حکومت کو صوبوں تک بڑھایا گیا۔

16.6.7 اکبر کی راجپوت پالیسی

اکبر کے راجپوتوں کے ساتھ تعلقات کو ملک کے طاقتور راجاؤں اور زمینداروں کے خلاف مغل پالیسی کے وسیع تر پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اکبر کی راجپوت پالیسی وسیع مذہبی رواداری کی پالیسی کے ساتھ مل کر تھی۔ 1564 میں، انہوں نے جزیہ کو ختم کر دیا، جسے کبھی کبھی علما غیر مسلموں کو ذلیل کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے، اور اکثر اسے مسلم غلبے اور برتری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے اس سے پہلے زائرین کے ٹیکس اور جنگی قیدیوں کے زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے عمل کو ختم کر دیا تھا۔

زیادہ تر اہم راجپوت حکمرانوں نے اکبر کی بالادستی کو قبول کیا اور ان سے ذاتی خراج عقیدت پیش کیا۔ جیسلمیر اور بیکانیر کے حکمرانوں نے بھی اکبر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کیے۔ واحد ریاست جس نے مستقل طور پر مغل بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کیا وہ میواڑ تھی۔ مزید برآں، راجپوت راجاؤں کو بڑی حد تک خود مختاری دے کر، اکبر نے ایک ایسی سلطنت قائم کی جس میں ان راجپوت راجاؤں کے ساتھ اتحاد کیا گیا، جو اپنے بہترین مفادات کے لیے نقصان دہ نہیں سمجھتے تھے۔ اکبر کی راجپوت پالیسی مغل ریاست اور راجپوتوں دونوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ اس اتحاد نے مغل سلطنت کو ہندوستان کے بہادر ترین جنگجوؤں کی خدمات فراہم کیں۔ اکبر کی راجپوت پالیسی کو ان کے جانشینوں، جہانگیر اور شاہ جہاں نے جاری رکھا۔

اس طرح، صدی کے اختتام تک شمالی ہندوستان کا سیاسی انضمام حاصل کر لیا گیا تھا، اور مغلوں نے دکن میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اس وسیع سلطنت کے اندر لوگوں کا ثقافتی اور جذباتی انضمام تیزی سے ترقی کر چکا تھا۔

16.6.8 اکبر کی مذہبی پالیسی

اکبر مذہب اور فلسفے میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ 1575 میں، اکبر نے اپنی نئی دارالحکومت فتح پور سیکری میں ایک ہال تعمیر کیا، جسے عبادت خانہ یا دعا کا ہال کہا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے منتخب علما، صوفیاء، اور اپنے درباریوں اور اشرافیہ کو بلایا، جو اپنی علمی اور فکری کامیابیوں کے لیے مشہور تھے۔ اکبر نے ان کے ساتھ مذہبی اور روحانی موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔

بعد میں، اکبر نے عبادت خانہ کو تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے کھول دیا — عیسائی، زرتشتی، ہندو، جین، یہاں تک کہ ملحد۔ اس سے مباحثے وسیع ہو گئے، اور بحثیں شروع ہو گئیں۔ عبادت خانہ میں ہونے والی بحثوں نے مختلف مذاہب کے درمیان بہتر تفہیم پیدا نہیں کی، بلکہ بہت زیادہ تلخی پیدا کی، کیونکہ ہر مذہب کے نمائندے دوسروں کی مذمت کرتے تھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ ان کا مذہب دوسروں سے برتر ہے۔

اکبر امرا اور دیگر لوگوں کا ایک گروہ چاہتے تھے جو ذاتی طور پر ان کے وفادار ہوں، اور سلح کول پر مبنی ریاست کے ان کے تصور میں ان کی حمایت کریں، یعنی تمام طبقوں کے لیے مساوی رواداری اور احترام، قطع نظر ان کے مذہبی عقائد کے۔ اکبر نے دوسرے طریقوں سے بھی سلح کول یا مذاہب کے درمیان امن وہم آہنگی کے تصور پر زور دینے کی کوشش کی۔

16.6.9 اکبر کی سماجی اصلاحات

اکبر نے کئی سماجی اصلاحات بھی متعارف کروائیں۔ اس نے ستی، ایک بیوہ کو جلانے سے روکنے کی کوشش کی، جب تک کہ وہ خود اپنی مرضی سے مسلسل اس کی خواہش نہ کرے۔ بیوہ کی دوبارہ شادی کو بھی قانونی حیثیت دی گئی۔ شادی کی عمر لڑکیوں کے لیے 14 اور لڑکوں کے لیے 16 بڑھادی گئی۔ شراب اور اسپرٹ کی فروخت پر پابندی تھی۔

16.6.10 اکبر کی تعلیمی اصلاحات

اکبر نے تعلیمی نصاب میں بھی ترمیم کی، جس میں اخلاقی تعلیم اور ریاضی، اور سیکولر مضامین جیسے زراعت، جیومیٹری، فلکیات، حکومت کے اصول، منطق، تاریخ وغیرہ پر زیادہ زور دیا گیا۔ انہوں نے فنکاروں، شاعروں، مصوروں اور موسیقاروں کو بھی اس قدر سرپرستی دی کہ ان کا دربار نورتن کے نام سے مشہور مشہور لوگوں کی کہکشاں کے لیے مشہور ہو گیا۔ اس طرح، اکبر کے دور میں، ریاست بنیادی طور پر سیکولر، لبرل اور سماجی معاملات میں روشن خیال اور ثقافتی یکجہتی کو فروغ دینے والی بن گئی۔

16.5 جہانگیر (1605-27) شاہ جہان (1628-1658) - اور اورنگ زیب (1658-1707)

اکبر کا سب سے بڑا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ اکبر کی طرح جہانگیر نے بھی محسوس کیا کہ فتح طاقت کی بنیاد پر نہیں بلکہ لوگوں کی خیر سگالی کو حاصل کرنے کی بنیاد پر ہوگی۔

1622 تک، جہانگیر نے ملک امبر کو پیچھے چھوڑ دیا، میواڑ کے ساتھ طویل تنازعہ کو ختم کیا، اور بنگال کو پرسکون کیا۔ جہانگیر ابھی کافی جوان تھا (51) اور ایسا لگتا تھا کہ امن کا ایک طویل دور آنے والا ہے۔ لیکن صورتحال کو دو پیش رفتوں نے یکسر تبدیل کر دیا - قندھار کی فارسی فتح جو مغل وقار کے لیے ایک دھچکا تھی، اور جہانگیر کی صحت کی بڑھتی ہوئی ناکامی جس نے شہزادوں کے درمیان جانشینی کے لیے پوشیدہ جدوجہد کو بے نقاب کیا، اور امرا کی طرف سے اقتدار کے لیے جوکی کا باعث بنی۔ ان پیش رفتوں نے نور جہاں کو سیاسی میدان میں دھکیل دیا۔

16.7.1 نور جہان

مینا بازار میں نور جہاں سے جہانگیر کی ملاقات۔ جہانگیر نے 1611 میں نور جہاں سے شادی کی۔ اس کا خاندان قابل احترام تھا، اور اس کے والد، اعتماد داؤلا، چیف دیوان کے عہدے پر فائز ہوئے۔ خاندان کے دیگر افراد کو بھی اس اتحاد سے

فائدہ ہوا، ان کے منساب میں اضافہ کیا گیا۔ اتماڈ وداؤلا قابل، قابل اور وفادار ثابت ہوا، اور دس سال بعد اپنی موت تک ریاست کے معاملات میں کافی اثر ورسوخ رکھتا رہا۔ نور جہاں کے بھائی آصف خان بھی ایک تعلیم یافتہ اور قابل آدمی تھے۔ اسے خان سمن مقرر کیا گیا، یہ عہدہ امرا کے لیے مخصوص تھا جن پر شہنشاہ کو مکمل اعتماد تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی شادی خرم (شاہ جہاں) سے کر دی نور جہاں نے ایک گروپ یا 'جنتا' تشکیل دیا جسے نور جہاں کے نام سے جانا جاتا ہے، 'جنتا' جس نے جہانگیر کو 'منظّم' کیا تا کہ اس کی حمایت اور حمایت کے بغیر کوئی بھی اس کے کیریئر میں آگے نہ بڑھ سکے۔

سکے نور جہاں کے نام سے جاری کیے گئے، اور انہیں بادشاہ بیگم کا خطاب دیا گیا۔ اہم رئیس اسے واقعات سے آگاہ کرنے اور شہنشاہ کے ساتھ اس کی مداخلت کو محفوظ بنانے کے لیے فون کرتے تھے۔ اس نے شاہی گھرانے پر غلبہ حاصل کیا اور فارسی روایات پر مبنی نئے فیشن قائم کیے۔ اس کی حیثیت کی وجہ سے فارسی فن اور ثقافت نے دربار میں بہت وقار حاصل کیا۔

نور جہاں جہانگیر کی مستقل ساتھی تھی، اور یہاں تک کہ اس کے شکار کی مہمات میں اس کے ساتھ شامل ہوگئی کیونکہ وہ ایک اچھی سوار اور یقینی شاٹ تھی۔ اس طرح، وہ جہانگیر کو متاثر کر سکتی تھی، اور بہت سے لوگوں نے ان کی طرف سے بادشاہ کے ساتھ ثالثی کے لیے اس سے رابطہ کیا۔ مغل حکومت میں اس سے پہلے کوئی عورت اتنے اہم عہدے پر نہیں پہنچی تھی۔

16.7.2 شاہ جہان (1628-58)

شاہ جہاں مغل خاندان کے بہترین حکمرانوں میں سے ایک تھے۔ اس میں سلطنت کو نئی سمت دینے کی صلاحیت تھی۔ شاہ جہاں کے پاس قابل ذکر فوجی مہارتیں تھیں جس نے انہیں شہزادہ ہونے کے باوجود ایک ممکنہ حکمران بنا دیا۔ وہ راجپوتوں کی ریاست میواڑ کو شکست دے سکتا تھا جسے اس کے دادا اکبر شکست نہیں دے سکتے تھے۔ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ شاہ جہاں ایک قابل شہزادہ تھا جو بادشاہ بننے سے پہلے ہی بنگال، دکن، گجرات، دہلی اور بہار پر حکومت کر چکا تھا۔ انہوں نے فوجیوں کو موثر تربیت فراہم کر کے سلطنت کی فوج کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے ایسے ہتھیار تیار کرنے کی پہل بھی کی جو جنگ کے لیے ضروری تھے۔

ان کی ذاتی زندگی کی چھان بین کرتے ہوئے دیکھا جائے گا کہ شاہ جہاں نے کئی بار شادی کی جوان کے دور کی روایت تھی۔ وہ ارجمند بانو سے سب سے زیادہ پیار کرتا تھا جسے ممتاز محل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ارجنا بانو 1631 میں اپنے بچے کو جنم دیتے ہوئے فوت ہوگئی۔ اورنگ زیب شاہ جہاں کا بیٹا تھا، جس نے آخر میں اپنے زوال تک مغل سلطنت پر حکومت کی جس سے مغل سلطنت کی شان وشوکت کا خاتمہ ہوا۔ یہ معلوم ہے کہ شاہ جہاں کی دیکھ بھال ممتاز محل کی سب سے بڑی بیٹی نے کی تھی جب وہ 8 سال تک اس کے ساتھ قید میں رہیں۔

16.7.3 غیر ملکی پالیسی

شاہ جہاں کا دور حکومت (1628-58) یک طرفہ سرگرمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت مغربی ایشیا کی سب سے طاقتور سلطنت عثمانی ترکوں کی تھی۔ مغرب کی طرف سے عثمانی خطرے نے فارسیوں کو مغلوں سے دوستی کرنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں کو ترکی کے ساتھ قریبی تعلقات کی فکر تھی کیونکہ وہ خلافت کے جانشین کے طور پر ترک سلطان کی طرف سے کیے گئے برتری کے دعوے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ کچھ ایسے عوامل تھے جنہوں نے مغلوں کی خارجہ پالیسی کو شکل دی۔

دوم، مغلوں نے اس وقت کے سرکردہ ایشیائی ممالک کے ساتھ مساوات کے تعلقات پر اصرار کیا، دونوں صفوی کے ساتھ، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلقات کی وجہ سے ایک خاص مقام کا دعوی کیا تھا، اور عثمانی سلطانوں کے ساتھ جنہوں نے بادشاہ اسلام کا لقب اختیار کیا تھا اور بغداد کے خلیفہ کے جانشین ہونے کا دعوی کیا تھا۔

تیسری بات، مغلوں نے اپنی خارجہ پالیسی کو ہندوستان کے تجارتی مفادات کو فروغ دینے کے لیے استعمال کیا۔ کابل اور قندھار وسطی ایشیا کے ساتھ ہندوستان کی تجارت کے جڑواں دروازے تھے۔

16.7.4 نظم ونسق

اکبر کی تیار کردہ انتظامی مشینری اور محصول کے نظام کو جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں معمولی ترامیم کے ساتھ برقرار رکھا گیا۔ تاہم، من سبداری نظام کے کام کاج میں اہم تبدیلیاں کی گئیں۔

مغلوں نے مخلوط دستوں کی حمایت کی، جن میں ایرانی اور تورانی مغلوں، ہندوستانی افغانوں اور راجپوتوں سے مقررہ تناسب میں مرد شامل تھے۔ یہ قبائلی یا اخلاقی استثنی کے جذبے کو توڑنے کے لیے تھا۔ مغلوں کا منسابداری نظام ایک پیچیدہ نظام تھا۔ اس کے موثر کام کاج کا انحصار کئی عوامل پر تھا، جن میں ڈاگ (برانڈنگ) نظام اور جاگیرداری نظام کا مناسب کام کرنا شامل ہے۔

16.7.5 مغل فوج

گھڑسوار فوج مغل فوج کا بنیادی بازو تھا اور اس کا بھاری تناسب من سبداروں نے فراہم کیا۔ منصبوں کے علاوہ، مغل شہنشاہ انفرادی فوجیوں کی تفریح کرتے تھے، جنہیں اہیدی کہا جاتا تھا۔ حوادیوں کو جنٹل مین-ٹرو پر کہا جاتا ہے اور انہیں دوسرے فوجیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ شہنشاہوں نے شاہی محافظوں (والشاہیوں) اور مسلح محل محافظوں کی ایک فوج کو برقرار رکھا۔ وہ گھڑسوار تھے لیکن قلعے اور محل میں پیدل خدمات انجام دیتے تھے۔

فوٹ مین (پیادگن) نے ایک متعدد لیکن متفرق جسم تشکیل دیا۔ ان میں سے بہت سے میچ لاک اٹھانے والوں (بندوقی) پر مشتمل تھے اور انہیں ماہانہ تین سے سات روپے کے درمیان تنخواہ ملتی تھی۔ یہ پیدل فوج کا حق تھا۔ لیکن پیدل

فوجیوں میں پورٹر، نوکر، نیوزرنر، تلوار باز، پہلوان اور غلام بھی شامل تھے۔

مغل بادشاہوں کے پاس جنگی ہاتھیوں کا ایک بڑا ٹھکانہ اور توپ خانے کا ایک منظّم پارک بھی تھا۔ توپ خانے دو حصوں پر مشتمل ہوتے تھے- بھاری بندوقیں جو قلعوں کے دفاع یا حملہ کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ یہ اکثر عجیب وغریب اور منتقل کرنا مشکل ہوتا تھا۔ دوسرا ہلکا توپ خانہ تھا جو انتہائی متحرک تھا اور جب چاہے شہنشاہ کے ساتھ چلا جاتا تھا۔

مغل، بشمول ایشیائی طاقتیں، سوائے ترکی اور سلطنت عمان کے، بحری میدان میں، خاص طور پر سمندری جنگ کے میدان میں کمی تھی۔ مجموعی طور پر فوج، خاص طور پر گھڑ سوار فوج، جاگیردارانہ نظام سے قریب سے جڑی ہوئی تھی، جو بدلے میں ملک میں رائج زمینی تعلقات کے جاگیردارانہ نظام پر مبنی تھا۔ بالآخر ایک کی طاقت اور کارکردگی کا انحصار دوسرے پر تھا۔

16.8 اورنگ زیب (1658-1707)

اورنگ زیب نے تقریباً 50 سال حکومت کی۔ اس کے طویل دور حکومت میں مغل سلطنت اپنے علاقائی عروج پر پہنچ گئی۔ اپنے عروج پر، یہ شمال میں کشمیر سے لے کر جنوب میں جنجی تک اور مغرب میں ہندوکش سے لے کر مشرق میں چٹاگانگ تک پھیلا ہوا تھا۔ اورنگ زیب ایک محنتی حکمران ثابت ہوئے، اور انہوں نے حکومت کے کاموں میں خود کو یا اپنے ماتحتوں کو کبھی نہیں چھوڑا۔ ان کے خطوط ریاست کے تمام امور پر ان کی گہری توجہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

16.8.1 اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی

اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کو سماجی، اقتصادی اور سیاسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ اورنگ زیب اپنے نقطہ نظر میں قدامت پسند تھے اور انہوں نے بڑے پیمانے پر اسلامی قانون کے فریم ورک کے اندر رہنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ قانون ہندوستان سے باہر بہت مختلف حالات میں تیار ہوا تھا، اور ہندوستان پر شاید ہی سختی سے لاگو کیا جا سکتا تھا۔ کئی مواقع پر اپنی غیر مسلم رعایا کی حساسیت کا احترام کرنے میں اس کی ناکامی، اس کی ایک ایسی پالیسی کا اعلان جس کی وجہ سے بہت سے پرانے مندروں کی تباہی ہوئی، اور اسلامی قانون کے مطابق جزیہ کو دوبارہ نافذ کرنے سے اسے مسلمانوں کو اپنے ساتھ اکٹھا کرنے، یا اسلامی قانون پر مبنی ریاست کے تئیں وفاداری کا زیادہ احساس پیدا کرنے میں مدد نہیں ملی۔

16.8.2 اورنگ زیب کی ترک کرنے کی پالیسی

تخت نشین ہونے پر، اورنگ زیب کو دکن میں دو مسائل کا سامنا کرنا پڑا: شیواجی کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے پیدا ہونے والا مسئلہ، اور بیجاپور کو 1636 کے معاہدے کے ذریعے اس کے حوالے کیے گئے علاقوں سے الگ ہونے پر آمادہ کرنے کا مسئلہ۔ مغلوں نے عملی طور پر 1668 اور 1676 کے درمیان دکن میں وقت کا تعین کیا۔ اس عرصے کے دوران ایک نیا عنصر گولکنڈہ میں مدنا اور اکھنا کا اقتدار میں آنا تھا۔

بیجاپور اور گولکنڈہ کے زوال کے بعد اورنگ زیب اپنی تمام افواج کو مراٹھوں کے خلاف مرکوز کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ 1690 اور 1703 کے درمیان کے عرصے کے دوران، اورنگ زیب نے مراٹھوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ 1700 سے 1705 تک ساڑھے پانچ سال تک اورنگ زیب نے اپنے تھکے ہوئے اور بیمار جسم کو ایک قلعے کے محاصرے سے دوسرے قلعے تک گھسیٹا۔ سیلاب، بیماری اور مراٹھا گھومنے والے گروہوں نے مغل فوج کو خوف زدہ کر دیا۔

1706 تک، اورنگ زیب کو تمام مراٹھا قلعوں پر قبضہ کرنے کی اپنی کوششوں کے بے سود ہونے کا یقین ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اورنگ آباد کی طرف پیچھے ہٹ گیا جب کہ ایک پرجوش مراٹھا فوج ادھر ادھر گھوم رہی تھی اور حملہ آوروں پر حملہ کر دیا۔ اس طرح 1707 میں جب اورنگ زیب نے اورنگ آباد میں آخری سانس لی تو انہوں نے اپنے پیچھے ایک ایسی سلطنت چھوڑی جو انتہائی پریشان کن تھی اور جس میں تمام اندرونی مسائل سر پر آ رہے تھے۔

16.9 مغل سلطنت کا خاتمہ

مغل سلطنت کا زوال اور زوال معاشی، سماجی، سیاسی اور ادارہ جاتی عوامل کی وجہ سے ہوا۔ مغل حکمران طبقے کی طرف سے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو نظر انداز کرنا بھی ایک اہم عنصر تھا۔

اورنگ زیب کی موت کے بعد مغل سلطنت کا تیزی سے زوال ہوا۔ مغل دربار امرا کے درمیان جزوی لڑائی کا منظر بن گیا، اور جلد ہی مہتوا کانکشی صوبائی گورنروں نے آزادانہ انداز میں برتاؤ کرنا شروع کر دیا۔ مراٹھا غلبے دکن سے سلطنت کے مرکز، گنگا کے میدانی علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ سلطنت کی کمزوری کا اعلان دنیا کے سامنے اس وقت ہوا جب نادر شاہ نے مغل بادشاہ کو قید کیا اور 1739 میں دہلی کو لوٹ لیا۔

16.9 مغلوں کے تحت معاشی اور سماجی زندگی

اقتصادی اور سماجی شعبوں میں اکبر کی آمد سے لے کر سترہویں صدی کے آخر تک کے دور کو ایک سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی بنیادی تبدیلیاں نہیں ہوئیں حالانکہ اس میں اہم سماجی اور معاشی پیش رفت ہوئی تھی۔

اس عرصے کے دوران، بہت سے یورپی تاجر اور مسافر- رالف فچ، ڈی لایٹ، نکیتن، ہندوستان آئے، اور ان میں سے کچھ نے ملک کے سماجی اور معاشی حالات کے بارے میں معلومات چھوڑی ہیں۔ عام طور پر، انہوں نے ایک طرف ہندوستان کی دولت اور خوشحالی اور حکمران طبقات کے شاندار طرز زندگی پر زور دیا ہے، اور دوسری طرف عام لوگوں- کسانوں، کاریگروں اور مزدوروں کی غربت پر زور دیا ہے۔

کھانے کے حوالے سے، چاول، باجرا اور دالوں (جسے پیلسیرٹ اور ڈی لایٹ کھچیری کہتے ہیں) نے بنگال اور ساحلوں میں مچھلی اور جنوبی جزیرہ نما میں گوشت کے ساتھ ساتھ بنیادی غذا تشکیل دی۔ شمالی ہندوستان میں، گندم یا موٹے اناج

سے بنی چاپٹیاں، دالوں اور سبز سبزیوں کے ساتھ عام تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عام لوگ شام کو اپنا بنیادی کھانا کھاتے تھے، اور دن میں دال یا دیگر خشک اناج چباتے تھے۔ اس وقت گھی اور تیل اناج سے بہت سستے تھے، اور ایسا لگتا ہے کہ یہ غریب آدمی کی خوراک کا ایک اہم حصہ تھے۔ لیکن نمک اور چینی زیادہ مہنگی تھی۔

ایشیا اور افریقہ کے بہت سے دوسرے ممالک کے برعکس، ہندوستان کی معیشت بہت متنوع تھی، جس میں گندم، چاول، چنا، جو، دالوں، باجرے وغیرہ جیسی فصلوں کی ایک بڑی قسم کی کاشت کے ساتھ ساتھ ایسی فصلیں بھی تھیں جو تیاری کے لیے استعمال ہوتی تھیں اور جن پر مقامی طور پر کارروائی کی جاسکتی تھی۔ یہ کپاس، نیل، چائی (سرخ رنگ) گنا، تیل کے بیج وغیرہ تھے۔ یہ فصلیں زیادہ شرح پر زمینی محصول ادا کرتی تھیں، اور ان کی ادائیگی نقد میں کرنی پڑتی تھی۔ اس لیے انہیں اکثر نقدی فصلیں یا اعلیٰ فصلیں کہا جاتا ہے۔

اس طرح، ہندوستانی زراعت توازن پر، موثر تھی اور اس نے اس عرصے کے دوران مینوفیکچرنگ کے شعبے اور تجارت کی ترقی میں ایک قطعی کردار ادا کیا۔

جہاں تک شہروں کا تعلق ہے، سب سے بڑا طبقہ غریبوں پر مشتمل تھا- کاریگر، نوکر اور غلام، سپاہی، دستی مزدور وغیرہ۔ یورپی مسافروں کے مطابق سب سے نچلے درجے کے نوکر کی تنخواہ دو روپے ماہانہ سے بھی کم ہوتی تھی۔

16.11 حکمران کلاسیں: نوبل اور زمیندار

شرافت، زمینداروں، زمینداروں کے ساتھ مل کر، قرون وسطی کے ہندوستان میں حکمران طبقے کی تشکیل کی۔ سماجی اور معاشی طور پر، مغل شرافت نے ایک مراعات یافتہ طبقہ تشکیل دیا۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں مختلف سطحوں پر بہت سے کیستھ اور کھتری ملازم تھے۔ ان میں سے چند کو رئیس کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ اگرچہ مغل امرا کو بہت زیادہ تنخواہیں ملتی تھیں، لیکن ان کے اخراجات بھی بہت زیادہ تھے۔ ہر رئیس نوکروں اور خدمت گاروں کی ایک بڑی ٹرین، اور گھوڑوں، ہاتھیوں وغیرہ کا ایک بڑا اسٹبل اور ہر قسم کی نقل و حمل کو برقرار رکھتا تھا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے خواتین کا ایک بڑا حرم برقرار رکھا، جو ان زمانے میں ایک معزز مرد کے لیے معمول سمجھا جاتا تھا۔

16.12 درمیانی سمت

درمیانی ریاست کا مطلب ایک ایسا طبقہ ہے جس کا معیار زندگی امیر اور غریب کے درمیان تھا، اس طرح کے حصے مغل ہندوستان میں بڑے تھے۔ ان میں چھوٹے منسابدار، چھوٹے دکاندار اور ماہر کاریگروں کا ایک چھوٹا لیکن اہم طبقہ شامل تھا۔ اس میں پیشہ ور افراد کا طبقہ بھی شامل تھا- حکیم، سرکردہ موسیقار اور فنکار، مورخین، اسکالرز، قاضی اور عالم دین، اور چھوٹے عہدیداروں یا قلم چلانے والوں کا بڑا طبقہ، جو بڑے اور بڑھتے ہوئے مغل انتظامی آلات چلاتے تھے۔ وہ مختلف مذہبی گروہوں اور ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔

16.13 تجارت اور کاروبار کی تنظیم

ہندوستانی تجارتی طبقات بڑی تعداد میں تھے، جو پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے، اچھی طرح منظّم اور انتہائی پیشہ ور تھے۔ کچھ نے طویل فاصلے، بین علاقائی تجارت، اور کچھ نے مقامی، خوردہ تجارت میں مہارت حاصل کی۔ پہلے کو سیٹھ، بوہرا یا مودی کہا جاتا تھا، جبکہ دوسرے کو بیوپارس یا بنیک کہا جاتا تھا۔ خوردہ اشیا کے علاوہ، بنکوں کے اپنے ایجنٹ تھے، دیہاتوں اور قصبوں میں، جن کی مدد سے وہ اناج اور نقد فصلیں خریدتے تھے۔

تاجروں کا ایک خاص طبقہ تھا، بنجارا، جو بڑی مقدار میں سامان لے جانے میں مہارت رکھتے تھے۔ بنجارے طویل فاصلے طے کرتے تھے، بعض اوقات ہزاروں بیل اناج، دال، گھی، نمک وغیرہ لے کر جاتے تھے۔ زیادہ مہنگا سامان، جیسے کپڑے، ریشم وغیرہ، اونٹوں اور خچروں یا گاڑیوں میں لدے ہوتے تھے۔

کھانے پینے کی اشیا کی تجارت اور ٹیکسٹائل مصنوعات کی ایک وسیع رینج اس عرصے کے دوران بین علاقائی تجارت کے سب سے اہم اجزاء تھے۔ بنگال چینی اور چاول کے ساتھ ساتھ نازک ململ اور ریشم بھی برآمد کرتا تھا۔ کورومنڈل کا ساحل ٹیکسٹائل کی پیداوار کا مرکز بن گیا تھا، اور ساحل کے ساتھ ساتھ اور دکن کے اس پار گجرات کے ساتھ اس کی تیز تجارت تھی۔

سلطنت میں ان کے داخلے کے مقام پر اشیا پر ٹیکس عائد کیے جاتے تھے۔ روڈ سیس یا رہداری کو غیر قانونی قرار دیا گیا، حالانکہ کچھ مقامی راجاؤں نے اسے جمع کرنا جاری رکھا۔ مغلوں نے پوری سلطنت میں بکھرے ہوئے ٹکسالوں سے اعلیٰ پاکیزگی کے چاندی کے روپے بنائے۔ کوئی بھی تاجر چاندی کو شاہی ٹکسال تک لے جا سکتا تھا، اور بٹا (رعایت) کی ادائیگی کے بدلے میں سکے رکھ سکتا تھا۔ مغل روپیہ ہندوستان اور بیرون ملک میں ایک معیاری سکہ بن گیا اور اس طرح ہندوستان کی تجارت میں مدد ملی۔

رالف فچ کے مطابق آگرہ اور فتح پور سیکری لندن سے بڑے تھے، جو اس وقت یورپ کے سب سے بڑے شہروں میں سے ایک تھا۔ اکبر کے دربار میں آنے والے جیسوئٹ پادری مونسیر یٹ کا کہنا ہے کہ لاہور یورپ یا ایشیا کے کسی بھی شہر سے پیچھے نہیں تھا۔ برنیر، جنہوں نے سترہویں صدی کے وسط میں لکھا تھا، کہتے ہیں کہ دہلی پیرس سے کم نہیں تھی، اور آگرہ دہلی سے بڑا تھا۔ اس عرصے کے دوران، مغرب میں احمد نگر اور برہان پور، شمال مغرب میں ملتان، اور مشرق میں پٹنہ، راج محل اور ڈھاکہ بڑے شہر بن گئے۔

16.14 غیر ملکی تجارت اور یورپی تاجر

مغلوں کے دور میں ہندوستان اور بیرونی دنیا کے درمیان تیزی سے تجارت ہوتی تھی۔ ہندوستان نے جنوب مشرقی اور مغربی ایشیا کے بہت سے ممالک کو کھانے پینے کی اشیا جیسے چینی، چاول وغیرہ کی فراہمی کی، اور ہندوستانی ٹیکسٹائل نے خطے کی تجارت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان کو جن اشیا کو درآمد کرنے کی ضرورت تھی وہ کچھ دھاتیں تھیں، جیسے ٹن اور تانبے، جن کی پیداوار نا کافی تھی (ٹن کانسی بنانے کے لیے استعمال ہوتا تھا) کھانے اور دواؤں کے مقاصد کے لیے کچھ مصالحے، جنگی گھوڑے اور عیش وعشرت کی اشیاء (جیسے ہاتھی دانت) تجارت کا سازگار توازن سونے اور چاندی کی درآمد سے پورا ہوا۔

سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران، بہت سے دوسرے یورپی تاجر، خاص طور پر پرتگالی، ڈچ، انگریز اور بعد میں فرانسیسی تجارت کے مقاصد کے لیے ہندوستان آئے۔ یہ کاروبار زراعت اور مینوفیکچرنگ کے شعبوں میں تیزی سے توسیع کے نتیجے میں یورپی معیشت کی ترقی کا براہ راست نتیجہ تھا۔

16.15 مغلوں کے تحت ثقافتی ترقی

مغل حکومت کے تحت ہندوستان میں کثیر جہتی ثقافتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ فن تعمیر، مصوری، ادب اور موسیقی کے شعبے میں اس عرصے کے دوران پیدا ہونے والی روایات نے ایک معیار قائم کیا اور آنے والی نسلوں کو گہرائی سے متاثر کیا۔ اس لحاظ سے مغل دور کو شمالی ہندوستان میں موریہ دور کے بعد دوسرا کلاسیکی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس ثقافتی ترقی میں، ہندوستانی روایات کو مغلوں کے ذریعے ملک میں لائی گئی ترک-ایرانی ثقافت کے ساتھ ملا دیا گیا۔

16.15.1 آرٹ اور آرکیٹیکچر

مغلوں نے شاندار قلعے، محلات، دروازے، عوامی عمارتیں، مساجد، باؤلی (پانی کی ٹینک یا کنواں) وغیرہ بنائے۔ انہوں نے بہتے ہوئے پانی کے ساتھ بہت سے رسمی باغات بھی بنائے۔ درحقیقت بہتے ہوئے پانی کا استعمال یہاں تک کہ ان کے محلات اور تفریحی مقامات میں بھی مغلوں کی ایک خاص خصوصیت تھی۔ بابر کو باغات کا بہت شوق تھا اور اس نے آگرہ اور لاہور کے پڑوس میں کچھ باغات رکھے تھے۔ کچھ مغل باغات، جیسے کشمیر میں نشاط باغ، لاہور میں شالیمار، پنجاب کے دامن میں پنجور باغ وغیرہ آج تک زندہ ہیں۔ شیر شاہ نے فن تعمیر کو ایک نئی تحریک دی۔ سا سارام (بہار) میں ان کا مشہور مقبرہ اور دہلی کے پرانے قلعے میں ان کی مسجد کو تعمیراتی عجائبات سمجھا جاتا ہے۔ وہ مغلوں سے پہلے کے طرز تعمیر کا عروج اور نئے طرز تعمیر کا نقطہ آغاز بناتے ہیں۔

1572 میں، اکبر نے آگرہ سے 36 کلومیٹر دور فتح پور سیکری میں ایک محل اور قلعہ کا کمپلیکس شروع کیا، جسے اس نے آٹھ سالوں میں مکمل کیا۔ ایک پہاڑی کے اوپر ایک بڑی مصنوعی جھیل کے ساتھ تعمیر کی گئی، اس میں گجرات اور بنگال کے انداز کی بہت سی عمارتیں شامل تھیں۔ جہانگیر کے دور حکومت کے اختتام پر مکمل طور پر سنگ مرمر کی عمارتیں لگانے اور دیواروں کو نیم قیمتی پتھروں سے بنے پھولوں کے ڈیزائن سے سجانے کا رواج شروع ہوا۔ سجاوٹ کا یہ طریقہ، جسے پیٹرا دور کہا جاتا ہے، شاہ جہاں کے دور میں اور بھی زیادہ مقبول ہوا جس نے اسے تاج محل میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا، جسے معمار کے فن کا زیور سمجھا

جاتا ہے۔تاج محل نے مغلوں کی تیار کردہ تمام تعمیراتی شکلوں کوخوشگوار انداز میں اکٹھا کیا۔اکبر کے دور حکومت کے آغاز میں دہلی میں بنایا گیا ہمایوں کا مقبرہ،جس میں سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا گنبد تھا،تاج کا پیش خیمہ سمجھا جاسکتا ہے۔

تاج محل نے مغلوں کی تیار کردہ تمام تعمیراتی شکلوں کوخوشگوار انداز میں اکٹھا کیا۔اکبر کے دور حکومت کے آغاز میں دہلی میں بنایا گیا ہمایوں کا مقبرہ،جس میں سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا گنبد تھا،تاج کا پیش خیمہ سمجھا جاسکتا ہے۔شاہ جہاں کے دور میں مسجد کی تعمیر بھی اپنے عروج پر پہنچی،دوسب سے قابل ذکر آگرہ کے قلعے میں موتی مسجد ہے،جومکمل طور پر سنگ مرمر میں تاج کی طرح تعمیر کی گئی تھی،اور دوسری دہلی کی جامع مسجد جوسرخ ریتیلے پتھر سے بنی تھی۔ایک بلند دروازہ،لمبے،پتلی مینار،اور گنبدوں کا ایک سلسلہ دہلی کی جامع مسجد کی ایک خصوصیت ہے۔

ہندوستانی اور ترک-ایرانی شکلوں اور آرائشی ڈیزائنوں کے امتزاج پر مبنی مغل تعمیراتی روایات اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اوائل تک بغیر کسی وقفے کے جاری رہیں اور مغل روایات نے بہت سی صوبائی اور مقامی سلطنتوں کے محلات اور قلعوں کومتاثر کیا۔

16.15.2 مصوری

مغلوں نے مصوری کے میدان میں نمایاں تعاون کیا۔انہوں نے عدالت،جنگ کے مناظر اور تعاقب کی عکاسی کرنے والے نئے موضوعات متعارف کروائے،اور نئے رنگ اور نئی شکلیں شامل کیں۔مغل مصوری جہانگیر کے دور میں عروج پر پہنچی جس کی آنکھ بہت امتیازی تھی۔مغل اسکول میں لوگوں کے چہروں،جسموں اور پیروں کو ایک ہی تصویر میں مختلف فنکاروں کے ذریعے پینٹ کرنا ایک فیشن تھا۔

شکار،جنگ اور درباری مناظر کی پینٹنگ کے علاوہ جہانگیر کے تحت پورٹریٹ پینٹنگ اور جانوروں کی پینٹنگ میں خاص ترقی ہوئی۔اس شعبے میں منصور بہت بڑا نام تھا۔پورٹریٹ پینٹنگ بھی فیشن بن گئی۔راجستھان طرز مصوری نے مغربی ہندوستان کے موضوعات اور ابتدائی روایات یا جین طرز مصوری کو مغل شکلوں اور اندازوں کے ساتھ ملایا۔

16.15.3 زبان،ادب اور موسیقی

کل ہند سطح پر فکر اور حکومت کی گاڑی کے طور پر فارسی اور سنسکرت کا اہم کردار،اور علاقائی زبانوں کی ترقی۔یہ رجحانات سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران جاری رہے۔اکبر کے زمانے تک،فارسی کا علم شمالی ہندوستان میں اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ اس نے فارسی کے علاوہ مقامی زبان (ہندوی) میں محصول کے ریکارڈ رکھنے کی روایت کو ختم کر دیا۔

علاقائی زبانوں نے استحکام اور پختگی حاصل کی اور اس عرصے کے دوران کچھ بہترین گیتوں کی شاعری تیار کی گئی۔ برج کی شکل میں قرون وسطی کی ہندی،جو کہ آگرہ کے پڑوس میں بولی جانے والی بولی ہے،کو بھی مغل شہنشاہ اور ہندو حکمرانوں کی

سرپرستی حاصل تھی۔

اکبر کے زمانے سے ہی ہندی شاعروں کا مغل دربار سے لگاؤ ہونے لگا۔ ایک سرکردہ مغل رئیس، عبدالرہیم خان خان نے زندگی اور انسانی تعلقات کے فارسی نظریات کے ساتھ بھکتی شاعری کا ایک عمدہ امتزاج پیش کیا۔ اس طرح فارسی اور ہندی ادبی روایات ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے لگیں۔

جنوبی ہندوستان میں ملیالم نے اپنے ادبی کیریئر کا آغاز ایک الگ زبان کے طور پر کیا۔ ایکناتھ اور تکرام کے ہاتھوں مراٹھی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ سکھ گروؤں کی تحریروں کی وجہ سے پنجابی کو نئی زندگی ملی۔

16.15.4 موسیقی

ثقافتی زندگی کی ایک اور شاخ جس میں ہندوستانیوں اور مسلمانوں نے تعاون کیا وہ موسیقی تھی۔ اکبر نے گوالیار کے تانسین کی سرپرستی کی جسے بہت سی نئی دھنیں (راگ) ترتیب دینے کا سہرا دیا جاتا ہے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے ساتھ ساتھ بہت سے مغل رئیسوں نے اس مثال کی پیروی کی۔ موسیقی کے میدان میں سب سے اہم پیش رفت اٹھارہویں صدی کے آخر میں محمد شاہ (1719-48) کے دور میں ہوئی جو موسیقی اور موسیقاروں کے عظیم سرپرست تھے۔

16.16 نتیجہ

مغل دور میں ملک کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں اور تھوڑی حد تک اس کی سماجی زندگی میں بھی اہم تبدیلیاں آئیں۔

سماجی زندگی کے میدان میں، ذات پات کا نظام اسلام کی طرف سے درپیش چیلنج اور راجپوت حکمرانوں کی طرف سے سیاسی طاقت کے ضیاع کے باوجود غالب رہا، جو دھرم کی حفاظت کے پابند تھے، جس کا مطلب ہے، دوسری چیزوں کے علاوہ، معاشرے کی چار گنا تقسیم (ورنشرم دھرم) کو برقرار رکھنا۔

سیاسی انضمام کی ترقی ثقافتی انضمام کے متوازی تھی۔ ہندوستانی سماج دنیا کے ان چند معاشروں میں سے ایک تھا جو کم و بیش متحد ثقافت کو فروغ دینے میں کامیاب رہا۔

نسل، مذہب اور زبان میں فرق۔ یہ متحد ثقافت تخلیقی سرگرمیوں کے پھٹنے سے جھلکتی ہے جو سترہویں صدی کو دوسرا کلاسیکی دور بناتی ہے۔

ہندوستان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں دنیا سے پیچھے رہ گیا اور مغل حکمران طبقہ اس پیش رفت سے منفرد طور پر اندھا رہا۔ زیادہ تر مینوفیکچررز پیمانے میں چھوٹے رہے، بمشکل ہی کوئی مشینری تھی، جس میں مزدور سب سے آسان اوزار استعمال کرتے تھے۔

نتیجتاً، ایک کاریگر کتنا ہی ہنرمند کیوں نہ ہو، اس کی پیداواری صلاحیت اور کارکردگی کم رہی۔ نہ ہی کاریگر مغرب کی طرح

تاجروں اور کاروباریوں کے طور پر ترقی کر سکتے تھے، دونوں ذات پات کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ زیادہ تر کاریگروں کے پاس سرمائے کے لحاظ سے بہت کم تھا۔ یہ پیسے کی انتہائی ناہموار تقسیم کی عکاسی تھی اور اس کے نتیجے میں گھریلو بازار محدود ہو گیا۔

اس سے پیداوار میں اضافہ ہوا، لیکن کاریگروں کا زیادہ سے زیادہ انحصار تاجروں، ہندوستانی یا غیر ملکی پر ہو گیا۔ یہ ان حالات میں تھا کہ انگریز ہندوستان کو فتح کرنے اور اسے ایک کالونی میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئے، جو پہلے کی طرح مشرق کی فیکٹری ہونے کی جگہ خام مال کی فراہمی کرتے تھے۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. ضبطی نظام
2. پانی پت کی دوسری جنگ
3. دین الٰہی
4. مغلوں کے تحت فن
5. مغلیہ دور میں عوام کی زندگی
6. اکبر کی راجپوت پالیسی
7. اورنگ زیب کی دکن پالیسی

تحریری سوالات

1. اکبر کی انتظامی پالیسی کیسی تھی؟ بحث کریں۔
2. دہسلہ نظام پر توجہ مرکوز کریں۔
3. مغلوں کے دور میں زمینی محصول کیسا تھا؟ وضاحت کریں۔
4. مغلوں کے دور میں تعمیراتی ترقی کا ذکر کریں۔
5. مغل دور میں تجارت اور تجارت پر لکھیں۔
6. مغل دور میں ہندوستان میں زبانوں کی ترقی کا تجزیہ کریں۔

باب 17

وجے نگر سلطنت۔ بہمنی سلطنت۔ سکھ اقتدار اور مرہٹوں کا عروج

17.1 تعارف

جنوبی ہند میں وجے نگر، بہمنی اور مرہٹہ سلطنتوں کا قیام، اور پنجاب میں سکھ طاقت کا عروج مغلوں کے لیے ایک بڑا چیلنج بن کر اُبھرا۔ ان کے درمیان کئی جھگڑے، جنگیں اور معرکے ہوئے۔ ان کی حکومت، معیشت، سیاست، معاشرہ اور ثقافت نے عوامی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

17.2 مقاصد

- مختلف سلطنتوں اور حکمرانوں کا مطالعہ
- ان کی پالیسیوں اور سیاسی حکمت عملی کو سمجھنا
- سماج میں ان کی خدمات کا جائزہ
- ان کو درپیش چیلنجز اور ان کے حل

17.3 تعلیمی نتائج

- سیاسی حالات اور ان کے حل کا فہم
- نظام حکومت اور وزیروں کا کردار
- سوراج کا تصور اور اس کے حصول کی جدوجہد
- جنگی حکمتِ عملی اور فتوحات
- مادرِ وطن سے محبت اور وفاداری

17.4 وجے نگر سلطنت

وجے نگر سلطنت کی بنیاد ہری ہر اور بُکّا نے رکھی، جو پانچ بھائیوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہری ہر کی تاجپوشی کا سال 1336 عیسوی مانا جاتا ہے۔ بُکّا نے 1356 میں اپنے بھائی کے بعد تخت سنبھالا اور 1377 تک حکومت کی۔ وجے نگر سلطنت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اسے جنوبی اور شمالی ہند کی کئی سلطنتوں سے ٹکراؤ میں ڈال دیا۔

جنوب میں ان کے اہم حریف مدورائی کے سلطان تھے۔ان دونوں کے درمیان تقریباً چالیس برس تک جنگیں ہوتی رہیں۔وجے نگر سلطنت کا دائرہ جنوبی ہند کے تمام علاقوں تک پھیل گیا تھا،جس میں رامیشورم،تمل ناڈواور چیر قوم (کیریلا) بھی شامل تھے۔دیوارایا دوم (1446–1425) اس سلطنت کے عظیم حکمران سمجھے جاتے ہیں۔انہوں نے اپنی فوج کی تنظیمِ نو کی،اور دہلی سلطنت کے فوجی نظام سے کئی عناصر کو اپنی فوج میں شامل کیا۔

شمال میں وجے نگر سلطنت کو طاقتور بہمنی سلطنت کا سامنا تھا۔دونوں سلطنتوں کے مفادات تین اہم علاقوں میں ٹکراتے تھے:تنُگ بھدرا دوآب،کرشنا– گوداوری ڈیلٹا،مراٹھواڑہ علاقہ۔ان علاقوں میں وجے نگر اور بہمنی سلطنتوں کے درمیان مستقل جنگیں جاری رہیں،جب تک کہ دونوں سلطنتیں قائم رہیں۔

17.5 غیر ملکی سیاحوں کے وجے نگر سلطنت کے دورے

وجے نگر سلطنت نے 15ویں صدی کے پہلے نصف میں ایک طاقتور اور خوشحال ریاست کے طور پر اُبھر کر جنوبی ہند میں عظیم مقام حاصل کیا۔اطالوی سیاح نکولو کونٹی نے 1420 میں وجے نگر کا دورہ کیا اور اس شہر کا تفصیلی نقشہ کھینچا۔وہ لکھتا ہے:''اس شہر کا گھیراؤ ساٹھ میل پر محیط ہے،اس کی دیواریں پہاڑوں تک پھیلی ہوئی ہیں اور وادیوں کو گھیرے ہوئے ہیں۔''فرشتہ لکھتا ہے:''بہمنی حکمران اپنی بہادری سے برتری قائم رکھتے تھے،کیونکہ طاقت،دولت اور ملک کے دائرے میں بیجاپور (وجے نگر) کے راجا ان سے کہیں زیادہ تھے۔''

عبدالرزاق،ایک فارسی سیاح،جو ہندوستان کے اندر اور باہر کئی علاقوں کا سفر کر چکا تھا،دیوارایا دوم کے دورِ حکومت میں وجے نگر آیا۔وہ سلطنت کو عظیم الشان قرار دیتا ہے:''اس بادشاہ کی سلطنت میں تین سو بندرگاہیں ہیں،جن میں سے ہر ایک کالیکٹ کے برابر ہے۔خشکی میں اس کی حکومت تین ماہ کے سفر کے دائرے میں پھیلی ہوئی ہے۔''وہ مزید کہتا ہے:''یہ شہر دنیا کے سب سے شاندار شہروں میں سے ہے،جو میں نے دیکھا یا سنا۔یہ اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ سات قلعے اور دیواریں ایک دوسرے کو گھیرتی ہیں۔ساتواں قلعہ،جو درمیان میں واقع ہے،شہرِ ہرات کی منڈی سے دس گنا بڑا ہے۔''

وجے نگر کے بادشاہوں کو بے حد دولت مند سمجھا جاتا تھا۔عبدالرزاق کے مطابق:''بادشاہ کے محل میں کئی تہہ خانے جیسے کمرے ہیں جو چاندی کے ڈھیروں سے بھرے ہوئے ہیں۔''یہ دولت جمع کرنے کی قدیم روایت تھی،لیکن یہ دولت معیشت میں شامل نہ ہو کر ملک کی ترقی کے لیے نقصاندہ بھی تھی،اور کبھی کبھار غیر ملکی حملوں کی وجہ بھی بن جاتی تھی۔

دیوارایا دوم کی وفات (1446) کے بعد سلطنت میں بدنظمی پھیل گئی۔کیونکہ وہاں وراثت کا کوئی باقاعدہ اصول (primogeniture) نہیں تھا،اس لیے تخت کے کئی دعوے داروں کے درمیان خانہ جنگی چھڑ گئی۔اس دوران کئی جاگیرداروں نے خودمختاری حاصل کر لی۔وزیروں نے بہت طاقت حاصل کر لی اور عوام سے بھاری خراج اور نذرانے لینا شروع کر دیے،جس سے عام لوگوں کو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

17.6 کرشن دیورایا (1509–1530)

تولووا خاندان کی بنیاد کرشن دیورایا نے رکھی۔ کرشن دیورایا (1509–1530) اس خاندان کے سب سے عظیم حکمران سمجھے جاتے ہیں۔ بعض مؤرخین انہیں وجے نگر سلطنت کے تمام حکمرانوں میں سب سے بڑا بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ کرشن دیورایا کو سلطنت میں امن وامان قائم کرنے کے ساتھ ساتھ پرانے حریفوں یعنی بہمنی سلطنت کی باقیات اور ریاستِ اڑیسہ، جس نے وجے نگر کے کئی علاقے پر قبضہ کرلیا تھا، سے بھی نمٹنا پڑا۔ اس کے علاوہ اُسے پرتگیزیوں سے بھی واسطہ پڑا، جن کی طاقت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ کرشن دیورایا کے دور میں وجے نگر جنوبی ہند کی سب سے بڑی عسکری طاقت بن کر اُبھری۔

اس دور کے حالات کا ذکر کئی غیر ملکی سیاحوں نے کیا ہے۔ پیس (Paes) ایک اطالوی سیاح تھا، جو کئی سال کرشن دیو رایا کے دربار میں رہا۔ وہ اس کی شخصیت کی بہت تعریف کرتا ہے، مگر کہتا ہے: "وہ ایک عظیم حکمران اور بہت انصاف پسند ہے، مگر کبھی کبھی اچانک غصے میں آجاتا ہے۔" وہ اپنے عوام کا بہت خیال رکھتا تھا، اور ان کی بھلائی کے لیے اس کی فکر ایک مثال بن گئی۔ اس نے ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اور تنگبھدرا دوآب سے تمام نائکوں کو ہٹا کر اسے براہِ راست بادشاہی نظم ونسق کے تحت لے آیا۔

کرشن دیورایا ایک عظیم معمار بھی تھا۔ اُس نے وجے نگر کے قریب ایک نیا شہر بسایا اور ایک بڑا ذخیرہ؟ آب (ٹینک) کھدوایا، جو آبپاشی کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ وہ تیلگو اور سنسکرت کا علم رکھتا تھا۔ اس کی تحریروں میں سے تیلگو زبان میں سیاست پر ایک کتاب اور سنسکرت میں ایک ڈرامہ آج بھی دستیاب ہیں۔ اس کے دورِ حکومت میں تیلگو ادب نے ایک نیا رُخ اختیار کیا، اور سنسکرت کی نقالی کے بجائے آزاد ادبی تخلیقات کا آغاز ہوا۔ وہ تیلگو، کنڑ اور تمل شاعروں کا سرپرست تھا۔

غیر ملکی سیاح جیسے باربوسا، پیس اور نونز (Nuniz) اس کے دور کی مؤثر حکومت اور سلطنت کی خوشحالی کی تعریف کرتے ہیں۔ کرشن دیورایا کی وفات کے بعد (1530) اس کے بیٹے کم عمر تھے، اس لیے اس کے رشتہ داروں کے درمیان تخت کے لیے کشمکش شروع ہوگئی۔ آخرکار 1543 میں سداشیورایا تخت نشین ہوا اور 1567 تک حکومت کی، لیکن حقیقی اقتدار رامارا جا اور اس کے تین رکنی گروہ کے ہاتھ میں تھا۔ رامارا جا نے مختلف مسلم طاقتوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسایا اور ان کے درمیان طاقت کا توازن وجے نگر کے حق میں قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے پرتگیزیوں کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کیا، جس کے تحت بیجاپور کے حکمران کو گھوڑوں کی فراہمی روک دی گئی۔ بیجاپور کے حکمران کو اس نے کئی جنگوں میں مکمل شکست دی، اور گولکنڈہ واحمد نگر کو بھی ذلت آمیز شکست دی۔

مگر آخرکار یہ تین مسلم ریاستیں متحد ہوگئیں اور 1565 میں بانی ہٹی کے مقام پر وجے نگر کو ایک زبردست شکست دی۔ یہ جنگ تالی کوٹہ یا راکشسہ تانگڑی کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ رامارا جا کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ ہندو مارے گئے۔ وجے نگر شہر کو بری طرح لوٹ لیا گیا اور وہ کھنڈر بن گیا۔ بانی ہٹی کی جنگ کو وجے نگر کے

سنہری دور کے خاتمے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔

17.7 نظم ونسق

وجے نگر سلطنت میں بادشاہ کو وزراء کی کونسل مشورہ دیتی تھی، جو سلطنت کے بڑے امراء پر مشتمل ہوتی تھی۔ سلطنت کو مختلف راجیہ (ریاستوں) یا منڈلم (صوبوں) میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ناڈو (ضلع)، ستھلا (تحصیل) اور گرام (گاؤں) کی سطحیں آتی تھیں۔

سلطنت کے کئی علاقے ماتحت حکمرانوں کے زیرِ انتظام تھے، یعنی وہ جو جنگ میں شکست کھا چکے تھے مگر اُن کی ریاستیں انہیں واپس دے دی گئی تھیں۔ بڑے علاقوں میں بادشاہ "امارم" کے طور پر کچھ زمین فوجی سرداروں کو دیا کرتا تھا۔ یہ سردار پلائیگار (پالے گار) یا نائک کہلاتے تھے۔ اُنہیں مخصوص تعداد میں پیادہ، گھڑسوار اور ہاتھی فراہم کرنے ہوتے تھے۔

نائک یا پالے گاروں کو مرکزی خزانے میں رقم بھی جمع کروانی پڑتی تھی۔ یہ بہت طاقتور طبقہ بن گئے تھے اور حکومت کے لیے ان پر قابو پانا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ یہی داخلی کمزوریاں بانی ہٹی کی جنگ میں وجے نگر کی شکست اور اس کے بکھرنے کی ایک بڑی وجہ بنیں۔ تنجور اور مدورَی کے نائک اس وقت سے خودمختار ہو گئے تھے۔

17.8 عوام کی معاشی زندگی

عوام کی معاشی زندگی تقریباً یکساں رہی۔ ان کے مکانات عام طور پر گھاس پھونس سے بنے ہوتے تھے، جن میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا۔ وہ اکثر ننگے پاؤں چلتے اور کمر سے اوپر کچھ نہ پہنتے۔ بالائی طبقے کے لوگ قیمتی جوتے اور ریشمی پگڑیاں پہنتے تھے، لیکن وہ بھی اوپری جسم کو عموماً نہیں ڈھانپتے تھے۔ تمام طبقے زیورات کے بہت شوقین تھے اور کانوں، گلے اور بازوؤں میں زیور پہنتے تھے۔ ایک کتبے کے مطابق ٹیکس کی شرحیں درج ذیل تھیں:

- ☆ کُروائی چاول (سردیوں میں اگنے والا): پیداوار کا ایک تہائی حصہ
- ☆ تل، راگی، گھوڑا چنا وغیرہ: ایک چوتھائی حصہ
- ☆ خشک زمین پر اگنے والی اجناس (جوار، باجرہ وغیرہ): ایک چھٹا حصہ
- ☆ ٹیکس کی شرح فصل، زمین، اور آبپاشی کے طریقے کے مطابق مختلف ہوتی تھی۔

زمین کے ٹیکس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے ٹیکس تھے، جیسے: جائیداد ٹیکس، پیداوار کی فروخت پر ٹیکس، پیشہ ورانہ ٹیکس، جنگی مدد (بحران کے وقت)، شادی پر ٹیکس وغیرہ۔ 16 ویں صدی کے سیاح نکیتن کے مطابق: "ملک میں آبادی بہت زیادہ ہے، لیکن دیہات میں رہنے والے بہت مفلس ہیں، جبکہ امراء بے حد دولت مند اور عیش وعشرت کے دلدادہ ہیں۔"

وجیانگر سلطنت کے تحت شہری زندگی میں ترقی ہوئی اور تجارت فروغ پانے لگی۔ کئی قصبے مندروں کے گرد آباد ہوئے۔ یہ مندر بہت بڑے تھے اور ان میں زائرین کے لیے پرساد، دیوتا کی خدمت، پجاریوں وغیرہ کی ضروریات کے لیے اشیاء کی فراہمی ضروری تھی۔ یہ مندر مال و دولت سے بھرپور تھے اور اندرونِ ملک و بیرونِ ملک تجارت میں بھی سرگرم کردار ادا کرتے تھے۔ وجیانگر حکومت کے تحت شہروں اور شہری نظام میں خاطر خواہ ترقی ہوئی۔

17.9 بہمنی سلطنت: توسیع اور زوال

بہمنی سلطنت کا قیام 1347 میں ہوا۔ اس کا بانی علاؤالدین حسن تھا جو ایک افغان مہم جو تھا۔ وہ ایک برہمن "گانگو" کی خدمت میں ترقی پا کر حکومت تک پہنچا، اسی لیے اسے "حسن گانگو" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد اس نے "علاؤالدین حسن بہمن شاہ" کا لقب اختیار کیا۔ مشہور مؤرخ فرشتہ کے مطابق "بہمن" نام اپنے برہمن سرپرست کی عزت افزائی کے طور پر رکھا گیا تھا۔ اسی نام سے سلطنت کو "بہمنی سلطنت" کہا جانے لگا۔

اس دور کی سب سے نمایاں شخصیت "فیروز شاہ بہمنی" (1397–1422) تھا۔ وہ دینی علوم (تفسیر، فقہ) میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعیات، ہندسہ، منطق وغیرہ جیسے سائنسی علوم کا بھی شوقین تھا۔ وہ خوش خطی اور شاعری میں ماہر تھا، اور موقع پر اشعار کہنے میں ماہر تھا۔ فرشتہ کے مطابق وہ فارسی، عربی، ترکی کے ساتھ ساتھ تلگو، کنڑ اور مراٹھی زبانوں میں بھی ماہر تھا۔

بہمنی سلطنت بتدریج پھیلی اور محمود گاوان کے وزارت کے دور میں اپنی طاقت اور سرحدی وسعت کی انتہا کو پہنچی۔

محمود گاوان نے داخلی اصلاحات بھی کیں۔ اس نے سلطنت کو آٹھ صوبوں (طرف) میں تقسیم کیا، ہر طرف کا گورنر "طرفدار" ہوتا تھا۔ ہر امیر کی تنخواہ اور ذمہ داریاں متعین کی گئیں۔ مثلاً 500 گھوڑوں کے دستے کی سربراہی کرنے والے کو سالانہ 1,00,000 ہن دیے جاتے تھے۔ یہ تنخواہ نقد یا جاگیر کے ذریعے دی جاتی تھی۔ جو جاگیر پر تنخواہ لیتے تھے، انہیں محصول کی وصولی کے لیے خرچ کی اجازت تھی۔ ہر صوبے میں سلطان کے ذاتی اخراجات کے لیے مخصوص زمین (خالصہ) رکھی جاتی تھی۔ زمین کی پیمائش اور کسان سے محصول کی رقم مقرر کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

محمود گاوان فنون کا عظیم سرپرست تھا۔ اس نے دارالحکومت بیدر میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کرایا جو تین منزلہ تھا اور اس میں 1000 اساتذہ اور طلبہ کی رہائش اور خوراک مفت فراہم کی جاتی تھی۔ ایران و عراق کے مشہور علماء اس کے کہنے پر یہاں تعلیم کے لیے آئے۔

بعد ازاں، مختلف گورنر خود مختار بن گئے اور بہمنی سلطنت پانچ ریاستوں میں تقسیم ہوگئی: گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر، بیرار اور

بیدر۔ان میں احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ مغل سلطنت میں شامل ہونے تک دکن کی سیاست میں سرگرم رہیں۔

17.10 سکھ اقتدار کا عروج

پندرہویں صدی کے آخر میں گرونانک نے سکھ مذہب کی بنیاد رکھی، جس کے نتیجے میں پنجاب میں جات کسانوں اور نچلی ذات کے لوگوں کی سکھ مذہب میں شمولیت دیکھی گئی۔ گرو ہرگوبند (1606–1645) نے سکھوں کو ایک جنگجو گروہ میں تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم، گرو گوبند سنگھ (1664–1708) کی قیادت میں سکھ ایک نمایاں سیاسی وعسکری قوت بن کر اُبھرے۔

17.10.1۔ سکھ سلطنت کی جغرافیائی وسعت

- خالصہ کی بنیاد پر، مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1801 سے 1849 تک سکھ سلطنت قائم کی اور مختلف سکھ مثلوں کو متحد کر کے ایک سیاسی قوت بنایا۔
- یہ سلطنت مغرب میں خیبر پاس سے لے کر شمال میں کشمیر، جنوب میں سندھ، اور مشرق میں تبت تک پھیلی ہوئی تھی۔
- اس سلطنت کا اصل مرکز پنجاب کا علاقہ تھا۔

17.10.2 سکھوں کے فوجی اقتدار کے طور پر ابھرنے کی وجوہات

ایک فوجی اقتدار کے طور پر سکھوں کا عروج ان کی مضبوط مذہبی شناخت، ان کے گروؤں کی رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ ایک فوجی طاقت کے طور پر سکھ کے عروج کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- گرو ہرگوبند کی قیادت: گرو ہرگوبند نے سکھوں کی عسکری تربیت اور تنظیم کا آغاز کیا۔
- گرو گوبند سنگھ کی رہنمائی: انہوں نے "خالصہ" کی بنیاد رکھ کر سکھوں کو سیاسی وعسکری طاقت بنایا۔
- بندہ بہادر کی کوششیں: گرو گوبند سنگھ کے بعد بندہ بہادر نے نچلی ذات کے کسانوں کو متحد کیا اور مغلوں سے لڑائیاں لڑیں، تاہم اونچی ذاتوں اور مغل طاقت کی مخالفت کا سامنا کیا۔
- اورنگ زیب کی پالیسی: شروع میں اورنگ زیب سکھوں کے خلاف نہیں تھا، مگر جب ان کی طاقت میں اضافہ ہوا تو اس نے رویہ سخت کر لیا۔
- مذہبی عدم برداشت اور سکھ مزاحمت: اورنگ زیب کی پالیسیوں کے خلاف سکھوں نے مزاحمت کی اور اپنی شناخت کو برقرار رکھا۔

- نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی یلغار: ان حملوں کے بعد پنجاب میں اقتدار کا خلاء پیدا ہوا جس سے سکھوں کو دوبارہ ابھرنے کا موقع ملا۔
- سیاسی خلا کا پر ہونا: 1765 سے 1800 کے درمیان سکھوں نے جموں اور پنجاب پر قبضہ کر لیا اور طاقتور قوت بن گئے۔

17.10.3۔ سکھ نظم ونسق کی نوعیت

سکھ سلطنت، جو 19 ویں صدی کے اوائل میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکمرانی میں اپنے عروج پر پہنچی تھی، کی ایک الگ نوعیت اور انتظامیہ تھی جو سکھ برادری کی منفرد خصوصیات کی عکاسی کرتی تھی۔ ان کی انتظامیہ کا مختصر بیان ذیل میں دیا گیا ہے:

- افقی تنظیم: مختلف "مثلوں" کے ذریعے زمینیں خاندانوں کی بنیاد پر تقسیم تھیں، جس سے معاشرہ افقی انداز میں منظّم ہوا۔
- رنجیت سنگھ کی مرکزیت کی کوشش: رنجیت سنگھ نے سلطنت کو مرکزی حکومت کی طرف لے جانے کی کوشش کی، مگر پنجاب میں سیاسی طاقت بکھری رہی۔
- عوامی و خارجی شناخت: 1809 کے "عہدِ ام "ritsar کے ذریعے انگریزوں نے رنجیت سنگھ کو پنجاب کا واحد خودمختار حکمران تسلیم کیا۔ اس کی حکمرانی ستلج سے ہندوکش، قراقرم اور سلیمان پہاڑوں تک تسلیم کی گئی۔
- درباری سیاست: رنجیت سنگھ نے پنجابی کسانوں سے تعلق رکھنے والے نئے فوجی افسران، سکھ سرداروں اور جموں کے ڈوگرہ راجپوتوں کے درمیان طاقت کا توازن قائم رکھا۔
- حکومت میں توازن: یہ توازن رنجیت سنگھ کی وفات (1839) تک کامیابی سے جاری رہا۔
- سکھ شناخت کا تحفظ: خالصہ نے سکھوں کی جداگانہ شناخت کو مستحکم کرنے کے لیے مذہبی متون، رسومات اور روایات کو بنیاد بنایا، تاکہ 18 ویں صدی کے منتشر سکھ معاشرے میں نظم پیدا کیا جا سکے۔
- 1799 سے 1849 تک سکھوں کے عروج کا دوران کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن مرحلہ تھا۔ گرونانک کی تعلیمات اور خالصہ کی تشکیل کی بنیاد پر، سکھوں نے پنجاب اور آس پاس کے علاقوں میں ایک طاقتور سیاسی و عسکری طاقت کے طور پر ابھر کر اپنی شناخت منوائی۔
- سکھوں نے اپنی طاقت، مذہبی شناخت اور عسکری صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسے رہنماؤں کے تحت حکومت نے پنجاب میں ایک نازک توازن قائم رکھا، جب کہ ثقافتی وسائل اور رسومات کے ذریعے سکھوں کی منفرد شناخت کو مزید تقویت دی گئی۔ مجموعی طور پر یہ دور برصغیر میں سکھوں کے ایک اہم سیاسی و عسکری قوت کے طور پر اُبھرنے کا گواہ تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ لچک، مذہبی شناخت اور فوجی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ رنجیت سنگھ جیسے قائدین کی قیادت میں انتظامیہ نے پنجاب کی حکمرانی میں ایک نازک توازن لایا، جبکہ ثقافتی وسائل اور رسومات کے ذریعے مخصوص سکھ شناخت کو مضبوط کیا گیا۔ مجموعی طور پر، اس دور میں سکھوں کا برصغیر پاک و ہند میں ایک اہم سیاسی اور فوجی طاقت کے طور پر عروج دیکھا گیا۔

17.11 مرہٹوں کا عروج

مرہٹے، جو مغربی دکن کے پہاڑی علاقے سے تعلق رکھنے والی ایک جنگجو قوم تھے، ان کا عروج ہندوستانی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مراٹھی زبان بولنے والے مرہٹوں نے "ہندوی سوراجیہ" (ہندوستانیوں کے لیے خود حکمرانی) کے نظریے کے ذریعے ایک مضبوط قوت کے طور پر ابھرنے کی بنیاد رکھی۔ شیواجی کی قیادت میں مرہٹوں نے عادل شاہی سلطنت کے خلاف بغاوت کی اور بعد ازاں مغل سلطنت کو چیلنج کیا۔ ان کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں 17 ویں صدی میں ایک آزاد ریاست کا قیام عمل میں آیا جس کا دارالحکومت رائے گڑھ تھا۔ یہ مرہٹوں کی آزادی اور خودمختاری کی مسلسل کوششوں کا نقط ؟ عروج تھا۔

مرہٹوں کا اقتدار ایک سلسلہ وار سیاسی اور حکمت عملی کی تبدیلیوں کا نتیجہ تھا، جنہوں نے ان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اس میں سب سے نمایاں کردار چھترپتی شیواجی مہاراج کا تھا۔

17.11.1 چھترپتی شیواجی مہاراج

چھترپتی شیواجی مہاراج، 19 فروری 1630 کو شیونری کے قلعے میں پیدا ہوئے۔ وہ مغربی ہندوستان میں مرہٹہ سلطنت کے بانی اور ایک عظیم جنگجو تھے۔ ان کی زندگی اور وراثت ہندوستانی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش باب ہے، جو مغل سلطنت کے خلاف مزاحمت اور خودحکمرانی کی علامت ہے۔

شیواجی شاہ جی بھونسلے کے بیٹے تھے، جو ایک مرہٹہ جنرل تھے، جب کہ ان کی والدہ جیجابائی نے ان کی ابتدائی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ جیجابائی نے ان میں اپنی زمین اور عوام کے لیے ذمہ داری اور فخر کا جذبہ پیدا کیا۔

محض 16 سال کی عمر میں شیواجی نے وفادار ساتھیوں کا ایک گروہ تیار کیا اور اپنی سلطنت کے قیام کی مہم کا آغاز کیا۔ 1645 میں انہوں نے اپنا پہلا قلعہ، تورنا، فتح کیا جو ان کی قیادت کی شروعات تھی۔ آنے والے برسوں میں، انہوں نے متعدد قلعے اور علاقے فتح کیے، اور "گوریلا جنگی حکمت عملی" کو اپنایا جو ان کی پہچان بن گئی۔

شیواجی کی زندگی کا ایک اہم سنگ میل 6 جون 1674 کو رائے گڑھ قلعے میں ان کی تخت نشینی تھی۔ اس تقریب میں مختلف رسومات اور مذہبی تقریبات شامل تھیں جن کے ذریعے ان کی خودمختار حکمرانی کو تسلیم کیا گیا۔ یہ مرہٹوں کی آزادی کی خواہش کا ایک مضبوط اعلان تھا۔

17.11.2 نظامِ حکومت

مرہٹہ ریاست نے فارسی زبان کی جگہ مراٹھی کو سرکاری زبان کے طور پر اپنایا اور اعلیٰ مناصب پر مقامی ہندوستانیوں کو فائز کیا۔ انہوں نے اپنی ریاستی لغت تیار کی اور حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا: مرکزی انتظامیہ، مالیاتی نظام، اور فوجی انتظامیہ۔

سیاسی انتظامیہ:

شیواجی نے دکن کی روایت پر مبنی مضبوط انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ بادشاہ کو "اشت پردھان" یعنی آٹھ وزیروں کی کونسل مدد فراہم کرتی تھی۔ تاہم، مرہٹہ سلطنت کی مخصوص تنظیمی ساخت مغلوں کا بھرپور مقابلہ کرنے میں رکاوٹ بنی۔ بھونسلے، گائکواڑ، ہولکر، اور سندھیا جیسے سرداروں نے اختیارات کو مشترکہ طور پر سنبھالا۔

فوجی انتظامیہ:

شیواجی نے ایک منظّم اور سخت نظم وضبط والی فوج تشکیل دی جس میں پیادہ فوج، گھڑسوار اور بحریہ شامل تھے۔ ان کی فوج کی خاصیت تیز رفتاری سے حرکت کرنا تھی۔ "پنڈاری" فوج کے ساتھ چلتے تھے اور جنگ کے بعد مالِ غنیمت کا ایک حصہ حاصل کرتے تھے۔

محصولاتی نظام:

شیواجی نے محصولاتی افسران کے اختیارات کو تبدیل کیا اور جاگیرداری نظام کو ختم کر کے "رایتی واری" نظام متعارف کرایا۔ مالیات کا نظام "مالک عنبر" کے "کاتھی" نظام پر مبنی تھا جس میں زمین کی پیائش کی جاتی تھی۔ محصول کا ایک حصہ "چوتھ" اور "سردیشمکھی" کے نام پر لیا جاتا تھا۔

مرہٹہ سلطنت کے زوال نے ایک دور کا خاتمہ اور ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی اقتدار کے آغاز کا اشارہ دیا۔ یہ زوال کئی وجوہات کی بنا پر پیش آیا، جن میں درج ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

مرہٹوں کا زوال

- 1761 کی تیسری جنگِ پانی پت: احمد شاہ ابدالی نے سداشیوراؤ بھاؤ کی قیادت میں مرہٹہ افواج کو شکست دی۔ یہ جنگ مرہٹہ سلطنت کے زوال کی شروعات تھی۔
- داخلی اختلافات: اگرچہ مرہٹہ سلطنت مغلوں کی جگہ پورے ہندوستان پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتی تھی، لیکن ان کے سیاسی ڈھانچے کی کمزوریاں اس کو مکمل طور پر حقیقت میں نہ بدل سکیں۔

- مرہٹہ سرداروں میں اتحاد کا فقدان تھا۔ وہ ایک آل انڈیا سلطنت کے قیام کے لیے ضروری ہم آہنگی، نظریہ اور منصوبہ بندی فراہم نہ کر سکے، اسی لیے وہ مغلوں کے حقیقی جانشین نہ بن سکے۔

17 ویں صدی میں شیواجی اور ان کے حامیوں کی قیادت میں مرہٹوں کے عروج نے ہندوستانی تاریخ میں ایک اہم تبدیلی پیدا کی۔ شیواجی کی قیادت میں مرہٹوں نے ایک مضبوط اور خودمختار ریاست قائم کی جس نے مغل سلطنت کی بالادستی کو چیلنج کیا۔ شیواجی کی بصیرت، عسکری مہارت اور انتظامی صلاحیتیں مرہٹوں کی کامیابی میں کلیدی حیثیت رکھتی تھیں۔ مرہٹوں کے عروج نے ہندوستان کے ابتدائی جدید دور کی سیاسی صورتِ حال کو نئی شکل دی اور اس کی تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑے۔ مرہٹہ سلطنت اور کنفیڈریسی (وفاقی اتحاد) کا یہ دور ہندوستانی تاریخ کا ایک مؤثر اور دلچسپ باب ہے، جو ان کی طاقت اور انتظامی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتا ہے۔

سوالات: مختصر اور تفصیلی

مختصر سوالات:

1. پالے گار کون تھے؟
2. وجے نگر حکمرانوں کے تحت عوام کی معاشی زندگی کیسی تھی؟
3. عوام کی معاشی زندگی پر نوٹ لکھیں۔
4. وجے نگر حکمرانوں کے دور میں ٹیکس کا نظام کیا تھا؟
5. عوام کی سماجی زندگی کیسی تھی؟
6. سکھوں کے اقتدار کے تحت انتظامیہ کیسی تھی؟

تفصیلی سوالات:

1. وجے نگر سلطنت کے دوران غیر ملکی سیاحوں کے بیانات پر نوٹ لکھیں۔
2. کرشن دیورایا کی حکمرانی کا جائزہ لیں۔
3. وجے نگر سلطنت کے تحت انتظامیہ کیسی تھی؟ وضاحت کریں۔
4. دکن کے بہمنی حکمرانوں کا تجزیہ کریں۔
5. سکھ اقتدار کے عروج پر مضمون لکھیں۔
6. شیواجی کے دور حکومت کا جائزہ لیں۔

باب 18

یورپیوں کی ہندوستان آمد– تاجروں کے طور پر اور برطانوی طاقت کا استحکام

18.1 تعارف

سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران بہت سے یورپی تاجر ہندوستان آئے، جن میں سب سے پہلے پرتگالی، پھر ڈچ، انگریز اور آخر میں فرانسیسی شامل تھے۔ ان کا مقصد تجارت تھا۔ یہ سرگرمی یورپی معیشت کی ترقی کا نتیجہ تھی، لیکن ہندوستان کے لیے اس کا نتیجہ دولت کی لوٹ مار اور سیاسی طاقت کے زوال کی صورت میں نکلا۔

18.2 مقاصد

یورپیوں کی ہندوستان آمد کو سمجھنا

مقصد اور سیاست

مصنوعات، دولت اور تجارت

وسائل کا استحصال

برطانوی حکومت کا قیام

برطانوی حکومت کے اثرات اور ورثہ

18.3 تعلیمی نتائج

یورپیوں اور ہندوستان میں تجارت

سیاسی طاقت اور نوآبادیاتی نظام

حکومت اور قوانین

انتظامیہ اور سول سروسز

محکموں کا قیام

دریافتیں اور تاریخ

انگریزی زبان اور ورثہ

"ہندوستان کے خوشحال دن گزر چکے ہیں؛ وہ تمام دولت جو کبھی اس کے پاس تھی، لوٹ لی گئی ہے" — ایف. جے. شور

18.4 پرتگالیوں کی ہندوستان آمد

پرتگالیوں کی ہندوستان آمد ملک کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ پندرہویں صدی کے آخر میں پرتگال یورپ کی ایک بڑی بحری طاقت تھا۔ پرتگالی ہندوستان کے ساتھ تجارتی روابط قائم کرنے کے خواہش مند تھے کیونکہ ہندوستان اپنے قیمتی اور شاہانہ مال واسباب کے لیے مشہور تھا۔

1498 میں، پرتگالی ملاح واسکو-ڈی-گاما نے لیسبن سے ایک چھوٹے بیڑے کے ساتھ روانگی کی۔ اس کا مشن ہندوستان کے لیے بحری راستہ تلاش کرنا تھا۔ ایک طویل اور دشوار گزار سفر کے بعد، واسکو-ڈی-گاما 20 مئی 1498 کو ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر واقع کیلی کٹ (آج کل کوڑیکوڈ) پہنچا۔

پرتگالیوں کی آمد پر مقامی آبادی کا ردعمل مختلف رہا۔ کچھ ہندوستانی حکمرانوں نے انہیں ممکنہ اتحادی کے طور پر دیکھا، جبکہ دیگر نے انہیں خطرہ سمجھا۔ واسکو-ڈی-گاما جلد ہی سمجھ گیا کہ ہندوستان میں قدم جمانے کا واحد طریقہ طاقت کا استعمال ہے۔ اس طرح ہندوستان میں پرتگالیوں کے عروج کا آغاز ہوا۔ جاتے وقت وہ کالی مرچ لے کر گیا اور یورپ میں اس پر زبردست منافع کمایا۔

پرتگالی کمپنی کا نام "ایستادو-دا-انڈیا" رکھا گیا۔ 1503 عیسوی میں انہوں نے کوچین اور کنّور میں تجارتی فیکٹریاں قائم کیں۔ ان کی پالیسی خفیہ تجارت اور لوٹ مار پر مبنی تھی۔ 1661 عیسوی میں پرتگالی شہزادی کی شادی انگلینڈ کے بادشاہ چارلس دوم سے ہوئی اور جہیز میں بمبئی ملا، جسے بعد میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو لیز پر دیا گیا۔ اگرچہ سولہویں صدی کے دوسرے نصف میں پرتگالی طاقت کمزور پڑنے لگی، لیکن ان کا اثر گوا، دامان اور دیو میں 1961 تک قائم رہا۔

18.5 ڈچوں کی ہندوستان آمد

پرتگالیوں کی مخالفت کے باوجود، ڈچوں نے 1605 میں گولکنڈہ کے حکمران سے فرمان حاصل کر کے ماسولی پٹّم میں قدم جمایا۔ انہوں نے جاوا اور سماٹرا جیسے "مصالحہ جات کے جزائر" میں بھی اپنی پوزیشن مضبوط کی اور 1610 تک مصالحہ جات کی تجارت پر غلبہ حاصل کر لیا۔

ڈچوں نے جلد ہی سمجھا کہ مصالحہ جات حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہندوستانی کپڑے کے بدلے تجارت ہے۔ کورومنڈل ساحل پر تیار کیا جانے والا کپڑا جنوب مشرقی ایشیا میں مقبول تھا اور اس کی نقل وحمل بھی آسان تھی۔ لہٰذا، ڈچ ماسولی پٹم سے کورومنڈل ساحل کی طرف بڑھے اور مقامی حکمران سے پلّی کٹ حاصل کر کے اسے اپنا تجارتی مرکز بنایا۔

18.6 انگریزوں کی ہندوستان آمد

1600 میں انگریز تاجروں کے ایک گروہ نے مشرقی ممالک میں تجارت کے لیے شاہی فرمان حاصل کیا۔ اگرچہ وہ

تاجر کے طور پر آئے، لیکن جلد ہی انہیں ہندوستان پر حکومت کرنا زیادہ منافع بخش لگا۔ وہ 1900 تک ہندوستان میں طاقتور رہے۔ 18 ویں صدی کی ابتدائی 50 برسوں تک ان کا واحد مقصد تجارت تھا۔ لیکن 1650 کے بعد، جب مزید برطانوی تاجر ہندوستان آئے، انہوں نے سیاسی طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ تجارت میں مکمل آزادی حاصل ہو اور دیگر یورپی حریفوں کو نکالا جا سکے۔

1618 میں شاہ جہاں کی طرف سے سر تھامس رو کو فرمان ملا، جس سے وہ سورت میں فیکٹری قائم کر سکے۔ انگریزوں نے جلد ہی سمجھا کہ گجرات ہندوستانی کپڑوں کی برآمد کے لیے مرکزی مقام ہے۔ انہوں نے بحر احمر اور خلیج فارس کے بندرگاہوں کے ساتھ ہندوستان کی تجارت میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ 1622 میں، انہوں نے فارسیوں کے ساتھ مل کر پرتگالیوں کا اہم اڈا "ہرمز" فتح کر لیا۔ اس طرح سترہویں صدی کی پہلی سہ ماہی تک انگریز ہندوستانی تجارت میں جم چکے تھے اور پرتگالیوں کی سمندری بالادستی کا خاتمہ ہو گیا۔

18.7 فرانس والوں کی ہندوستان آمد

16 ویں اور 17 ویں صدی کی یورپ کی بڑی سمندری طاقتوں میں فرانس بھی شامل تھا، جس نے ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کی دوڑ میں شمولیت اختیار کی۔ ہندوستان میں فرانسیسیوں کے عروج کا آغاز 17 ویں صدی کے اوائل میں فرانسیسی تاجروں کی آمد سے ہوا۔ انہوں نے سورَت، ماسولی پٹم اور پونڈیچری جیسے ساحلی شہروں میں تجارتی مراکز قائم کیے۔ اگرچہ ابتدائی تجارتی مراکز زیادہ اہم نہ تھے، لیکن انہی کی بنیاد پر بعد میں ہندوستان میں فرانسیسی موجودگی کا قیام عمل میں آیا۔

فرانسیسیوں نے ہندوستان میں کئی کالونیاں اور تجارتی مراکز قائم کیے، جن میں سب سے اہم پونڈیچری تھا، جو 1674 میں قائم ہوا۔ دیگر فرانسیسی علاقے کاری کال، ماہے، یانم اور چندرنگر تھے۔ یہ علاقے فرانسیسی حکام کے زیرِ انتظام تھے اور بڑی حد تک خود کفیل تھے۔

18.8 ہندوستانی معیشت اور تجارت

سترہویں صدی کے دوسرے نصف اور اٹھارہویں صدی کے ابتدائی دور میں یورپ کے ساتھ ہندوستان کی تجارت میں اضافہ ہوا، لیکن ایشیائی ممالک کے ساتھ اندرونی تجارت اس سے کہیں زیادہ منافع بخش رہی۔ لاہور اور ملتان ہندوستان کی زمینی تجارت کے اہم مراکز تھے۔

یَرکند اور خُتن میں ہندوستانی تاجروں کی بستیاں قائم تھیں جو پنجاب سے کشمیر اور لداخ کے راستے چین تک تجارت میں مدد کرتے تھے۔ زمینی تجارت میں کمی اس وقت آئی جب صفوی سلطنت بکھر گئی اور اس کے بعد مغل سلطنت کا زوال ہوا۔

18.8.1 نتائج

ہندوستانی غیر ملکی تجارت میں اضافے، سونے چاندی کے بہاؤ اور ہندوستان کو یورپی منڈیوں سے جوڑنے کے کئی

اہم نتائج برآمد ہوئے:

اولاً، اگرچہ ہندوستانی معیشت بڑھی، لیکن سونے چاندی کا بہاؤ اس سے کہیں زیادہ تیز تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سترہویں صدی کے پہلے نصف میں قیمتیں تقریباً دوگنا ہوگئیں۔ اس سے دیہی علاقوں کے روایتی رشتے کمزور ہوئے اور اشرافیہ مزید لالچی اور دولت پرست بن گئی۔

دوم، یورپی قوموں نے ہندوستان کو سونا چاندی برآمد کرنے کے بجائے دوسرے ذرائع تلاش کیے۔ انہوں نے مصالحہ جات پر اجارہ داری قائم کرنے اور کپڑے کی تجارت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔

یورپی طاقتیں ہندوستان اور اس کے آس پاس سلطنتیں حاصل کرنا چاہتی تھیں تاکہ ان علاقوں کی آمدنی سے یورپ کو سامان برآمد کرسکیں۔ ڈچوں نے جاوا اور سماٹرا پر قبضہ کرلیا، لیکن اصل اہمیت ہندوستان کو حاصل تھی۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ہندوستان پر قبضے کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں انگریز غالب آگئے۔

18.9 ہندوستان میں برطانوی حکومت

برطانوی راج یا حکومت کا مطلب ہندوستان میں انگریزوں کی نوآبادیاتی حکمرانی ہے۔ 1757 سے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے اور 1858 سے براہ راست برطانوی حکومت نے ہندوستان پر حکومت کی۔ یہی وہ دور تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ ہوا اور برٹش راج کا قیام عمل میں آیا۔ انہوں نے اٹھارہویں صدی کے وسط سے لے کر ہندوستان کی 1947 میں آزادی اور 1950 میں جمہوریہ بننے تک حکومت کی۔

برطانوی سلطنت کا قیام کئی تاریخی مراحل سے گزرا۔ ابتدا میں یہ صرف تجارتی اور مالی مفادات کے لیے تھا، مگر بعد میں انہوں نے توسیع اور طاقت کے حصول پر زور دیا۔

رابرٹ کلائیو کی قیادت میں کمپنی نے خود کو مضبوط کیا اور 1757 کی جنگ پلاسی میں فرانسیسی خواب چکنا چور کردیے۔ بعدازاں، 1764 میں بکسار کی جنگ میں مغل بادشاہ شاہ عالم دوم کی شکست کے بعد انگریزوں کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

18.9.1 ہندوستان میں برطانوی طرز حکومت کا قیام

برطانوی حکمرانی کے قیام میں مختلف چارٹرز، قوانین، اصولوں اور پالیسیوں نے اہم کردار ادا کیا:

- ریگولیٹنگ ایکٹ 1773
- نظام معاونت (AllianceSubsidiary)
- چارٹر ایکٹس
- نظریہ لگان (LapseofDoctrine)

- حکومت ہند ایکٹ 1858
- انڈین کونسلز ایکٹ 1861 اور 1892
- حکومت ہند ایکٹ 1909
- حکومت ہند ایکٹ 1919
- حکومت ہند ایکٹ 1935

برطانوی دور میں ہندوستانی قوانین، ادب اور مذہبی متون کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور مشرق شناسی (Oriental Studies) میں دلچسپی بڑھی۔ میکالے نے تعلیم کے میدان میں بہتری لائی۔ معاشرتی اصلاحات میں شامل تھے: ٹھگی کی لعنت کا خاتمہ (1830 کی دہائی)، بچیوں کا قتل (1836)، ستی کی رسم کا خاتمہ (1829)۔

ملکہ وکٹوریہ کے دور میں صنعتی انقلاب عروج پر تھا۔ اس نے ہندوستان پر تین بڑے طریقوں سے اثر ڈالا: بھاپ کے بحری جہاز، ریلوے، تار برقی اس کے علاوہ سڑکوں، بندرگاہوں اور دیگر بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کی گئی۔

18.9.2 برطانوی حکمرانی کے اثرات

برطانوی راج کے اثرات ہندوستانی سماج اور ثقافت پر بہت گہرے اور دوررس تھے، جن میں مثبت اور منفی دونوں پہلو شامل تھے:

مثبت اثرات:

- جدید تعلیمی نظام کی شروعات
- انفراسٹرکچر (سڑک، ریل، بندرگاہ) کی ترقی
- سماجی اصلاحات
- روزگار کے نئے مواقع
- جدید متوسط طبقے کا ابھار

منفی اثرات:

- دیسی صنعتوں کی تباہی
- بار بار قحط اور غربت
- دولت کی یورپ منتقلی
- کسانوں کی غربت

یوں یورپیوں کی تاجروں کے طور پر ہندوستان آمد نے ہندوستانی معیشت کو متاثر کیا اور سیاست پر براہ راست اثر ڈالا۔ ہندوستانی مصنوعات جیسے کہ کپڑے اور مصالحہ جات یورپیوں میں مقبول ہوگئیں۔ برطانویوں نے اپنے سیاسی تسلط کو مضبوط کیا۔

برطانوی راج کا دور آج بھی متنازع اور پیچیدہ سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے ہندوستانی اسے استحصال اور ظلم کا دور مانتے ہیں، جبکہ کچھ اسے انفراسٹرکچر، اصلاحات اور قانون سازی کے ذریعے مثبت تبدیلیوں کا زمانہ بھی مانتے ہیں۔

سوالات: مختصر اور تفصیلی

مختصر سوالات:

1. ہندوستان میں پرتگالیوں کی آمد
2. ڈچ تاجروں کے طور پر
3. ہندوستان میں فرانسیسیوں کی موجودگی
4. انگریزوں کی بطور تاجر آمد

تفصیلی سوالات:

5. یورپی تاجروں کی آمد کے دوران ہندوستانی معیشت اور اس کے نتائج پر مضمون تحریر کیجیے۔
6. ہندوستان میں برطانوی طرزِ حکومت کے قیام کا جائزہ لیجیے۔
7. ہندوستان پر برطانوی حکومت کے اثرات کیا ہیں؟ وضاحت سے بیان کیجیے۔

باب 19 ہندوستان کی صوبائی ریاستیں

19.1 تعارف

1950 میں جمہوریہ ہند کے قیام سے قبل، برطانوی دور میں ہندوستان مختلف دیسی ریاستوں یا نوابی ریاستوں میں منقسم تھا، جو کہ براہِ راست برطانوی ہند کا حصہ نہیں تھیں، لیکن وہ "سبسڈیری الائنس" جیسے معاہدوں کے تحت برطانیہ کی تابع تھیں۔ ان ریاستوں کی تاریخ ہندوستانی برصغیر کی رنگارنگ اور متنوع ثقافت، زبانوں، مذاہب، رسومات اور سیاسی روایات کی عکاسی کرتی ہے۔

19.2 مقاصد

- نوابی/صوبائی ریاستوں کے بارے میں جاننا
- حکمرانوں کے اصول واصلاحات
- تعلیمی ترقیات
- صنعتی ترقیات کا اثر

19.3 اکتسابی نتائج

- ریاستی فلاح و بہبود کے لیے حکمرانی، پالیسیز اور اصلاحات
- جدیدیت میں ان کی شراکت
- معاشرے پر اثرات
- سائنسی وانفراسٹرکچر ترقیات
- تعلیمی اداروں کا قیام اور جامعات کی ترقی

19.4 صوبائی/نوابی ریاستیں

نوابی ریاستوں کا حجم مختلف تھا اور ان کی تعداد مختلف اوقات میں تقریباً 565 تک تھی۔ ان ریاستوں نے ابتدا میں پرتگالی، فرانسیسی اور برطانوی تاجروں سے فائدہ مند معاہدے کیے، لیکن بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی (EIC) اور پھر 1858 کے

بعد برطانوی تاج حکومت نے ان ریاستوں سے فوجی مدد کے بدلے دولت نکالی اور اپنے نمائندے ان حکمرانوں پر مسلط کیے۔

اگرچہ ان ریاستوں کے حکمران خودمختار تھے اور انہیں مختلف القابات سے جانا جاتا تھا جیسے: مہاراجہ، راجہ، نظام، راجے، دیشمکھ، نواب، مرزا، بیگ، چھترپتی، خان، ٹھاکر صاحب، دربار صاحب یا جڈیجہ/سمّہ، لیکن برطانوی اثر ورسوخ بہت گہرا تھا۔ برطانوی حکمت عملی کے ماہر تھے اور سلامی کی توپوں کی تعداد، خطابات اور انعامات کے ذریعے حکمرانوں کو ظاہری طاقت کا احساس دلاتے تھے۔

اہم صوبائی ریاستیں درج ذیل تھیں:

- بہاولپور
- بڑودہ
- بستر
- بھوپال
- بیکانیر
- کوچین
- کچھ
- گجرات
- گوالیار
- حیدرآباد
- اندور
- جے پور
- جیسلمیر
- جموں وکشمیر
- جودھپور
- کلت
- ینگلتنگ
- خاران
- لاس بیلا
- منی پور
- میسور
- اودھ
- پٹیالہ
- ریوا
- سکم
- تروانکور
- اودے پور

19.5 صوبائی ریاستوں کا انتظامی ڈھانچہ اور فرقہ وارانہ ترقیات

زیادہ تر صوبائی ریاستیں آمرانہ طرزِ حکومت رکھتی تھیں، جہاں تمام اختیارات حکمران یا اس کے مقرر کردہ نمائندے کے پاس ہوتے تھے۔ ان ریاستوں میں زمین کا محصول عام طور پر برطانوی ہندوستان سے زیادہ ہوتا تھا۔ حکمران ریاستی آمدنی پر مکمل اختیار رکھتے تھے اور اکثر یہ آمدنی ذاتی عیش وعشرت پر خرچ کرتے تھے۔ کچھ ریاستوں میں جاگیرداروں کو بھی اقتدار حاصل تھا، جو یا تو حکمران کے رشتہ دار ہوتے یا وفادار۔

چونکہ ان ریاستوں میں حکمرانوں کے اختیارات پر کوئی قانونی پابندی نہیں تھی، اس لیے وہ اپنی رعایا پر اپنی مرضی سے طاقت استعمال کر سکتے تھے۔ وہ ریاستی آمدنی اپنی مرضی سے خرچ کرتے تھے۔ اگرچہ کچھ "جدیدیت پسند" حکمران جیسے میسور،

بڑودہ، ترواننکوراور کوچین نے قانون ساز ادارے بنائے ،لیکن ان میں بھی زیادہ تر ارکان نامزد شدہ ہوتے تھے۔

بہت سے حکمرانوں نے اپنی برادری کے تعلیمی اداروں کو مالی امداد فراہم کی، جیسے: بنارس ہندو یونیورسٹی، ڈیکن ایجوکیشنل سوسائٹی، امرتسر کا خالصہ کالج، علی گڑھ کا محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، ان اداروں کی حمایت دراصل فرقہ وارانہ سیاست میں اپنی برادری کے اثر ورسوخ کو بڑھانے کی کوشش تھی۔

میسور، کوچین اور ترواننکور کے حکمرانوں نے نمایاں ہندو اداروں کی حمایت کی تاکہ ریاست میں مذہبی اثر قائم رہے۔ پٹیالہ کے بھوپندر سنگھ نے سکھ اداروں اور سکھ تاریخ نویسی کو فروغ دیا تاکہ خود کو سکھ قوم کا رہنما ظاہر کر سکیں۔ حیدرآباد میں نظام کی حکومت نے خود کو مسلم ریاست کے طور پر پیش کیا، خاص طور پر 1927 کے بعد جب "اتحاد المسلمین" جیسی جماعت ابھری، جس نے نظام کو دکن میں مسلم اقتدار کا نمائندہ قرار دیا۔ ترواننکور میں مہاراجہ خود کو ایک دیوتا کا زمین پر نمائندہ سمجھتے تھے اور ریاست میں سینکڑوں مندروں پر کنٹرول رکھتے تھے۔

19.6 صوبائی ریاستوں میں ابتدائی عوامی تحریکیں اور ہندوستانی اتحاد میں انضمام

ہندوستانی ریاستوں کے عوامی تحاریک نے ان ریاستوں کے ہندوستانی یونین میں انضمام میں اہم کردار ادا کیا۔ ان تحریکوں کی شروعات بیسویں صدی کے آغاز میں کئی نوابی ریاستوں جیسے میواڑ، کشمیر، ترواننکور، میسور، حیدرآباد وغیرہ میں کسانوں کی خود بخود ابھرنے والی بغاوتوں سے ہوئی، جو ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف تھیں۔

تاہم، ان تمام کسان بغاوتوں کو ریاستی حکمرانوں نے زمینداروں اور انگریزوں کی مدد سے سختی سے کچل دیا۔ 1920 کی دہائی میں شہری قوم پرستی کے تحت متوسط طبقے کی "پرجا پریشدیں" وجود میں آنے لگیں جن کے نظریات قومی نوعیت کے تھے۔ ان ریاستوں میں "سبجیکٹس کانفرنس" (بعد میں پیپلز کانفرنس) جیسے اجلاس ہر سال منعقد ہونے لگے۔

19.6.1 نوابی ریاستوں کی خدمات

1. ریلوے کا فروغ
2. صنعتوں کا قیام
3. ہوابازی کی شروعات
4. شہروں کی منصوبہ بندی
5. آبپاشی کے نظام

6. زراعت کی ترقی
7. تعلیم-پرائمری سے لے کر اعلیٰ یونیورسٹی تعلیم تک
8. یادگار عمارتوں کی تعمیر
9. قانون ساز اسمبلیوں کا قیام
10. طبّی ترقیات
11. دیگر خدمات

اس طرح، 17ویں سے 19ویں صدی کے درمیان ہندوستان مختلف نوابی ریاستوں میں منقسم تھا اور ہندوستان کی جغرافیائی سرحدیں محفوظ نہیں تھیں۔اسی وجہ سے یورپی تاجر یہاں آئے اور بالآخر برطانوی سیاسی تسلط قائم ہوا۔اس کے نتیجے میں جاگیرداری نظام اور وڈیرا شاہی کو فروغ ملا۔چھوٹے زمینداروں اور ساہوکاروں نے کسانوں، عورتوں اور عام عوام کا استحصال کیا۔

اگرچہ ان حکمرانوں نے کئی اصلاحات اور جدیدیت لانے کی کوششیں کیں، لیکن زمینداری نظام عوام کے حق میں نہیں تھا۔ یورپی اور دیگر ایشیائی ممالک کے اثر سے ان حکمرانوں نے اپنی ریاستوں کو جدید بنایا، اور ان کی کچھ وراثت آج بھی قائم ہے۔

سوالات: مختصر اور تفصیلی

مختصر سوالات

1. صوبائی ریاست کیا ہے؟
2. حیدرآباد میں طبی ادارے کون سے تھے؟
3. نظام دور میں قائم ہونے والے تعلیمی ادارے کون سے تھے؟

تفصیلی سوالات

4. ہندوستان کی نوابی ریاستوں کی فہرست تحریر کریں۔
5. نوابی ریاستوں کا انتظامی ڈھانچہ کیسا تھا؟ وضاحت کریں۔
6. عوامی تحریکوں پر ایک مضمون لکھیں۔
7. نوابی ریاستوں نے کن شعبوں میں خدمات انجام دیں؟ فہرست بنائیں۔

باب 20

انیسویں اور بیسویں صدی میں ہندوستانی نشاۃ ثانیہ

20.1 تعارف

نشاۃ ثانیہ ایک فرانسیسی لفظ ہے، جس کا مطلب 'دوبارہ جنم' ہے۔ یہ یورپی تہذیب کا ایک تصور ہے، جو ثقافت اور فنون لطیفہ میں نئی جہت پیدا کرتا ہے، اور لوگوں میں شعور بیدار کرتا ہے۔ یہ انسانیت پسندی کے عروج کی علامت ہے، کیونکہ سب سے پہلے اسے ایک فکری تحریک کے طور پر ظاہر کیا گیا۔ یہ ثقافت اور فنون لطیفہ کو ایک نیا انداز دیتا ہے اور لوگوں میں آگاہی پیدا کرتا ہے۔ اس عمل کا آغاز اٹلی سے ہوا اور اس کی جڑیں چودھویں سے سترہویں صدی تک کے دور میں پائی جاتی ہیں۔ اس کا اثر انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران برطانوی دور میں ہندوستان میں بھی نظر آیا۔

20.2 مقاصد

- نشاۃ ثانیہ کے بارے میں جاننا اور سائنسی طرزِ زندگی کے لیے اس کی ضرورت کو سمجھنا۔
- مختلف اصلاحی، احیائی، اور انقلابی تحریکوں کو سمجھنا۔
- ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اور خواتین کی آزادی۔
- نشاۃ ثانیہ اور لوگوں کی وطن سے محبت کے شعور کی بیداری۔

20.3 اکتسابی نتائج

- سماجی اور مذہبی برائیوں کا خاتمہ۔
- خواتین پر لاگو ہونے والے ظالمانہ رسم و رواج کا خاتمہ۔
- غلامی، جبری مشقت، اور دیگر سماجی برائیوں کا خاتمہ۔
- توحید کی تعلیمات کو فروغ دینا۔
- بت پرستی کو ختم کرنا۔
- تعلیم اور خواتین کو بااختیار بنانا۔
- ذات پات کے نظام کے خاتمے کے لیے جدوجہد۔
- توہمات اور غیر عقلی عقائد کا خاتمہ۔

20.4 ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کا تصور

وادی سندھ کی تہذیب کے بعد، ہندوستانی معاشرہ آہستہ آہستہ مذہبی ترقیات اور رسم ورواج کی گرفت میں آ گیا، جو یگنا (ہون) اور قربانی پر مبنی تھے، جن کی وجہ سے توہمات جنم لینے لگے۔ ہندوستان، جو زراعت میں انتہائی ترقی یافتہ تھا، خوراک کی پیداوار کے بجائے یگنا میں خوراک جلانے کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ رسمیں بہت پیچیدہ ہوگئیں، اور ان کے ساتھ جانوروں اور یہاں تک کہ انسانی قربانی بھی عبادت کا حصہ بننے لگی۔ اس کے علاوہ، ورن نظام (ذات پات کی تقسیم) نے انسانی زندگی پر منفی اثرات مرتب کیے، اور سماج انتہائی افسوسناک صورتحال میں پہنچ گیا۔

یہ حالات ہزاروں سال تک جاری رہے، اور انیسویں اور بیسویں صدی میں برطانوی دور کے دوران بھی برقرار رہے۔ چند لوگوں نے سماجی، مذہبی، اور معاشی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد شروع کی۔

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کا تصور تقریباً 2500 سال پہلے سے موجود تھا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں اصلاحی خیالات ابھرے، جسے وردھمان مہاویر اور گوتم بدھ نے متعارف کرایا، جس کے بعد کرناٹک میں باسوا تحریک، بھکتی اور صوفی تحریک، سکھ مت، اور دینِ الٰہی جیسے اصلاحی نظریات بھی سامنے آئے۔

یہ اصلاحات برطانوی دور کے انیسویں اور بیسویں صدی میں بھی جاری رہیں۔ سائنسی تعلیم اور علم عوام تک پہنچنا شروع ہوا، جس نے ایک مشہور انقلاب کو جنم دیا، جسے فکری انقلاب کہا جاتا ہے۔ یہ انقلاب سائنس، ادب، فلسفہ، سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، اور ثقافتی اصلاحات میں سامنے آیا۔ اسی لیے انیسویں اور بیسویں صدی کی سماجی و مذہبی اصلاحی تحریکوں کو ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے روایتی ہندوستانی علمی نظام کو بدلنے کی کوشش کی، سماجی طور پر ذات پات کے امتیاز کو چیلنج کیا، اور عوام میں جدید سائنسی تعلیم کو فروغ دینے کو ترجیح دی، جس کے نتیجے میں سماجی و مذہبی اصلاحی اور انقلابی تحریکیں سامنے آئیں۔

ہندوستان میں سماجی اور مذہبی تحریکیں سیاسی جدوجہد سے پہلے وجود میں آئیں، اور انہیں قومی آزادی کی تحریک کے لیے لازمی پیش خیمہ سمجھا گیا۔ فکری تاریخ کے دائرے میں، تاریخ کے تصورات کو نئی روشنی میں دیکھنے اور تجزیاتی زمرہ جات جیسے ذات، طبقہ، اور برادری وغیرہ کو دوبارہ جانچنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے دوران ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے دوران مختلف قسم کی تحریکیں وجود میں آئیں۔

20.5 اصلاحی تحریکوں کی اقسام

انیسویں اور بیسویں صدی میں ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے دوران مختلف قسم کی اصلاحی تحریکیں دیکھنے میں آئیں، جنہیں

بنیادی طور پر دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (1) اصلاحی اور انقلابی تحریکیں، اور (2) احیائی تحریکیں۔ ان میں سے چند اہم تحریکیں درج ذیل ہیں:

1. اصلاحی اور انقلابی تحریکیں

یہ تحریکیں جدید دور کے سائنسی مزاج اور وقت کی ضرورت کے مطابق تھیں۔

برہمو سماج

برہمو سماج 1828 میں معروف سماجی مصلح راجہ رام موہن رائے (1772–1833) نے کلکتہ میں قائم کیا۔ ہندوستان اور مغرب کے درمیان رابطے، نیز برطانوی اصلاحات نے بھی ایک آریائی سماجی اصلاحی تحریک اور فلسفیانہ نشا؟ ثانیہ کو فروغ دیا۔ راجہ رام موہن رائے نے اپنی بہن کو چتا پر جلتے دیکھنے کے بعد، اور ستی، ذات پات کی تقسیم جیسے نقصان دہ رسوم و رواج کو دیکھ کر برطانوی- ہندوستانی مکالمہ شروع کیا، جس میں بعض مغربی طریقوں کو اختیار کر کے ویدک مذہب — ہندومت — کو مضبوط بنانے کی امید کی گئی۔ یہ تحریک ہندوؤں میں رائج توہمات جیسے بت پرستی، کثرتِ خدائی، ذات پات کا ظلم، غیر ضروری رسوم، اور دیگر سماجی برائیوں جیسے ستی کے خلاف جنگ کرتی تھی۔

ستیشو دک سماج

ستیشو دک سماج کو کرانتی کاری جوتی راو پھولے نے 24 ستمبر 1873 کو پونے، مہاراشٹر میں قائم کیا۔ اس کا بنیادی مقصد سچائی کی تلاش تھا۔ یہ بیواؤں، اچھوتوں، اور نچلی ذاتوں کے افراد کی آزادی کے ساتھ ساتھ برہمن راج کے خلاف بھی آواز بلند کرتا تھا۔ سماج نے ویدک ثقافت کی نظریات، اپنشد، اور آریائی معاشرے کی بالادستی کو مسترد کیا۔

ستیشو دک سماج کے مقاصد تعلیم، سماجی حقوق، اور شہری آزادی تھے، خاص طور پر خواتین، محروم افراد، اور وہ لوگ جنہیں آریائی سماج میں نچلی ذات یا شودر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے مذہب اور ذات پات کے استحصال کی مذمت کی۔ اس کا مقصد شودر اور اتِ شودر کو برہمنوں کی استحصالی پالیسیوں سے آزاد کرنا تھا۔ اس نے ذات پات پر مبنی اور مذہبی استحصالی نظام، تعددِ ازدواج، پردہ نظام، بچوں کی شادی وغیرہ کی مذمت کی۔ سماج نے بیواؤں کی دوبارہ شادی اور خواتین کی تعلیم جیسے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔

علی گڑھ تحریک

سید احمد خان نے 1875 میں علی گڑھ میں محمدن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا، جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا۔ یہ مسلمانوں کو جدید تعلیم فراہم کرتا تھا۔

پرارتھنا سماج

کیشب چندر سین نے 1863 میں بمبئی میں پرارتھنا سماج کی بنیاد رکھنے میں مدد دی۔ پرارتھنا سماج نے توحید کی تبلیغ کی اور پجاریوں کے غلبے اور ذات پات کی تفریق کی مذمت کی۔ اس کی سرگرمیاں جنوبی ہندوستان تک بھی پھیل گئیں، جنوبی ہندوستان کے اصلاح پسندوں کی کوششوں کے ذریعے۔

سادھو جنا پریپالنا سنگم (بیسویں صدی)

اینکالی نے سادھو جنا پریپالنا سنگم کی بنیاد رکھی، جو دلتوں کے لیے تعلیم کو فروغ دیتا تھا۔ اینکالی کیرالہ میں دلت خاندان سے تعلق رکھنے والے اولین سماجی مصلحین میں سے تھے۔ وہ پُلایا برادری سے تھے، جسے تراونکور/ کیرالہ میں 'اچھوت' سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت کیرالہ کا معاشرہ شدید ذات پات اور رسومات کا شکار تھا، اور نچلی ذاتوں کے لوگوں کو بنیادی شہری حقوق حاصل نہیں تھے۔

اینکالی نے ان پابندیوں کو چیلنج کیا اور کئی حقوق کے لیے جدوجہد کی، جیسے عوامی مقامات تک رسائی، لباس کے وقار کا حق، عوامی سڑکوں کے استعمال کا حق، تعلیم کا حق، وغیرہ۔ وہ کیرالہ کے ابتدائی مزدور رہنماؤں میں سے ایک تھے، اور سیاسی تحریکوں کے وجود میں آنے سے پہلے ہی زرعی مزدوروں کے حقوق کے لیے لڑے۔

سیلف ریسپیکٹ موومنٹ

سیلف ریسپیکٹ موومنٹ 1925 میں ای وی راماسوامی (پیریار) نے قائم کیا۔ اس کا مقصد سماجی درجہ بندیوں، بشمول ذات پات پر مبنی جبر اور صنفی عدم مساوات کو چیلنج کرنا تھا۔ تحریک نے خواتین کے حقوق جیسے مساوی جائیداد کے حقوق، بیواؤں کی دوبارہ شادی، اور طلاق کے حق کی وکالت کی۔

پیریار نے 1925 میں 'کڈی ارسو' ہفت روزہ جاری کیا، تاکہ ان خیالات کو فروغ دیا جا سکے اور برہمن غلبے پر تنقید کی جا سکے۔ اس نے تمل ناڈو میں عقلیت پسندی، سماجی انصاف، اور علاقائی شناختوں کے فروغ میں کردار ادا کیا۔

ہِتکارنی سبھا

بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر، ہندوستانی آئین کے معمارِ اعلیٰ، ایک تعمیری سماجی مصلح، قانونی فلسفی، غیر معمولی عالم، بصیرت رکھنے والے رہنما، آزادی دہندہ، اور حقیقی قوم پرست تھے۔ انہوں نے دبے کچلے طبقوں کو انسانی حقوق دلانے کے لیے کئی سماجی تحریکوں کی قیادت کی۔ وہ سماجی انصاف کی جدوجہد کی علامت بنے۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے بہشکرت ہتکارنی سبھا (اچھوتوں کی فلاح و بہبود کی سوسائٹی) قائم کی، اور 1927 میں مہادستیہ گرہ جیسے سماجی تحریکوں کی قیادت کی، جس کا مقصد ہندوستانی معاشرے کی تاریخی طور پر مظلوم ذاتوں کے لیے انصاف اور عوامی وسائل تک مساوی رسائی کا مطالبہ کرنا تھا۔

ذات پات کا خاتمہ

بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نے کہا کہ ہندوؤں کو ذات پات کا خاتمہ کرنا چاہیے، جو سماجی یکجہتی میں بڑی رکاوٹ ہے، اور جمہوری اصولوں کے مطابق آزادی، مساوات، اور اخوت پر مبنی ایک نیا سماجی نظام قائم کرنا چاہیے۔

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اور خواتین

ہندوستانی نشاۃ ثانیہ، جو ہندوستانی قوم پرستی کے عروج اور اس کے آزادی میں اختتام پذیر ہونے کے ساتھ ہم آہنگ تھی، خواتین کے سرگرم کردار کی بدولت نمایاں تھی۔ انہوں نے اپنی منتخب مہم میں تمام توانائی اور قربانی کی روح شامل کی، جس سے نہ صرف کئی دیگر زندگیوں کو فائدہ پہنچا، بلکہ ایک جدید ہندوستان کی تشکیل میں بھی مدد ملی۔ ان کا کردار خود سیاسی اور سماجی تاریخ میں ایک عہد ساز داستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہت سی خواتین کو ہر سطح پر سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، چاہے وہ خاندان سے ہو، کمیونٹی سے ہو، ان کے کام کے دائرے میں ہو، یا غیر ملکی انتظامیہ سے ہو۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے آخر میں ابھرنے والی یہ خواتین قومی طور پر محروم خواتین کے لیے رہنمائی اور مقصد فراہم کرنے والی تھیں۔

اصلاح پسندوں کو سخت رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخی طور پر، خواتین کو کمتر سمجھا جاتا تھا، اور انہیں مردوں کے مقابلے میں کم حیثیت دی جاتی تھی، جنہیں اپنی شناخت کا حق حاصل نہیں تھا۔ خواتین پردہ، کم عمری کی شادی، بیواؤں کی شادی پر پابندی، اور ستی جیسے رسم و رواج کی وجہ سے دباؤ کا شکار تھیں۔ ہندومت اور اسلام دونوں میں خواتین معاشی اور سماجی طور پر مردوں پر انحصار کرتی تھیں، اور اکثر تعلیم سے محروم رکھی جاتی تھیں۔ ہندو خواتین کو جائیداد وراثت میں لینے کا حق حاصل نہیں تھا، جبکہ مسلم خواتین کو مردوں کے مقابلے میں آدھی جائیداد وراثت میں ملتی تھی۔ طلاق کے معاملات میں مردوں اور خواتین کے درمیان کوئی مساوات نہیں تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں کثرتِ ازدواج عام تھی۔

خواتین کی سماج میں حیثیت کو بہتر بنانا ضروری سمجھا گیا، اور سماجی مصلحین نے اسے حاصل کرنے کے لیے کام کیا۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ اس تبدیلی سے گھروں اور مردوں کی اصلاح بھی ممکن ہوگی۔

خواتین کی پیشرو شخصیات

شکشکا ساوتری بائی پھولے، ہندوستان کی پہلی خاتون اساتذہ، جنہیں "ہندوستانی نسوانیت کی ماں" کے طور پر جانا جاتا ہے، ایک سماجی مصلح اور شاعرہ تھیں، جنہوں نے اپنے شوہر جوتی راو پھولے کے ساتھ مل کر خواتین کے حقوق کی جدوجہد کی۔ وہ 3 جنوری 1931 کو نائیگاؤں، مہاراشٹر میں پیدا ہوئیں، اور انہوں نے ہندوستان میں خواتین کے حقوق کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

دیگر خواتین پیشرو شخصیات میں شامل ہیں: تارابائی شنڈے، مکٹابائی، فاطمابی، پنڈتا رامابائی، روحیہ شاکاوت حسین، جنہوں نے خواتین کی آزادی کے لیے جدوجہد کی۔

2. احیائی تحریکیں

کچھ اہم احیائی تحریکوں کی وضاحت درج ذیل ہے:

☆ آریہ سماج

شمالی ہندوستان میں سماجی اور مذہبی اصلاحات کی قیادت سوامی دیانند سرسوتی (1824-1883) نے کی، جنہوں نے 1875 میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ یہ سماج بت پرستی، کثرتِ خدائی، رسوم و رواج، پجاریوں کے غلبے، جانوروں کی قربانی، بچوں کی شادی، اور ذات پات کے نظام کے خلاف کام کرتا تھا۔ اس نے مغربی سائنسی علم کو پھیلانے کی بھی حمایت کی۔ یہ خواتین کی حالت کو بہتر بنانے، سماجی مساوات کی وکالت کرنے، اور اچھوتوں اور ذات پات کی سختیوں کی مذمت کرنے کے لیے کام کرتا تھا۔

☆ رام کرشنا مشن

یہ سوسائٹی 1897 میں کلکتہ (اب کولکاتا) کے قریب ویویکانند نے دوہری مقصد کے تحت قائم کی: (1) ویدانت کی تعلیمات کو پھیلانا، جیسا کہ ہندو سنت رام کرشنا کی زندگی میں ظاہر ہوتا ہے، اور (2) ہندوستانی عوام کے سماجی حالات کو بہتر بنانا۔

☆ دیوبند تحریک

دیوبند تحریک ایک احیائی تحریک تھی، جو 1866 میں محمد قاسم اور رشید احمد نے دیوبند (اتر پردیش، سہارنپور ضلع) میں ایک مدرسہ قائم کر کے شروع کی۔ دیوبند تحریک نے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کے ذریعے ترقی دینے پر توجہ دی۔

☆ سکھ سماجی-مذہبی اصلاحی تحریکیں

سکھ سماجی-مذہبی اصلاحی تحریکیں (SSRMSikh) انیسویں صدی کے آخر میں امرتسر میں خالصہ کالج کے قیام کے ساتھ شروع ہوئیں۔ خالصہ کالج 1892 میں سنگھ سبھا (1870) کی کوششوں اور برطانوی تعاون سے قائم ہوا۔ اسی طرح کی کوششوں کے نتیجے میں یہ کالج اور اسکول گرومکھی، سکھ تعلیم، اور پنجابی ادب کو فروغ دیتے رہے۔

☆ **نشاۃ ثانیہ — قومی شناخت کے ظہور میں کردار**

- فکری بیداری اور جدیدیت: ہندوستانی نشاہ ثانیہ نے روایتی سوچ سے جدید سوچ میں تبدیلی کی نشاندہی کی۔ یہ عقلیت، سائنسی تحقیق، اور تنقیدی تجزیے پر زور دیتا تھا، جس نے پرانے رسوم و رواج کو چیلنج کرنے میں مدد دی۔
- علاقائی زبانوں اور ادب کا فروغ: نشا؟ ثانیہ نے مقامی ادب اور زبانوں کی ترقی کو فروغ دیا،** جس سے نئی سوچ اور اقدار کو وسیع تر عوام تک پہنچایا جا سکا۔
- سماجی اور مذہبی اصلاح: نشا؟ ثانیہ سماجی اصلاحات کی حمایت کرتا تھا،** جیسے ستی، بچوں کی شادی، اور ذات پات کے امتیاز کو چیلنج کرنا۔
- تنوع میں اتحاد: نشاہ ثانیہ ہندوستان کے متنوع ثقافتی ورثے کو مناتا تھا،** اور علاقائی شناختوں کو قومی شعور میں ضم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔
- سیاسی شعور اور قومی فخر: ہندوستانی نشا؟ ثانیہ نے سیاسی اور سماجی مسائل پر بحث کو جنم دیا، جس نے قومی فخر اور خود حکمرانی کی خواہش کو فروغ دیا۔
- ادبی اور فنکارانہ شراکتیں: نشاۃ ثانیہ نے ادبی اور فنکارانہ اظہار کی حوصلہ افزائی کی، جو ہندوستانی طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے تھے، اور لوگوں کی جدوجہد اور امنگوں کو ظاہر کرتے تھے۔
- مغربی خیالات کے ساتھ تعامل: نشاۃ ثانیہ نے ہندوستانی اور مغربی مفکرین کے درمیان خیالات کے تبادلے کو آسان بنایا، جس سے ہندوستانیوں کو عالمی ترقیات کے حوالے سے اپنی شناخت بیان کرنے میں مدد ملی۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات

1. ساوتری بائی پھولے
2. برہموسماج
3. ذات پات کا خاتمہ
4. پیریار

مضمون سوالات

1. ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے پیچھے کیا خیال تھا؟
2. اصلاحی اور انقلابی تحریکیں کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔
3. ہندوستانی نشاۃ ثانیہ اور خواتین پر مضمون لکھیں۔
4. احیائی تحریکوں کا ذکر کریں؟
5. نشاۃ ثانیہ ہندوستانی قوم پرستی کے لیے کس طرح ذمہ دار ہے؟ تبادلہ خیال کریں۔

باب 21 ہندوستانی جدوجہد آزادی

21.1 تعارف

ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد اپنی وجوہات، جدوجہد اور کامیابیوں کی بنا پر انتہائی اہم ہے۔ ہندوستانی عوام نے ہر پہلو میں آزادی کے لیے جنگ لڑی — سماجی، اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، مذہبی، اور دیگر آزادیوں کے لیے، قدیم دور سے ہی غیر ملکی حملوں کے خلاف مزاحمت جاری رکھی۔ یہ آزادی کی تحریک ایک سماج کے تقریباً تمام طبقات کے لوگوں کو شامل کرتی ہے، جس کا مقصد ملک میں کچھ اجتماعی طور پر عزیز قومی اہداف حاصل کرنا ہوتا ہے۔

21.2 مقاصد

- کسی بھی قسم کی غلامی سے آزادی۔
- آزادی کے بارے میں علم حاصل کرنا — سماجی، مذہبی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی آزادی۔
- آزادی کی ضرورت اور حصول میں عوامی کردار۔
- تحریکیں شروع کرنے اور آزادی کے لیے اپنی جان قربان کرنے کے لیے ابھرتے ہوئے رہنما۔

21.3 اکتسابی نتائج

- آزادی کی اہمیت اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد۔
- رہنماؤں کی تحریک کے لیے خلوص۔
- لوگوں کی شرکت اور غلامی سے باہر نکلنے کی ذمہ داری۔
- آزادی کی خوشی۔
- محفوظ اور پرامن زندگی گزارنے کا حق۔

21.4 آزادی کی جدوجہد کا تاریخی پس منظر

ہندوستان دنیا میں کئی لحاظ سے مشہور ہے۔ ہمارا ملک ثقافت، تہذیب، امن، ترقی اور خوشحالی کے لیے جانا جاتا ہے۔ بہت سے غیر ملکی حملہ آور ہندوستان آئے اور اقتصادی و سیاسی طور پر غلبہ حاصل کیا۔ انہوں نے اپنے تسلط کا آغاز رنگ، مذہبی روایات، تجارت، اور سیاسی طاقت کے ذریعے کیا۔ کچھ حملہ آور تاجروں کے طور پر آئے، جبکہ دیگر مذہبی اور سیاسی مقاصد کے ساتھ وارد ہوئے۔

اسی لیے، قدیم دور سے ہی، ہندوستانی عوام غیر ملکی حملہ آوروں سے آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے — سماجی، اقتصادی، مذہبی، سیاسی، اور ثقافتی سطح پر۔ حملہ آوروں کے ذریعے غلامی، ظلم، جبری مشقت، ورن نظام، خواتین کا استحصال، قربانی، ستی کی رسم، مزدوروں کی تقسیم، جاگیرداری نظام، سیاسی اور معاشی استحصال جیسے سماجی و مذہبی برائیاں رائج کی گئیں۔

آریائی دور کے دوران، چھٹی صدی قبل مسیح میں، وردھمان مہاویر اور گوتم بدھ نے مذہبی آزادی کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد کبیر، باسوا، اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے دوران انیسویں اور بیسویں صدی تک یہ تحریک جاری رہی، اور بدھ مت کی جانب تبدیلی کے ساتھ اس کا اختتام ہوا۔

فارسیوں اور سکندر کی ابتدائی حملوں کے وقت، متحدہ ہندوستان کے لیے آزادی کی جدوجہد جاری تھی۔ بعد میں، پارتھی، ہن، عرب، ترک، اور دیگر حملہ آوروں کے خلاف جنگیں ہوئیں۔ دکن ہندوستان میں، جیجابائی، شاہ جی بھوسلے، اور شیواجی نے بہمنی سلطنت اور مغلوں کے خلاف سوراج کے لیے جدوجہد کی۔ آخر میں، مکمل آزادی اور آئینی حقوق کے لیے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی گئی۔

21.5 جدید ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد

جدید اور سائنسی تعلیم کا فروغ، قومی، صوبائی، اور ضلع کی سطح پر مختلف تنظیموں کا قیام، پریس کا کردار، بہتر نقل و حمل اور مواصلاتی نظام، وغیرہ نے ہندوستانی عوام میں سیاسی شعور کو تیز کیا، اور قومی تحریک کو مضبوط کرنے میں مدد دی۔

برطانوی حکومت کے ذریعہ ملک میں انتظامی، عدالتی، اقتصادی، اور فکری زندگی میں کی گئی تبدیلیوں نے، ایک بے چین اور متحرک نئے طبقے کے ظہور کے لیے زمین تیار کی۔ بعد میں یہی طبقہ تحریک کو قیادت فراہم کرتا رہا۔ آئینی احتجاج بیسویں صدی کے اوائل میں سیاسی مراعات کے مطالبے میں تبدیل ہو گیا، اور 15 اگست 1947 کو آزادی حاصل کی گئی، جبکہ 26 جنوری 1950 کو ہندوستان جمہوریہ بنا اور آئینی حقوق حاصل ہوئے۔

21.6 برطانوی پالیسیاں اور ہندوستانی آزادی کی جدوجہد کی تحریکیں

1757-1950 کسانوں کی بغاوتیں

1757-1950 قبائلی بغاوتیں

1857 سپاہیوں کی بغاوت

1864 سائنسی سوسائٹی کا قیام (سید احمد خان)

1878 مقامی پریس ایکٹ

1882 ہنٹر کمیشن

1883 البرٹ بل

1885 انڈین نیشنل کانگریس کا قیام اور پہلا اجلاس (بمبئی)

1892 انڈین کونسل ایکٹ

1905 بنگال کی تقسیم

1906 مسلم لیگ کی بنیاد

1907 سورت کی تقسیم

1909 مارلے-منٹو اصلاحات

1910 انڈین پریس ایکٹ

1916 ہوم رول لیگ

1916 لکھنؤ معاہدہ

1917 چمپارن ستیہ گرہ

1918 مدراس لیبر یونین کا قیام

1919 مونٹاگو-چلمسفورڈ اصلاحات

1919 ساؤتھ برو کمیٹی

1919 رولیٹ ایکٹ

1919 جلیانوالہ باغ قتل عام

1920 "موک نائک" (خاموشوں کا رہنما)- ہندوستانی اخبار

1920-22- عدم تعاون تحریک

1922 چوری- چوراوا قعہ

1923 سوراجیہ پارٹی کا قیام

1924 بہشکرت ہتکارنی سبھا (بمبئی، 20 جولائی)

1925 کاکوری ڈکیتی

1927 سائمن کمیشن کا قیام

1927 مہادستیہ گرہ

1928 بھگت سنگھ کے ہاتھوں ساؤنڈرز کا قتل

1928 انڈین نیشنل کانگریس کا کلکتہ اجلاس

1928 نہرو رپورٹ

1928 سائمن کمیشن

1929 پورنا سوراج (لاہور اجلاس)

1929 بھگت سنگھ کی سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی میں بمباری

1930 سول نافرمانی تحریک

1930 مندر میں داخلے کی تحریک

1930 ڈانڈی مارچ

1930 30 نومبر- پہلی گول میز کانفرنس

1931 5 مارچ- گاندھی- اروِن معاہدہ

1931 ستمبر- دوسری گول میز کانفرنس

1932 پونا معاہدہ

تیسری گول میز کانفرنس

1935 حکومتِ ہند ایکٹ

1939 فارورڈ بلاک کا قیام

1940 18-22 اگست-اگست پیشکش

1942 بھارت چھوڑو تحریک

1942 11 مارچ-کرپس مشن

ہندوستانی آزادی لیگ کا قیام

آزاد ہند فوج کی تشکیل (1 ستمبر)

1945 ویول پلان؛ شملہ کانفرنس

1946 کابینہ مشن

1947 جون-ماؤنٹ بیٹن پلان

ہندوستانی آزادی ایکٹ

15 اگست-ہندوستان نے آزادی حاصل کی

26 جنوری 1950-ہندوستان کا آئین

26 جنوری 1950-جمہوریہ ہندوستان

21.7 آزادی کی جدوجہد میں خواتین کا کردار

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں خواتین نے لازمی اور ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا، جو عام فرد سے لے کر بڑے عوامی مظاہروں کی قیادت تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی قربانیاں بے شمار اور ناقابلِ پیمائش ہیں۔ بہت سی بہادر خواتین نے برطانوی حکومت کے خلاف آواز بلند کی۔ کئی خواتین نے سڑکوں پر نکل کر جلوسوں کی قیادت کی، تقاریر کیں، اور مظاہرے منعقد کیے۔ یہ خواتین بے پناہ ہمت اور شدید قوم پرستی رکھتی تھیں۔ ہندوستانی خواتین کی قربانیاں ہندوستانی تاریخ میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے سچی روح اور بے خوف بہادری کے ساتھ جنگ کی، بہت سے درد، استحصال، اور مصائب کا سامنا کیا، تاکہ ہمیں آزادی مل سکے۔

خواتین نے تعلیم اور خواتین کے حقوق کے حصول کے لیے عوامی اجتماعات منعقد کیے۔ انہوں نے سماجی برائیوں جیسے

ستی، دیوداسی، بیوگی، جوگنی، تعددِ ازدواج، اور دیگر مسائل کے خلاف جدوجہد کی۔

یوں، ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی حصہ لیا۔ یہ جدوجہد قدیم زمانے سے کئی رکاوٹوں اور چیلنجوں سے گزری اور آخر کار اپنے مقاصد حاصل کیے۔ ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے شہری ہیں۔ اس طرح، ابتدائی دور سے 1950 عیسوی تک کی تاریخ نے ہمیں اپنی قوم کی مختلف ادوار میں ترقی اور جدوجہد کو سمجھنے میں مدد دی۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات

1. آزادی کی جدوجہد
2. 1928 کی تحریکیں
3. 1919 کے سال کے اہم واقعات

طویل سوالات

1. ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کا تاریخی پس منظر لکھیں۔
2. 1757 سے 1900 تک کی آزادی کی جدوجہد کی فہرست بنائیں۔
3. 1901 سے 1950 تک کی آزادی کی جدوجہد کی فہرست بنائیں۔
4. آزادی کی جدوجہد میں خواتین کی شرکت کی وضاحت کریں۔

باب 22

تلنگانہ کی تاریخ - جغرافیائی خصوصیات - ذرائع اور ماقبل تاریخی دور

22.1 تعارف

تلنگانہ کی تاریخ جغرافیائی حالات سے شروع ہوتی ہے، جو اپنی جسمانی خصوصیات جیسے دریاؤں، مٹی، آب و ہوا، نباتات وحیوانات، پہاڑوں، چٹانوں، جھیلوں، تالابوں، جنگلات، ہموار زمینوں وغیرہ کی وجہ سے اس کی تاریخ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کسی خاص جغرافیائی جگہ کی تاریخ جاننے کے لیے ذرائع ضروری ہیں، اور تلنگانہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس کے ماضی کو سمجھنے کے لیے بے شمار ذرائع دستیاب ہیں۔ ماقبل تاریخ بھی بہت کچھ بتاتی ہے، پتھر کے دور کی کہانیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ انسان ابتدائی زندگی کے مراحل میں کیسے رہتا تھا۔ انسان شکار کرتا تھا، خوراک جمع کرتا تھا، جنگلوں میں جانوروں کے ساتھ رہتا تھا۔ آہستہ آہستہ انسان نے زراعت کو اپنایا اور بعد میں مہذب ہو گیا۔

22.2 مقاصد

- ان جغرافیائی حالات کو اجاگر کرنا جن میں انسان تلنگانہ میں طویل عرصے تک زندہ رہا۔
- ان ذرائع کو جاننا جن کے ذریعے ہم تلنگانہ اور اس کے ماضی کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، تاکہ یہ ورثہ بن سکے اور ضرورت کے وقت حوالہ دیا جا سکے۔
- تلنگانہ اور اس کے ماقبل تاریخی دور کو سمجھنا، کہ انسان پتھر کے دور میں کیسے رہتا تھا اور کیا طریقے اپناتا تھا۔

22.3 اکتسابی نتائج

- جغرافیہ نے شناخت دی اور اس کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔
- ذرائع ماضی کے حقائق کا مطالعہ کرنے کے ثبوت ہیں۔
- پتھر کے دور کی زندگی — شکار اور خوراک جمع کرنے کی زندگی — کا موجودہ دور سے موازنہ، تاکہ انسانی زندگی کی ترقی اور نشوونما کو سمجھا جا سکے۔
- ابتدائی دور میں انسان خانہ بدوش تھا۔

22.4 تلنگانہ کی جغرافیائی خصوصیات

22.4.1 جغرافیائی محل وقوع:

تلنگانہ دکن کے سطح مرتفع کا حصہ ہے۔اس کی بلندی مختلف علاقوں میں 300 سے 730 میٹر کے درمیان ہے۔ یہ پہاڑوں کی قطاروں، دریاؤں، ناہموار میدانوں، وسیع وادیوں، چٹانوں، پہاڑوں، نباتات وحیوانات، اور قدرتی وسائل سے ممتاز ہے۔ یہ تمام خصوصیات تلنگانہ کی تاریخ پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔

تلنگانہ '46°15 شمالی عرض البلد سے '47°19 شمالی عرض البلد اور '16°77 مشرقی طول البلد سے '43°81 مشرقی طول البلد کے درمیان ہندوستانی جزیرہ نما پر واقع ہے۔تلنگانہ کا علاقہ دکن کے سطح مرتفع کا مرکزی حصہ بناتا ہے۔تلنگانہ کا کل رقبہ تقریباً 1,12,077 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ ہندوستان کے زمینی رقبے کا 3.41 فیصد حصہ بناتا ہے۔تلنگانہ ہندوستان کی گیارہویں سب سے بڑی ریاست ہے۔

تلنگانہ شمال میں گوداوری اور پرانہیتا دریاؤں، جنوب میں کرشنا اور تنگبھدرا دریاؤں تک پھیلا ہوا ہے۔ نالگونڈا اور کھمم کے پہاڑ مشرق میں ساحلی آندھرا کو تقسیم کرتے ہیں، جبکہ عادل آباد، نظام آباد، میدک، اور رنگا ریڈی اضلاع کے پہاڑ تلنگانہ کے شمال مغربی سرحد بناتے ہیں۔ سیاسی تقسیم کے لحاظ سے، آندھرا پردیش مشرق اور جنوب میں، کرناٹک مغرب میں، اور مہاراشٹر اور چھتیس گڑھ شمال میں واقع ہیں۔تلنگانہ ریاست 2 جون 2014 کو ہندوستان کی 29 ویں ریاست کے طور پر وجود میں آئی۔ حیدرآباد، سکندرآباد، ورنگل، کریم نگر، نظام آباد، اور کھمم تلنگانہ کے نمایاں شہر ہیں۔فی الحال، تلنگانہ میں 33 اضلاع ہیں۔

22.4.2 زمین کی ساخت:

یہ علاقہ پہاڑی زمین، جنگلاتی علاقے، اور زرخیز میدانوں کا امتزاج پیش کرتا ہے۔نمایاں پہاڑوں میں نالمالا پہاڑ اور دکن کا سطح مرتفع شامل ہیں، جو ناہموار زمین اور چٹانی سطحوں سے ممتاز ہیں۔

22.4.3 دریائیں:

تلنگانہ کے علاقے میں کئی دریا بہتے ہیں۔ان میں کرشنا اور گوداوری کے معاون دریا شامل ہیں، جو مغربی گھاٹ کے ناسک تریمبکیشور سے پیدا ہوتے ہیں۔ گوداوری تلنگانہ میں نظام آباد ضلع میں داخل ہوتا ہے اور کندا کرتی میں تریوینی سنگم بناتا ہے۔ گوداوری دریائے منجیرا، پرانہیتا، اور اندراوتی سے جڑتا ہے۔ یہ نرمل، نظام آباد، منچریال، جگتیال، پداپلی، جے شنکر بھوپال پلی، ملگو، اور بھدرادری کوٹھا گوڈیم اضلاع میں بہتا ہے، اور پھر آندھرا پردیش میں داخل ہوتا ہے۔ گوداوری کے طاس کا 79 فیصد حصہ تلنگانہ میں ہے۔ یہ تلنگانہ میں تقریباً 560 کلومیٹر تک بہتا ہے۔کرشنا دریا، جو مہاراشٹر کے مغربی گھاٹ کے مہابلیشورم سے پیدا ہوتا ہے، تلنگانہ میں نارائن پیٹ ضلع کے تانگڈی گاؤں میں داخل ہوتا ہے۔کرشنا دریا کے طاس کا 69 فیصد حصہ تلنگانہ میں بہتا ہے، جو تقریباً 430 کلومیٹر ہے۔کرشنا دریا دریاؤں جیسے بھیما، موسی، ڈنڈی، پالیر، منیرو وغیرہ سے جڑتا ہے۔ برار کا دریائے پینگنگا اور مہاراشٹر کا دریائے وردا کچھ علاقوں میں ایک ساتھ بہتے ہیں، اور تلنگانہ میں وینگانگا کے ساتھ مل جاتے ہیں۔

22.4.4 جھیلیں:

تلنگانہ کے دریا اونچے سطح مرتفع علاقوں میں بہتے ہیں۔ان کے بہاؤ کی وجہ سے کئی ندیوں کی تشکیل ہوئی، جس سے جھیلیں بنانا ممکن ہوا۔جھیلوں کی تعمیر کا آغاز کاکتیہ دور سے ہوا۔تلنگانہ میں تقریباً5000 بڑی جھیلیں اور15000 چھوٹی جھیلیں موجود ہیں۔

22.4.5 آب وہوا:

تلنگانہ میں ایک استوائی آب وہوا پائی جاتی ہے، جس میں گرمیاں گرم، مانسون معتدل، اور سردیاں ہلکی ہوتی ہیں۔ گرمیوں میں درجہ حرارت 40°C (104°F) سے زیادہ ہوسکتا ہے، جبکہ سردیوں میں درجہ حرارت 15°C سے 20°C (59°F سے 68°F) کے درمیان رہتا ہے۔

22.4.6 قدرتی وسائل:

یہ علاقہ کوئلہ، چونا پتھر، گرینائٹ، اور ریت کے پتھر جیسے وسائل سے مالا مال ہے، جو اس کی صنعتی ترقی میں معاون ہیں۔سنگارینی کولیریز کمپنی یہاں کے سب سے بڑے کوئلے کے ذخائر میں سے ایک کو چلاتی ہے۔

22.4.7 مٹی:

یہاں کی مٹی زیادہ تر سرخ اور کالی ہے، جو کپاس، مکئی، چاول، باجرہ، اور دالوں جیسی فصلوں کی کاشت کے لیے موزوں ہے۔کالی کپاس کی مٹی (ریگر) خاص طور پر زرخیز ہے اور کپاس کی کاشت کے لیے مثالی ہے۔

22.4.8 حیاتیاتی تنوع:

یہ علاقہ مختلف نباتات وحیوانات کا گھر ہے، جس میں جنگلاتی علاقے شامل ہیں، جہاں ساگوان، بانس، اور چندن کے درخت پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے جنگلی حیات میں شیر، تیندوا، ہرن، مور، اور کئی پرندوں کی اقسام شامل ہیں۔ یہاں کے اہم جنگلی حیات کے محفوظ علاقے اور قومی پارک شامل ہیں: کاوال وائلڈ لائف سینکچری، پاکھل وائلڈ لائف سینکچری، ایٹورنگرام وائلڈ لائف سینکچری، اور مہاویر ہرینا وستھلی نیشنل پارک۔ یہ علاقے حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے بہت اہم ہیں۔

22.4.9 زراعت:

زراعت یہاں کا بنیادی پیشہ ہے، اور آبادی کا ایک بڑا حصہ کھیتی باڑی میں مصروف ہے۔کرشنا دریا پر ناگرجنا ساگر ڈیم اور گوداوری دریا پر شری رام ساگر پروجیکٹ جیسے آبپاشی منصوبے وسیع پیمانے پر زراعتی سرگرمیوں کی حمایت کرتے ہیں۔

22.5 تلنگانہ کے ذرائع

تلنگانہ جنوبی ہندوستان کے مشہور علاقوں میں سے ایک ہے۔تلنگانہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے بے شمار ذرائع دستیاب ہیں، جیسے کہ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعے کے ذرائع۔تلنگانہ کی تاریخ کے ذرائع کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:(الف)ادبی ذرائع (ب) آثار قدیمہ کے ذرائع

22.5.1 ادبی ذرائع:

تحریری شواہد کو مقامی ادب اور غیر ملکی بیانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مقامی ذرائع:

تلنگانہ کے سب سے قدیم تحریری شواہد مہاجن پد کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔تلنگانہ مہاجن پد کا حصہ تھا اور اسے اسما کا کے طور پر پہچانا جاتا تھا، جو جنوبی ہندوستان کا واحد طاقتور جنپد تھا۔تاریخی متون میں گنادیا کی "بریہت کتھا"، سروورما کی " کتنتر ویا کرن"، ہالا کی " گاتھاسپت شتی"، اور آچاریہ ناگرجنا کے ادبی کام شامل ہیں۔وشنوکندن اور اکشوا کا دور کے تحریری شواہد شاذ و نادر ہی دستیاب ہیں۔تلنگانہ کے بارے میں معلومات بدامی چالوکیہ اور کلانی چالوکیہ کے تحریری کاموں سے بھی ملتی ہیں، جنہوں نے کرناٹک کے علاقے پر حکومت کی، اور راشٹرکوٹوں کے تحریری کاموں سے بھی۔کاکتیہ دور کی تاریخ جاننے کے لیے "پرتاپ رودریا سوبھوشنم"، "سدیشور چرتر"، " گنیتا سارم"، " کریڈا بھی رامم"، اور "سکلا نیتی سمتھم " جیسے متون مفید ہیں۔ "نرنگکوسوپاکھیانم"، "سگریواوجیم"، "یاتی چرتر"، اور "ویجیانتی ولاسم" ماضی کی تاریخ کے بارے میں بتاتے ہیں۔نظام کے انتظامیہ کے بارے میں جاننے کے لیے پنڈت ترناتھ، مندمولانرسنگ راؤ، ماداپتی ہنومنت راؤ، اور روی نارائن ریڈی کے کام مفید ہیں۔

غیر ملکی ذرائع:

میگاستھینیز، جو چندر گپت موریہ کے دربار میں یونانی سفیر تھے، نے اپنی کتاب "انڈیکا" میں آندھرا کا ذکر کیا۔تلنگانہ کا ذکر یونانی اور رومی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔آندھرا کے بندرگاہی شہروں کا ذکر پلینی کے کاموں اور "پیریپلس آف دی اریتھریئن سی" میں ملتا ہے، جو ایک نامعلوم یونانی جہاز راں نے لکھی تھی۔اطالوی سیاح مارکو پولو، جو کاکتیہ سلطنت کے وقت رودرمبا کے دور میں آیا، نے بھی تلنگانہ کے بارے میں لکھا۔وجے نگر کے بادشاہوں کے دور میں آنے والے غیر ملکی زائرین اور تاجروں کے ذریعے بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں انگریز تاجروں اور حکام کی تحریروں سے بھی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔قطب شاہی دور میں حیدرآباد آنے والے کئی غیر ملکی سیاحوں نے بھی اپنے بیانات چھوڑے۔

22.5.2 آثارقدیمہ کے ذرائع:

تلنگانہ کی تاریخ کو جاننے میں کئی آثار قدیمہ کے شواہد بھی مددگار ہیں۔انہیں تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

یادگاریں:

تلنگانہ کی تاریخ ان عمارتوں سے جانی جاسکتی ہے جو مختلف حکمران خاندانوں نے تعمیر کیں۔قدیم تلنگانہ کے دوران بدھ مت کی یادگاریں تعمیر کی گئیں۔کئی حکمرانوں نے مندروں کی تعمیر بھی کی۔مہبب نگر ضلع کے آلام پور میں بدامی چالوکیہ دور کے دوران تعمیر کیے گئے نو برہما مندر، بدامی چالوکیہ طرزِ تعمیر کو ظاہر کرتے ہیں۔ہنومکونڈا میں ہزار ستونوں والا مندر، پالام پیٹ میں رامپا مندر، پاکھلا جھیل، اور تلنگانہ میں تعمیر کی گئی کئی جھیلوں کی زنجیریں کاکتیہ دور کی تاریخ بتاتی ہیں۔

کتبے:

تلنگانہ کی تاریخ کئی کتبوں کے ذریعے بھی جانی جاسکتی ہے۔اشوکا کے کتبے، ناسک کے کتبے، دیونا گینیکا کا نانا گھاٹ کتبہ، ہاٹی گمپا کتبہ، راشٹرکوٹ دور کے کتبے، کلانی چالوکیہ دور کے کتبے وغیرہ تلنگانہ کی تاریخ بتاتے ہیں۔حال ہی میں ڈاکٹر کٹکم مرلی، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، نرمل نے کلانی چالوکیہ دور کے کتبے نظام آباد ضلع کے بینسا اور امیدا میں دریافت کیے۔ویلاسا کتبہ، کالواچرو کتبہ وغیرہ بعد از کاکتیہ حالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

سکّے:

سکّے بھی تاریخ لکھنے کے لیے معیار ہیں۔سکّوں پر موجود شکلیں، عنوانات، اور علامات اس وقت کے حالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔اس وقت کے اقتصادی حالات بھی ان معدنیات سے معلوم کیے جاسکتے ہیں جو سکّے بنانے کے لیے استعمال کیے گئے تھے۔

22.5.3 پتھر کا دور:

''اگر انسانی ارتقاء کو ایک فلم کے طور پر بنایا جائے تو اس کا صرف ایک منٹ تاریخ ہے، باقی سب ماقبل تاریخ ہے''
– گورڈن چائلڈ۔ ماقبل تاریخی دور کے کوئی تحریری ذرائع نہیں ہیں؛ صرف آثار قدیمہ کے شواہد ہمیں تاریخ بنانے کے لیے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔تلنگانہ میں ماقبل تاریخی دور کا مطالعہ سر رابرٹ بروس فوٹ نے 19 ویں صدی کے وسط میں نلگنڈہ ضلع میں کیا۔یہ ماقبل تاریخی دور کے بارے میں واضح معلومات فراہم کرتا ہے۔اس دور کے لوگ پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے تھے، اور پتھر کی تیزی اور سائز کی بنیاد پر، پتھر کے دور کو مختلف مراحل میں تقسیم کیا گیا۔

پالیتھک PALEOLITHIC:

ابتدائی پرانا پتھر کا دور: ابتدائی پرانا پتھر کا دور 3 لاکھ سال پہلے سے لے کر 1.3 لاکھ سال پہلے تک کا ہے۔اس دور کے ذرائع کرشنا دریا کے کنارے، نالمالا جنگلات، زیریں گوداوری طاس، پداپلی، رام گنڈم، گوداوری کھنی (کریم نگر)، منچریال، چنور سے ویمنا

پلی، مشرقی عادل آباد ضلع، بوتھ، پوچرا (کڈم معاون دریا کے کنارے)، سورنا دریا، نرمل کے دائیں کنارے، ایٹورنگرام (ورنگل ضلع)، پالونچا، اور چارلا (کھمم) میں پائے گئے۔ اس دور کے لوگ ہاتھ کے کلہاڑے اور کاٹنے کے اوزار استعمال کرتے تھے، جو خوراک کے شکار اور جمع کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہ اوزار افریقی ایشیولین اوزاروں سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان کی طرز زندگی جانوروں جیسی تھی۔

درمیانی پرانا پتھر کا دور:

درمیانی پرانا پتھر کا دور 1 لاکھ سال سے لے کر 50,000 سال تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کے مقامات ابتدائی پرانے پتھر کے دور کی وادیوں میں پائے گئے، جیسے: اپا پور، بورا پور، چندر گپت پٹنم، سیلیشورم، کڈالی ونم، میڈی منکل، کتیور، سومشیلا، راسراپلی (مہبب نگر ضلع)، مہیشورم، ناگرجنا کونڈا (نلگنڈہ)، گنا پورم (ورنگل)، عاصف آباد، پوچرا، نرسا پور، عادل آباد، گوداوری کھنی، میڈی پلی، بوچائی پلی، رام گنڈم، مالکا پورم (کریم نگر)۔ اس دور کے اوزاروں میں چھوٹے کلہاڑے، گول کلہاڑے، اور کاٹنے کے اوزار شامل ہیں، جیسے: ایک طرفہ، دوطرفہ، کنارے والے، مقعر، محدب، ترچھے ڈرل، اور کندھے والے اوزار۔

آخری پرانا پتھر کا دور:

آخری پرانا پتھر کا دور پلیسٹوسین کے اختتام/آخری مرحلے اور ہولوسین کے آغاز کے طور پر جانا جاتا ہے، جو جغرافیائی اور موسمی حالات پر مبنی ہے۔ یہ دور زیریں وادیوں اور دریا کے طاسوں میں پایا جاتا ہے، جیسے: وانکیدی (عادل آباد)، چرلا، بورنا گڈم، لکنوارم، لنگاونم، پیراورم، رایاورم، ویراورم، ایلاورم (گوداوری طاس)، پاکالا، ایٹورنگرام (ورنگل)، ایلیشورم، ناگرجنا کونڈا، چندر گپت پٹنم، کڈالی ونم، میڈی منکل (کرشنا طاس)۔

22.5.4 میسولیتھک یا درمیانی پتھر کا دور:

میسولیتھک یا درمیانی پتھر کا دور تقریباً 8500-3000 قبل مسیح کا ہے۔ یہ ہولوسین کے پہلے دور کے طور پر جانا جاتا ہے، جو اس کے موسم اور درجہ حرارت کی وجہ سے ہے۔ انسانوں نے چھوٹے اور مائیکرو پتھر کے اوزار استعمال کرنا شروع کیے۔ یہ دوران انسانوں کا آخری دور ہے جنہوں نے پتھر کے ہتھیار استعمال کیے۔

اس دور کے ترقی یافتہ دور میں پتھر اور ہڈیوں کے دھاتوں کا مرکب استعمال کیا گیا۔ اس دور کی غاروں میں تقریباً 150 تصاویر اور پینٹنگز ملی ہیں، جن میں ہرن، بلیاں، ہائینا، کتے، لومڑیاں، کچھوے وغیرہ شامل ہیں، جو گرینائٹ، ریت کے پتھر، اور غاروں پر سرخ انگلیوں کے نشانات کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ اس دور کی ابتدائی پینٹنگز مہبب نگر کے سانگانونی پلی ضلع میں دیکھی گئی ہیں۔ پینٹنگز میں بڑے سائز کے ہرن کی تصویر مختلف رنگوں کے بڑے سائز کے امتزاج کو ظاہر کرتی ہے۔ یہی خصوصیات دیپڈ گٹہ، پوتھن پلی، منیم کونڈا، کوکا پیٹا، رام گنڈم، ہستالا پور، نرسا پور، اور پانڈوولا گٹہ میں بھی دیکھی گئی ہیں۔

جدید پتھر کا دور

دو پتھروں کے ٹکرانے سے نرم پتھر بنے۔ یہ نرم پتھر کا دور نیو اسٹون ایج کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دور کے اوزار

دھاتوں جیسے تانبے اور کانسی سے بنائے گئے تھے۔ان دھاتی اوزاروں کے استعمال سے فصلیں اگائی گئیں۔فصلیں اگانے کے اس عمل نے فصلوں کو اگانے کے لیے تین بڑی اختراعی تکنیکوں کو جنم دیا۔زراعت میں اضافہ ہوا اور اسے خوراک پیدا کرنے کا دور کہا گیا۔گورڈن چائلڈ کے مطابق، اس دور کو نیو اسٹون ایج انقلاب کہا جاتا ہے۔شواہد گرینائٹ غاروں، پہاڑیوں، اور وادیوں میں دیکھے گئے ہیں، جیسے: تو گرائی، کڈم، پدابنکور، بدیگا پلی، پلاکونڈا، اور دیورا پلی۔

چٹانوں میں دفن:

تلنگانہ میں 1500-300 سال کے درمیان مرنے والے لوگوں کو تابوت میں رکھ کر دفن کیا جاتا تھا، اور ان کے اردگرد بڑے پتھر رکھے جاتے تھے۔دفن کرنے کے دو طریقے تھے:

1. موت کے فوراً بعد دفن کرنا۔
2. جلانے کے بعد دفن کرنا۔

تعمیر کی بنیاد پر انہیں چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

1. گڑھے میں دفن کرنا: میت کو گرینائٹ سے بنے دفن کے ڈبے میں رکھا جاتا تھا، جو گڑھے میں رکھا جاتا تھا، اور اس کے اردگرد بڑے پتھر دائرے کی شکل میں رکھے جاتے تھے۔
2. سسٹ دفن: انہیں مکمل طور پر ڈھانپے بغیر دفن کیا جاتا تھا۔کچھ حصہ کھلا رکھا جاتا تھا۔
3. ڈولمین: یہ ایک واحد میگالیتھک قبر ہے، جس میں عمودی میگالیتھس ایک بڑے افقی میز کو سہارا دیتے ہیں۔
4. چٹانوں میں دفن: غاروں کو کاٹ کر مردوں کو ان میں دفن کیا جاتا تھا۔

سوالات: مختصر اور مضمون

مختصر سوالات:

1. جدید پتھر کا دور
2. چٹانوں میں دفن
3. کتبے
4. ابتدائی پرانا پتھر کا دور

طویل سوالات

1. تلنگانہ کے جغرافیائی حالات کے بارے میں لکھیں۔
2. تلنگانہ کی تاریخ کے ذرائع کے بارے میں لکھیں۔

باب 23 ستواہنااوراکشواکو

23.1 تعارف

ستواہنااوراکشواکو نے تلنگانہ پرطویل عرصے تک حکومت کی اورکئی شعبوں میں تعاون کیا۔ان کے تعمیراتی آثارتلنگانہ کی معیشت کوفروغ دینے کے لیے سیاحت میں اہم کردارادا کررہے ہیں۔

23.2 مقاصد

- سمجھنا کہ ستواہنانے کیسے حکومت کی اوران کے تعاون کیا تھے۔
- اکشواکو کے دور میں تلنگانہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنااوران کے تعاون کو جاننا۔
- نظم ونسق،معیشت،سماجی زندگی، مذہبی اورثقافتی ترقیات کے بارے میں بھی جاننا۔

23.3 اکتسابی نتائج

- نظم ونسق، پالیسیوں،سماجی ومذہبی حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔
- ستواہنااوراکشواکوکی میراث اوراس کی اہمیت۔
- تلنگانہ کی ثقافت کی نمائندگی کرنے والےفن اورتعمیرات،اورسیاحت ومعیشت میں ان کا تعاون۔

23.4 ستواہنا(225 قبل مسیح سے 225 عیسوی)

ستواہنا جنوبی ہندوستان میں حکمران خاندان تھے۔ یہ اصل میں موریہ کے ماتحت تھے۔انہوں نے 450 سال تک حکومت کی، 225 قبل مسیح سے 225 عیسوی تک۔ ان کے کل 30 بادشاہ تھے۔موریہ سلطنت کے بعد،ستواہنا نے قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے بڑی سلطنت قائم کی۔انہیں دکشن پٹاپتولوکہا جاتا ہے۔

کتبوں کے مطابق، وہ ستواہنا کہلاتے ہیں۔شری مکھا ستواہنا سلطنت کے بانی تھے۔ان کے تین دارالحکومت تھے۔ پہلا کوٹیلنگالا تھا، جواب تلنگانہ کے جگتیال ضلع میں گوداوری دریا کے کنارے واقع ہے۔

پہلے ستواہنا کوٹیلنگالا سے مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے پرتستانا پورم کو اپنا مرکز بنا کر حکومت کرتے تھے۔تاہم،

ساکا کے حملوں اور رومن سلطنت کے ساتھ تجارت کے زوال کی وجہ سے، انہوں نے اپنی سلطنت کو مغرب سے مشرق تک پھیلایا اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت جاری رکھی، دھنیہ کتاکا کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یعنی، تلنگانہ میں سلطنت قائم کرنے کے بعد، انہوں نے مہاراشٹر میں سلطنت کو پھیلایا اور آخرکار امراوتی کو مرکز بنا کر حکومت کی۔ اس مرحلے پر سلطنت زوال پذیر ہوئی۔

سموکا:

سموکا نے کوٹیلنگالا کو مرکز بنا کر حکومت کی۔ انہوں نے جین مت کی پیروی کی۔ ان کے سکے کوٹیلنگالا میں پائے گئے۔ بادشاہ کنہا نے ان کے بعد حکومت کی۔

ستکرنی اول:

ستکرنی اول پہلے ستواہنا بادشاہوں میں سب سے عظیم تھے۔ انہوں نے جنوبی ہندوستان میں پہلی بار یگنوں کا انعقاد کیا۔ ان کا لقب دکشن پٹا پتی تھا۔ ان کی بیوی دیوی ناگنیکا تھیں۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد، ان کے بیٹے کم عمر تھے، لہذا انہوں نے اپنے والد مہارتی تریانکارا کی مدد سے حکومت کی۔ نانے گھاٹ پر سات تصاویر کے ساتھ ایک کتبہ ان کے ذریعے کندہ کیا گیا۔

ستکرنی دوم:

ستکرنی دوم نے 56 سال تک حکومت کی۔ وہ اس خاندان کے سب سے طویل عرصے تک حکومت کرنے والے بادشاہ تھے۔ ان کی کامیابیاں سانچی کتبے پر کندہ ہیں۔

کنٹالاستکرنی:

کنٹالاستکرنی کے دربار میں دو شاعر گنادیا اور سروورما تھے۔ گنادیا نے مشہور کتاب "بریہت کتھا" لکھی اور سروورما نے "کتنتر ویاکرن" لکھی۔ ان کا ذکر ہیون سانگ نے کیا۔

ہالا:

ہالا ستواہنا بادشاہوں میں 17 ویں بادشاہ تھے۔ ان کا لقب شاعر تھا۔ انہوں نے پراکرت زبان میں "گاتھاسپت شتی" لکھی۔ ان کے دور کو پراکرت زبان میں سنہری دور کہا جاتا ہے۔ بادھن کرتی کے جنوب میں سپتھ گوداوری واقع ہے، جو نرمل ضلع کے نیکونڈا کے شمالی کنارے اور جگتیال ضلع کے ویمپلی وینکٹ راؤ پیٹ کے جنوبی کنارے کے درمیان واقع ہے۔ مشہور 9 ویں صدی کے شاعر کتھولا نے اپنی تصنیف "لیلاوتی" میں ذکر کیا کہ ہالا، مشہور 17 ویں ستواہنا بادشاہ نے مقامی سردار کو قتل کیا اور سپتھ گوداوری کے بھیمیشور مندر میں اس کی بیٹی سے شادی کی۔ مقامی لوگوں کے مطابق، ستواہنا بادشاہ ہالا نے گاؤں کو برہمنوں کو اگراہارا کے طور پر عطیہ دیا۔

پولوموی اول:

پولوموی اول کے دور میں، ستواہنا سلطنت نے پان انڈیا کی سطح تک پہنچ گئی۔ انہوں نے مگدھ کی سلطنت پر حملہ کیا اور کانوا خاندان کے بادشاہ سشما کو قتل کیا اور 10 سال تک مگدھ پر حکومت کی۔

گوتامی پتر ستکرنی:

گوتامی پتر ستکرنی سب سے عظیم بادشاہ تھے۔ ان کے دور میں سلطنت وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو تین سمندروں تک پھیلایا اور "تری سمودر توایپیتھا واہنا" کا لقب حاصل کیا۔ انہوں نے مغرب میں ساکا سلطنت کے کشاراتا پر حملہ کیا، نہاپانا کو شکست دی، ساکا قبیلے کو تباہ کیا، اور "نرواشیشکارا" کا لقب حاصل کیا۔ انہوں نے جوگل تھمبی میں نہاپانا کے آٹھ ہزار چاندی کے سکے قبضے میں لے کر دوبارہ چھاپے۔ انہوں نے ناسک (گوردھن) کے قریب بینا کٹا کا نامی شہر تعمیر کیا۔ اپنی والدہ کی خواہش کے مطابق، انہوں نے تریراشمی میں بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے خانقاہیں تعمیر کیں۔ ان کے دیگر القابات میں "ایکابرہمن" اور "اگمانیلیا" شامل ہیں۔

واششت پتر پلومائی - پلومائی دوم:

واششت پتر پلومائی - پلومائی دوم گوتامی پتر ستکرنی کے بیٹے تھے۔ گوتامی پتر ستکرنی کی موت کے بعد، وہ کم عمری میں اقتدار میں آئے۔ اسی دوران گوتامی پتر ستکرنی کی والدہ بالاسری نے ناسک میں کتبہ کندہ کروایا۔ یہ کتبہ بیٹے اور پوتے پلومائی کی کامیابیوں کو بیان کرتا ہے۔ ان کا لقب "نوانگر سوامی" تھا۔ ان کے دور میں شمالی ہندوستان میں ساکا کے تحت حملے کیے گئے۔ اس دوران کورا سلطنت آزاد ہوگئی۔ رومیوں کے ساتھ تجارت کم ہوگئی، لہذا اس دور میں ستواہنا مغربی ہندوستان سے مشرقی ہندوستان کی طرف سفر کرتے رہے۔ اسی وجہ سے ستواہنا بادشاہوں کے سکے مشرقی ساحل پر پائے گئے۔ ساکا بادشاہ رودرادمان نے ان پر حملہ کیا، انہیں شکست دی، اور اپنی بیٹی کو ان کے بھائی سے شادی کے لیے دے دیا۔

یگنا سری ستکرنی:

یگنا سری ستکرنی ستواہنا کے آخری بادشاہوں میں سے ایک تھے۔ ان کے دور میں جہاز کے نشانات والے سکے پائے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں جہازوں کا کاروبار وسیع پیمانے پر تھا۔ ان کے دور میں آچاریہ ناگرجنا سری پہاڑ (ناگرجنا پہاڑی) پر مقیم تھے اور مہایان بدھ مت کی تبلیغ کرتے تھے۔ ان کا لقب "تین سمودرادیشور" تھا۔ آچاریہ ناگرجنا نے بدھ مت پر کئی تصنیفات لکھیں۔ ناگرجنا کو کیمیا دان کے طور پر "ہندوستانی آئنسٹائن" کہا جاتا ہے۔ گوتم بدھ کی موت کے بعد، انہیں بدھ مت کے وسیع پھیلاؤ کی وجہ سے "دوسرے بدھ" کے طور پر جانا جاتا ہے۔ "سروہ لیکھا" ان کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے ناگرجنا پہاڑی پر "پرواتا وہارا" تعمیر کیا۔ کتھا سرت ساگرم کے مطابق، ایک ستواہنا شہزادے نے انہیں قتل کیا۔ چونکہ ان کے بعد آنے والے تمام بادشاہ کمزور تھے، کئی سلطنتیں آزاد ہوگئیں، جن میں اکشوا کو شامل ہیں۔

ستواہنا سلطنت کا زوال:

اس طرح ستواہنا نے 450 سال تک دکن ہندوستان پر حکومت کی۔ انہوں نے شمالی ہندوستان تک اپنی سلطنت کو پھیلایا، مگدھ پر قبضہ کیا، اور 10 سال تک حکومت کی۔ ایسی سلطنت تیسرے صدی قبل مسیح میں ساکا کے ساتھ مسلسل جنگوں کی وجہ سے زوال پذیر ہوئی، جن کے ماتحت اکشوا کو آزاد ہو گئے۔ سلطنت مغربی ساحلی علاقوں کے ساکا کے قبضے، رومی سلطنت کے زوال، اور آخری ستواہنا بادشاہوں کے دور میں داخلی تنازعات کی وجہ سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

23.5 نظم ونسق

ستواہنا جنوبی ہندوستان کے تلگو علاقے میں انتظامی نظام قائم کرنے والے ابتدائی حکمرانوں میں سے تھے۔ چونکہ وہ موریہ کے ماتحت تھے، موریہ نے ان کی انتظامیہ کی رہنمائی کی۔ انہوں نے دھرم شاستروں اور رسومات کی پیروی کرتے ہوئے انتظامیہ جاری رکھی۔

23.5.1 مرکزی حکومت:

بادشاہ سلطنت کا اعلیٰ اختیار تھا۔ اس کے پاس وزراء کی ایک کونسل تھی جو اس کی مدد کرتی تھی۔ بادشاہ کے زیر کنٹرول علاقے کو "راجا کا نکیتا" یا "راجا کھیترا" کہا جاتا تھا۔ مرکز میں بادشاہ کی مدد کے لیے کئی ملازمین تھے، جن میں اہم شاہی افراد شامل تھے۔ ان میں ہیرنیکا، لیکھکا، مہاتارکا، اور نبندنا کارا شامل تھے۔ ان کے علاوہ، "راجا پرش" کہلانے والے ملازمین بھی تھے، جو بادشاہ کے خادم تھے۔

23.5.2 ریاستی حکومت:

ستواہنا سلطنت کو مناسب انتظامیہ کے لیے ریاستوں میں تقسیم کیا گیا۔ انہیں "اہارا" کہا جاتا تھا، اور اہارا کا سربراہ "امتیہ" تھا۔ شاہی خاندان کے افراد اور رشتہ داروں کو امتیہ کے طور پر مقرر کیا جاتا تھا۔ انہیں وراثتی حقوق حاصل نہیں تھے اور ضرورت پڑنے پر انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔ ان کے دور میں پانچ ریاستیں تھیں۔

23.6 جاگیردار:

ستواہنا کے دور میں جاگیردار سلطنتیں بھی تھیں۔ ان کے سربراہ "مہارادھیکا" اور "مہا بھوجا" تھے۔ انہیں امتیہ سے زیادہ وراثتی حقوق حاصل تھے۔ سرحدی علاقوں کی حفاظت کے لیے "گولمیکا" ملازمین بھی مقرر کیے گئے تھے، اور انہیں خصوصی حقوق دیے گئے تھے۔ انتظامیہ میں سب سے آخری گاؤں تھا۔ گاؤں کا سربراہ "گرامیکا" یا "گرامانی" تھا۔ شہروں میں "نگم سبھا" انتظامیہ کی ذمہ دار تھی۔ نگم سبھا کے اراکین کو "شریشٹی" یا "گرپتی" کہا جاتا تھا۔ کارپوریشن بھی کونسلرز کے دفتر کے طور پر کام کرتا تھا۔

23.7 مالی حالات:

ستواہنا کا بنیادی آمدنی کا ذریعہ زمین کا ٹیکس تھا۔تجارت اور کاروبار ترقی یافتہ تھے۔ان کے دور میں کئی سکے استعمال میں تھے۔" کرشاپنا" ایک اہم چاندی کا سکہ تھا۔ان کے دور میں رومی سلطنت کے ساتھ تجارت ہوتی تھی۔رومی سکے ستواہنا سلطنت میں وسیع پیمانے پر پائے گئے۔ان کے دور میں کئی بندرگاہیں ترقی یافتہ تھیں۔مغرب میں "بریگازا" (بروچ)، "سوپارا"،اور" کالیانی"اہم بندرگاہیں تھیں۔مشرق میں" ماچلی پٹنم"،" موٹوپلی"،اور" گھنٹاسالا"اہم بندرگاہیں تھیں۔

23.8 مذہب:

اگرچہ ستواہنا بادشاہ ویدک تھے، انہوں نے جین مت اور بدھ مت کو اپنایا۔جنوبی ہندوستان میں پہلی باریگنوں کا انعقاد کیا گیا۔ملکہ اور درباری خواتین نے بدھ مت کی حوصلہ افزائی کی۔گوتامی پتر ستکرنی نے اپنی والدہ کی خواہش کے مطابق تریراشمی گاؤں کو بدھ راہبوں کو عطیہ دیا۔ان کے دور میں آچاریہ ناگرجنا نے جنوبی ہندوستان میں بدھ مت کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کی۔

23.9 ادب:

ستواہنا کی سرکاری زبان پراکرت تھی۔گنادیا، جنہوں نے "بریہت کتھا" لکھی، اور سروورما، جنہوں نے " کتنتر ویاکرن" لکھا، اس دور سے تعلق رکھتے تھے۔ستواہنا بادشاہ ہالا بھی شاعر تھے، اور انہوں نے " گاتھاسپت شتی" لکھی۔ان کا لقب " کوی وتسالا" تھا۔نانے گھاٹ اور ناسک کے کتبے ستواہنا دور میں لکھے گئے۔

23.8 23.10 تعمیرات:

ناسک، بھوجا، اور بیڈسا جیسی غاریں ستواہنا دور میں تراشی گئیں۔بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے وہارے، چیتیہ، اور اسٹوپے تعمیر کیے گئے۔امراوتی، ناگرجنا کونڈا، بٹی پرولو، جگیا پیت وغیرہ ان کے وقت کے مشہور بدھ مت کے مقامات ہیں۔اجنتا میں بھی ان کے دور کی تصاویر موجود ہیں۔اس طرح ستواہنا نے جنوبی ہندوستان میں پہلی بار سلطنت پر قبضہ کیا اور شمالی اور جنوبی ہندوستان کے درمیان ہم آہنگی قائم کی۔انہوں نے ایک مخصوص انتظامی نظام قائم کیا اور اپنے بعد آنے والے حکمرانوں کے لیے رہنما بنے۔ستواہنا نے 450 سال تک حکومت کی اور رومی سلطنت اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کی، اور ہندوستان کو بہت زیادہ آمدنی فراہم کی۔ان کے دور میں کئی جگہوں پر رومی سکے پائے گئے۔

23.11 اکشواکو:

اکشواکوستواہنا کے بعد تلنگانہ میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں سب سے اہم تھے۔ ملک میں پہلی بار مندروں کی تعمیر کی گئی۔ انہوں نے کل 100 سال تک حکومت کی۔ ان کا دارالحکومت وجیاپوری تھا، جو کرشنا دریا کے کنارے واقع ہے۔ یہ اب ناگرجنا ساگر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہیں سری پروا تیاس کہا جاتا تھا۔

کچھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سلطنت کے حکمران کوسالا سلطنت سے تعلق رکھتے تھے، کیونکہ اکشواکو قبیلہ کوسالا سلطنت سے تعلق رکھتا تھا۔ کرشنا دریا کے کنارے زیادہ تر گنا اگایا جاتا ہے؛ اس کا نام "اکشو" ہے۔ کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہاں ایک گنا/قبیلہ کی عبادت کی جاتی تھی، اور اسی وجہ سے اسے یہ نام ملا۔ یہ پہلا قبیلہ بھی تھا جس نے قریبی رشتہ داروں کی بیٹیوں سے شادی کی۔

23.11.1 واششت پتر سری چنتا مولا:

ستواہنا کے آخری دور میں عدم اطمینان نے کئی مذہبی تحریکوں کو جنم دیا۔ اس عدم اطمینان کی بنیاد پر، واششت پتر سری چنتا مولا نے ویدک مذہب کی بحالی کے لیے ایک فرقہ کی قیادت کی اور اکشواکو سلطنت قائم کی۔ انہوں نے ویدک مذہب کی بحالی کے لیے یگنوں کی قربانیاں دیں۔ انہوں نے زرعی ترقی کے لیے بہت سے سونے کے سکے، لاکھوں گائیں، اور لاکھوں ہل چلانے والی زمین عطیہ کی۔ وہ سکندا کارتیکیا، ویرپاکشاپتی کے عقیدت مند تھے۔

23.11.2 ویراپورسادتا:

چونکہ ویراپورسادتا کی والدہ مادری تھیں، انہیں "سری ویراپورشادتو" کہا جاتا تھا، جو مادری کا بیٹا تھا۔ ان کے دور میں، ملکہ اور درباری خواتین نے بدھ مت کی ترقی کے لیے بہت خیرات کی۔ اوپاسیکا بودھی سری نے خیرات کی۔ ان کا دور بدھ مت کا سنہری دور تھا۔ مندھاتا یا ناگرجنا کونڈا کا مجسمہ، جو ویدک مذہب کی توہین کرتا ہے، اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے دور کے اختتام پر بغاوتیں ہوئیں۔ رودرادمان اور ابھیرہ واسوسینا نے اچانک بادشاہ پر حملہ کیا، پھر بادشاہ سلطنت چھوڑ گیا یا مر گیا۔

23.11.3 اہوولا چنتا مولا:

اہوولا چنتا مولا کو دوسرا چنتا مولا بھی کہا جاتا ہے۔ اسی وقت سے سنسکرت سرکاری زبان بن گئی۔ ان کے بیٹے رودراپورشادتا نے "پشپابھدرالایم" نامی شیوا مندر تعمیر کیا۔ ان کے دور کے آغاز میں، واسوسینا کو وجیاپوری میں 5 سال تک رہنے کے لیے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی فوج کے سربراہ ایلی سری کی مدد سے اقتدار حاصل کیا۔

23.11.3 رودراپورشادتا:

رودراپورشادتا آخری بادشاہ تھے۔انہوں نے کچھ زمین ہلا میپوراسوامی کوعطیہ کی۔ پلاوابادشاہ سمہاورمانے ان کی سلطنت پر حملہ کیااوراکشواکوسلطنت کا خاتمہ کیا۔ یہ بات منچیکلو کتبے سے واضح ہوتی ہے۔ان کے دورمیں زیادہ تر بدھ مت کے زائرین سری لنکا سے آئے۔ناگرجنا پہاڑی بدھ مت کے مذہبی اور تعلیمی مرکز کے طور پر پھلی پھولی۔انہوں نے اپنی سلطنت کو ریاستوں میں تقسیم کیا۔ ان کے دورمیں ویدک اور بدھ مت کے مذاہب پھلے پھولے۔ان دونوں مذاہب کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔اس دورکاایک بدھ مت کا مجسمہ عادل آباد میں پایا گیا، جسے ڈاکٹر کٹکم مرلی،اسسٹنٹ پروفیسر، بھینسا کی کوششوں سے روشنی میں لایا گیا۔

23.12 اختتامیہ

اکشواکوستواہنا کے بعد اقتدار میں آنے والوں میں سب سے اہم تھے۔اس سلطنت میں تمام مذاہب کو برابر سمجھا جاتا تھا۔اکشواکو کے دور میں ادب، تعمیرات کے شعبوں میں نمایاں ترقی ہوئی۔ ویدک، بدھ مت، اور جین مذاہب پھلے پھولے۔ اگرچہ پراکرت سرکاری زبان رہی، سنسکرت نے اچھی سرپرستی اور ترقی حاصل کی۔ بدھ مت کے اسٹوپے، وہارے، چیتیہ، نوگرہ، سرودیوالیہ ہندومندر تعمیرات اور مجسمہ سازی کے انداز کے آئینے کے طور پر کام کررہے ہیں۔

سوالات: مختصراورطویل

مختصرسوالات:

1. واششت پتر سری چنتا مولا
2. ویراپورسادتا
3. تنکرنی اول
4. بادشاہ ہالا
5. یگنا سری ستکرنی

مضمون سوالات:

1. گوتامی پتر ستکرنی اور پلومائی دوم کی مختصر وضاحت لکھیں۔
2. ستواہنا کے انتظامیہ کی اہم خصوصیات لکھیں۔
3. اکشواکو کی سیاسی تاریخ کی مختصر وضاحت لکھیں۔

باب 24 وشنوکندین اور چالوکیہ سلطنت

24.1 تعارف:

وشنوکندین اور چالوکیہ کی حکومت اکشواکو کے بعد آتی ہے۔ان کی حکومت اوران کے تعاون تلنگانہ کی تاریخ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

24.2 مقاصد:

☆ وشنوکندین اور چالوکیہ کی حکومت کو سمجھنا۔

☆ ان کے تعاون اوراہمیت کو جاننا۔

24.3 اکتسابی نتائج:

☆ ویملواڈاان کی حکومت کا حصہ تھا۔

☆ غاروں کوفن اورتعمیرات کے حصے کے طور پر تراشا گیا۔

☆ غاریں اب سیاحت کی صلاحیت رکھتی ہیں اور معیشت پیدا کررہی ہیں۔

24.4 وشنوکندین:

اکشواکو کے بعد، وشنوکندین نے 4ویں سے 6ویں صدی تک تلنگانہ کے علاقے پر حکومت کی۔انہوں نے 225 سے 615 تک آندھرا سلطنت پر حکومت کی۔وہ واکٹاکا کے ماتحت تھے۔کالنگا کے ساتھ مل کرانہوں نے آندھراپردیش کے زیادہ تر علاقے پر حکومت کی۔انہوں نے زیادہ تر نرمدا دریا اور کرشنا دریا کے درمیان حکومت کی۔لیکن ان کے بارے میں صحیح معلومات معلوم نہیں ہیں۔دس کتبے ان کے بارے میں بتاتے ہیں،لیکن یہ جامع معلومات فراہم نہیں کرتے،اوراسی وجہ سے وشنوکندین کی تاریخ میں کئی دلائل ہیں۔

ان کے کئی دارالحکومت تھے:تملگوڈم یاانددرپالنگرام۔ایلیشورم۔وینوکونڈا۔سری پرواتا-ناگرجناکونڈا۔کیسراگٹہ۔

ڈینڈلور۔دارالحکومت کا نام کتبوں میں صحیح طور پر نہیں لکھا جا سکتا، ان کے کیے گئے جنگوں اور کارناموں کو معلوم نہیں کیا جا سکتا۔
وشنوکندین کے کتبے: چکلکلا کتبہ، تملگو ڈم کتبہ، رام تیرتھ کتبہ، پولامورو کتبہ، ایپورو کتبہ، ویلپور کتبہ۔

ان کے دور کا وقت معلوم نہیں ہے کیونکہ ہر کتبے میں بادشاہوں کے نام مختلف ہیں، لہذا یہ معلوم نہیں ہے کہ کون مسلسل حکومت کرتا رہا۔ان کا دیوتا سری پروا تا سوامی ہے۔کچھ کہتے ہیں کہ سری پروا تم کا مطلب سری سیلم ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ یہ ناگر جنا کونڈا ہے۔انہوں نے خود کو تریکتاملایا کے امر سنتوں کے طور پر دعویٰ کیا۔ان کے دور میں جنوبی ہندوستان میں پہلی بار گرہالے تعمیر کیے گئے۔ان کے سکے نلگنڈہ، کریم نگر، اور میدک اضلاع میں وسیع پیمانے پر پائے گئے۔

وشنوکندی:

وشنوکندی وشنوکندی خاندان کے بانی تھے۔ان کا ذکر اندرورما دوم کے رام تیرتھ کتبے میں کیا گیا ہے۔

گووندورما:

گووندورما نے گوداوری دریا کے جنوب میں سری پرتھوی مولا خاندان کے ساتھ اتحاد کیا اور اس خاندان کی شہزادی پرما مہادیوی سے شادی کی۔ان کے کندہ کردہ کتبے کا نام "تملگو ڈم کتبہ-I" ہے۔ان کا لقب "پریا پتر" تھا۔

مدھواورمادوم:

مدھواورمادوم وشنوکندین کے بادشاہوں میں سب سے عظیم تھے۔وہ اتنے عظیم بادشاہ تھے کہ قرون وسطیٰ میں کچھ خاندانوں نے دعویٰ کیا کہ وہ مدھواورمادوم کی نسل سے ہیں۔انہوں نے 11 اشوامیدھا قربانیاں دیں۔وہ واحد ہندوستانی بادشاہ ہیں جنہوں نے اتنی زیادہ اشوامیدھا یگنیں کیں۔وہ واکٹاکا کے ماتحت تھے اور ان کے دور میں واکٹا سلطنت پر حملہ کیا، واکٹاکا کو شکست دی، اور نرمدا دریا سے پورے دکن کے سطح مرتفع پر قبضہ کیا۔انہوں نے راما کاسیپولا خاندان کو شکست دی، جو کالنگا میں پسٹاپورم کو اپنا دارالحکومت بنا کر حکومت کر رہے تھے۔دیوراشٹرا یعنی وشاکھا اور مشرقی گوداوری اضلاع میں واششتی خاندان نے حکومت کی اور اپنے شاہی نشان شنکھ کو ان کے سکوں پر کندہ کیا۔انہوں نے انسانی قربانی کی حوصلہ افزائی کی۔انہوں نے دارالحکومت کو اندر پالنگرام سے امراوتی منتقل کیا اور کیسرا گٹہ میں رامالنگیشور مندر تعمیر کیا۔انہوں نے اندا ولی غاروں میں پورنا کمبھا تراشا۔

اندراورمادوم:

اندراورمادوم کو کانوج کے بادشاہ ایشانا ورما نے شکست دی جب انہوں نے کانوج سلطنت پر حملہ کیا۔ایشانا ورما بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر انہوں نے آندھرا کے حکمران کو شکست دینے کے بعد وندھیا پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی۔یہ

بادشاہ اندراور مادوم تھے۔ان کے دور میں چار جنگیں ہوئیں،جن کا مطلب شدید لڑائیاں ہیں۔

ان کے دور میں، جب بادامی کے چالوکیہ بادشاہ پلکیشین اول نے اشوامیدھا یگن انجام دی، کیرتی ورما اور منگلیش نے وشنوکندین سلطنت پر حملہ کیا،لیکن اندراور مادوم نے انہیں شکست دی اور "ستیہ شریا" کا لقب حاصل کیا۔ان کے ماتحت، ان کے پاس اوڈیشہ میں جنوبی کوساس کی سلطنت پر حکومت کرنے والا سار بھاپوریا قبیلہ تھا۔انہوں نے وشنوکندین کی اتھارٹی کو مسترد کر دیا۔تب بادشاہ اندراور مادوم نے جے ورما کو شکست دی۔ان کے جنوب میں ایک اور ماتحت سلطنت تریکوٹا علاقہ تھا۔ اس علاقے کے حکمران مدھواور ما تھے۔انہوں نے پلوا کے ساتھ اتحاد کیا اور بادشاہ اندراور مادوم پر حملہ کیا۔ جنگ کے دوران اندراور مادوم نے مدھواور ما کو قتل کر دیا،لیکن بعد میں اندراور مادوم بھی اس جنگ میں مارے گئے۔انہوں نے ویدک اسکولز بنائے جنہیں" گھٹیکاس" کہا جاتا تھا۔

وکرمندراور مادوم:

اپنے والد کی موت کے بعد، وکرمندراور مادوم کو کم عمری میں بادشاہ مقرر کیا گیا، اور وزراء کی کونسل "پرکرتی منڈلا" نے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالی۔انہوں نے اپنا دارالحکومت امراوتی سے ڈینڈلور منتقل کر دیا۔

مدھواور ماسوم:

مدھواور ماسوم قانون کے میدان میں عظیم تھے۔ان کے دور میں، گناسوامی نامی شاعر نے "جناسریا چندوو چیتی" نامی ایک النکار کتاب لکھی۔

ان کے بعد آنے والے بادشاہوں کی کمزوری کی وجہ سے درست معلومات دستیاب نہیں ہیں۔تاہم، بادامی کے چالوکیہ بادشاہ پلکیشین دوم نے ان پر حملہ کیا اور پسٹاپورہ اور کونالا کی جنگوں میں انہیں شکست دی۔

ان کا شاہی نشان پنجے اٹھائے ہوئے شیر تھا۔ان کی سرکاری زبان سنسکرت تھی۔تلگو میں پہلا جملہ "وجیا راجیہ سموتسرمبول" کہلاتا ہے، جو اسی دور سے تعلق رکھتا ہے،اور یہ چکلا کتبے میں پایا گیا ہے۔انہوں نے اپنی سلطنت کو "وشیاس" میں تقسیم کیا۔انہیں "مہوتر" کے ملازمین کے طور پر مقرر کیا گیا۔

ان کے دور میں، امرشور مندر، رامیشور مندر، اندراپالا پورم میں ملیکارجنا مندر، کیسرا گٹہ میں رامالنگیشور مندر، وجیاواڈا میں اندراکیلا دری پر کنکا درگا مندر وغیرہ تعمیر کیے گئے۔مغل راجاپورم غاریں، اندا ولی غاریں، اور بھیروا کونڈا غاریں ان کے دور میں تراشی گئیں۔اندا ولی غاروں میں اننتا پدمنابھا سوامی کا مجسمہ ان کے دور میں تراشا گیا۔

اس طرح، وشنوکندین اکشوا کو کے بعد تلنگانہ میں اقتدار میں آئے۔اگرچہ اس قبیلے میں کئی بادشاہ اقتدار میں آئے، ان کی ترتیب معلوم نہیں ہے۔اس دور میں دس کتبے لکھے گئے،لیکن یہ جامع معلومات فراہم نہیں کرتے۔یہ معلوم ہے کہ ان کے

دور میں کئی دارالحکومت تھے، لیکن کسی بادشاہ کے دور میں کون سا دارالحکومت تھا، اس کی کوئی مخصوص معلومات نہیں ہیں۔ لہذا، اس نسب کے بارے میں مزید مخصوص تحقیق کی ضرورت ہے۔

24.5 چالوکیہ

وشنوکندین کے بعد، بادامی چالوکیہ نے تلنگانہ کے علاقے پر حکومت کی، جن کا دارالحکومت بادامی یا واتاپی تھا۔ تلنگانہ میں ان کے دور کے کئی کتبے اور مندر موجود ہیں۔ بادامی چالوکیہ کے بعد، راشٹرکوٹ اقتدار میں آئے۔ ان کے دور سے تعلق رکھنے والے کتبے نرمل ضلع میں پائے گئے۔ ان کے دارالحکومت "منیاکتکم" اور "ایلورا" تھے۔ دانتی درگا نے بادامی چالوکیہ کے آخری بادشاہ کیرتی ورما دوم کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا۔ انہوں نے "ہیرنیہ گربھا یگم" انجام دی۔ کالیانی چالوکیہ راشٹرکوٹ کے بعد اقتدار میں آئے۔ ان کا دارالحکومت کالیانی تھا۔ تلنگانہ میں ان کے دور کے کئی کتبے، مندر، اور مجسمے موجود ہیں، اور نرمل ضلع میں بھی ان کے دور کے کئی کتبے، مندر، اور مجسمے پائے گئے۔ ان کے دور سے تعلق رکھنے والے کتبے حال ہی میں ڈاکٹر کٹکم مرلی، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، نرمل نے دریافت کیے۔ ان میں سے ایک جین مورتی کا کتبہ ہے، جو 1021 کا ہے، اور تلنگانہ کے بھینسا میں پایا گیا۔

24.5.1 ویملواڈا چالوکیہ:

مشرقی ساحل پر مشرقی چالوکیہ کے دور حکومت کے دوران، وشنوکندین کے بعد تلنگانہ کے علاقے میں کئی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ان میں ویملواڈا چالوکیہ، مڈیگونڈا چالوکیہ، اور کاکتیہ مختلف علاقوں میں حکومت کرتے تھے۔ ویملواڈا چالوکیہ نے تلنگانہ کے علاقے پر راشٹرکوٹ کے ماتحت حکومت کی۔ یہ چالوکیہ خاندان کی ایک شاخ ہیں۔ ان کے بانی بادامی چالوکیہ کے بادشاہ پلکیشین دوم تھے۔

انہیں ویملواڈا چالوکیہ کا نام اس لیے ملا کیونکہ انہوں نے ویملواڈا کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ ان میں ویملواڈا چالوکیہ راشٹرکوٹ سے منسلک تھے، اور مڈیگونڈا چالوکیہ مشرقی چالوکیہ سے۔ ان کے دارالحکومت "بودھن" اور "ویملواڈا" تھے۔ ان کے کتبے "کولیپاراکتبہ"، "پربھانی کتبہ"، اور "ویملواڈا کتبہ" ہیں۔ ان کے بارے میں اہم متن "وکرمارجنا وجیام" ہے، جو شاعر پمپا نے لکھا۔

وکرمادتیہ یودھمالا (750-780 عیسوی):

دانتی درگا، راشٹرکوٹ سلطنت کے بانی۔ وکرمادتیہ یودھمالا (750-780 عیسوی) نے راشٹرکوٹ خاندان کے کمانڈر کے طور پر کئی جنگوں میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ دانتی درگا نے وکرمادتیہ یودھمالا کو بودھن علاقہ دے کر انہیں ماتحت کے طور پر تسلیم کیا۔ اس نے بادامی چالوکیہ کی طاقت کو ختم کرنے میں مدد کی۔ وہ ویملواڈا چالوکیہ سلطنت کے بانی تھے۔ انہوں نے 750

سے 780 عیسوی کے درمیان حکومت کی۔ انہوں نے سپادلکشا کے علاقے پر حکومت کی۔ آج کے کریم نگر اور عادل آباد اضلاع کو سپادلکشا دیسم کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے ایک لاکھ پچیس ہزار سونے کے سکوں کی آمدنی کے ساتھ تعریف کی زمین۔

اریکیسری اول (780-800 عیسوی):

اریکیسری اول یودھمالا کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ راشٹرکوٹ بادشاہ دھروا کی جانب سے، انہوں نے مشرقی چالوکیہ سلطنت پر حملہ کیا اور وشنووردھن چہارم کو شکست دی، وینگی اور تری کالنگا پر قبضہ کیا۔ ان فتوحات کے نتیجے میں، ویملواڈا چالوکیہ سلطنت مشرق کی طرف پھیل گئی اور اپنا دارالحکومت بودھن سے ویملواڈ منتقل کر دیا۔

بدھیگا (870-895 عیسوی):

بدھیگا راشٹرکوٹ کرشنا دوم کے ماتحت تھے، جنہوں نے مشرقی چالوکیہ اور راشٹرکوٹ کے درمیان جنگ میں حصہ لیا۔ ان کا لقب "سولادگانڈا" تھا، جس کا مطلب ہے وہ ہیرو جس نے 42 جنگیں لڑیں۔ گناگا وجیادتیہ کے بعد، انہوں نے وینگی سلطنت پر حملہ کیا، چالوکیہ بھیم اول کو شکست دی اور گرفتار کیا۔ بعد میں، چالوکیہ بھیم اول کو مڈیگونڈا کے چالوکیہ بادشاہ کوسومایودھا سوم نے آزاد کرایا، جو پربھانی کتبے سے معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے ویملواڈا میں بھیمیشورمندر تعمیر کیا، جسے بدھیگیشورمندر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ابتدائی چالوکیہ طرز میں تعمیر کیا گیا تھا۔

نرسمہادوم (910-930 عیسوی):

نرسمہادوم نے راشٹرکوٹ بادشاہ اندرسوم کی جانب سے شمالی ہندوستان پر حملے کیے۔ لاتا، سپتمالوا فتح کی اور پراتیہارا بادشاہ مہیپال کو کالاپریا کی جنگ میں شکست دی، دریائے جمنا کو عبور کیا اور کانوج پہنچے، اور اپنے گھوڑوں کو دریائے گنگا کا پانی پلایا۔ انہوں نے اندرسوم کی بہن جاکاوا سے شادی کی۔

اریکیسری دوم (930-955 عیسوی):

اریکیسری دوم ویملواڈا چالوکیہ کے سب سے عظیم بادشاہ تھے۔ انہوں نے اندرسوم کی بیٹی ریوا کا نرموڈی سے شادی کی۔ انہوں نے لوکامبیکا سے بھی شادی کی، جو راشٹرکوٹ خاندان کی ایک اور خاتون تھیں۔ مڈیگونڈا کے چالوکیہ شہزادے راشٹرکوٹ بادشاہ گووند چہارم کی وجہ سے مشکل میں تھے اور انہوں نے اریکیسری دوم سے مدد مانگی۔ تب انہوں نے حملہ کیا اور راشٹرکوٹ بادشاہ گووند چہارم کو شکست دی۔ ان کے دربار میں مشہور شاعر پمپا تھے، جنہوں نے "وکرم ارجنا وجیام" لکھا، جس میں اریکیسری دوم کو مہابھارت کے کردار ارجنا سے تشبیہ دی گئی۔

اریکیسری سوم:

اریکیسری سوم چالوکیہ کے آخری بادشاہ تھے۔ راشٹرکوٹ کرشنا سوم ان کے ہم عصر تھے۔ سوم دیوسوری، جنہوں نے "یساس تھلا کا چمپوکرتا" کتاب لکھی، ان کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے پربھانی کتبے پر دستخط کیے، جس میں سوم دیو سوری کو "سبھادھما جین مندر" عطیہ کیا گیا۔

ان کے دور میں ویملواڈا میں کئی مندر تعمیر کیے گئے۔ ویملواڈا میں راجاراجیشور مندر بہت مشہور ہے۔ جینا ولبھا، جنہوں نے "کارکیالاکتبہ" لکھا، اور ملیاریچنا، جنہوں نے "کوی جناسریا" کتاب لکھی، اس دور کے شاعر تھے۔

اس طرح، ویملواڈا کے چالوکیہ، جنہوں نے بودھن اور ویملواڈا کو اپنے دارالحکومت کے طور پر حکومت کی، راشٹرکوٹ کے ماتحت تھے اور ان کی جانب سے کئی جنگوں میں حصہ لیا اور بادشاہوں کے لیے عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ راشٹرکوٹ کی جانب سے، انہوں نے شمالی ہندوستان پر حملہ کیا اور اپنا اثر دریائے جمنا تک پھیلایا۔ راشٹرکوٹ بادشاہوں کے درمیان، انہوں نے تخت کے لیے مقابلہ کرتے وقت اپنی برتری ظاہر کرنے کے لیے بادشاہوں کو تبدیل کیا۔ لیکن وہ راشٹرکوٹ کے خلاف ایک آزاد ریاست تشکیل نہیں دے سکے۔ ان کے دور میں تعمیر کیا گیا راجاراجیشور مندر آج ایک مشہور مندر کے طور پر ترقی کر رہا ہے۔

24.5.2 مڈیگونڈا چالوکیہ:

راشٹرکوٹ دور کے دوران تلنگانہ پر حکومت کرنے والا ایک اور خاندان مڈیگونڈا چالوکیہ تھا۔ وہ مشرقی چالوکیہ کے ماتحت تھے۔ انہیں یہ نام اس لیے ملا کیونکہ انہوں نے مڈیگونڈا کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ انہوں نے وارنگل کے کوروی سے کرشنا ضلع کے کونڈاپلی کے علاقے پر حکومت کی۔ ان کے دارالحکومت مڈیگونڈا، کوروی، اور بوٹو تھے۔ انہوں نے 9ویں سے 13ویں صدی عیسوی کے درمیان حکومت کی۔

کوکراجو:

کوکراجو نے رنمرادھو کی بیٹی سے شادی کی، جو 9ویں صدی میں اس علاقے پر حکومت کرتے تھے، اور اس علاقے کو ان کے ساتھ حاصل کیا۔ ان کا لقب "پروورتنامانا" تھا۔

کوسومایودھا سوم:

راشٹرکوٹ کرشنا دوم اور ویملواڈا چالوکیہ بدھیگا نے مل کر وینگی پر حملہ کیا اور وینگی چالوکیہ بادشاہ چالوکیہ بھیم اول کو

گرفتار کیا۔ یہ جان کر، کوسو مایودھا سوم وینگی گئے اور چالوکیہ بھیم کو آزاد کرایا۔

بجیتھا:

بجیتھا نے راشٹرکوٹ بادشاہ گووند چہارم کے حملے کے بعد ویملواڈا چالوکیہ بادشاہ اریکیسری دوم سے مدد مانگی۔ تب دوسرے اریکیسری نے گووند چہارم پر حملہ کیا اور انہیں تخت سے ہٹا دیا۔ ان کا لقب "نرواڈیودو" تھا۔

بوٹو بیٹا:

بوٹو بیٹا نے میرالا ایرا بھوپتی کے ساتھ مل کر کوروی علاقے میں کاکتیہ کے سربراہ گنڈیانا پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا، پھر ان کے بیٹے بیٹا اول نے سلطنت چھوڑ دی۔ ان کا لقب "وینیتا جنا سریا" تھا۔

کوسو مایودھا ششم/ ناگ بھوپالا:

کاکتیہ رودر دیوا نے ان پر حملہ کیا اور سلطنت کو 12 سال کے لیے چھوڑ دیا، پھر واپس آ کر دوبارہ بادشاہ بن گئے۔ جب گناپتی قید میں تھے، وہ آندھرا کے ساحل پر بھاگ گئے، جب انہیں تلنگانہ سے ریچارلا رودر نے ان کے تجاوزات کی وجہ سے نکال دیا۔ ان کا لقب "ویویکا نارائن" تھا۔

اختتامیہ

اس طرح، مڈیگونڈا چالوکیہ نے وارنگل اور کھمم کے علاقے میں اقتدار حاصل کیا اور پڑوسی مشرقی چالوکیہ کے ماتحت تھے۔ تلنگانہ کے علاقے میں ان کے ہم عصر ایک اور سلطنت ویملواڈا چالوکیہ تھی۔ ویملواڈا چالوکیہ راشٹرکوٹ کے ماتحت تھے۔ اس طرح تلنگانہ میں تشکیل دی گئی دو سلطنتیں ماتحت تھیں- ایک راشٹرکوٹ کی اور دوسری مشرقی چالوکیہ کی۔ یہ سلطنتیں ان کی جانب سے جنگوں میں حصہ لیا کرتی تھیں۔ آخر کار، کاکتیہ نے اس سلطنت پر قبضہ کر لیا۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات:

1. وکرمادتیہ یودھمالا
2. بدھیگا
3. اریکیسری دوم
4. مدھواورمادوم
5. وکرمندراورمادوم
6. اندراورمادوم
7. وشنوکندین کے دارالحکومت
8. کوسومایودھاششم

مضمون سوالات:

1. وشنوکندین کی سیاسی تاریخ پر مضمون لکھیں۔
2. ویملواڈاچالوکیہ کی سیاسی تاریخ لکھیں۔
3. مڈیگونڈاچالوکیہ کی سیاسی تاریخ لکھیں۔

باب 25

کاکتیہ سلطنت

25.1 تعارف:

کاکتیہ وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے تلگونسل اور تمام تلگو بولنے والے لوگوں کو متحد کیا اور ان پر حکومت کی۔ راشٹرکوٹ کے ملازمین کے طور پر، انہوں نے مشرقی چالوکیہ پر حملوں میں حصہ لیا اور کوروی علاقے میں آباد ہو گئے۔ ان کا ذکر کرنے والا پہلا کتبہ "مگلو کتبہ" ہے۔ انہوں نے 11 ویں سے 14 ویں صدی عیسوی کے درمیان حکومت کی۔ پہلے انہیں راشٹرکوٹ نے ملازم بنایا اور بعد میں کالیانی چالوکیہ نے انہیں ماتحت بنایا۔ گنڈیا، اریا، بیٹیا، کاکتیہ گنڈانا کو راشٹرکوٹ کے ملازم بنایا گیا، اور بیٹا اول، پرولا اول، بیٹا دوم، پرولا دوم کو کالیانی چالوکیہ کے ماتحت بنایا گیا۔ انہیں" کاکتیہ " کا نام دیوی کاکتی کے نام پر ملا۔

25.2 مقاصد:

- کاکتیہ کی تاریخ، ان کی حکومت اور ان کے تعاون کو اجاگر کرنا۔
- فن اور تعمیراتی ڈھانچے۔
- ان کی آبپاشی کی ترقیات کی میراث کو سمجھنا۔

25.3 اکتسابی نتائج:

- کاکتیہ عہد وسطیٰ کے تلنگانہ کے اہم حکمرانوں میں سے ایک تھے۔
- تلگو زبان کو اہمیت دی۔
- اورگلو (وارنگل) میں آبپاشی کی ترقیات کو ترجیح دی گئی، کیونکہ کاکتیہ نے پانی کی قلت کو محسوس کیا۔
- قلعے اور محل کی تعمیر۔
- کاکتیہ کی میراث آج بھی عمل میں ہے۔
- سیاحت اب ان کے تعاون سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

25.4 کاکتیہ:

بیٹااول(995-1052):

بیٹااول نے اپنے والد کاکتیہ گنڈانا کی موت کے بعد اپنی سلطنت کھودی۔انہوں نے اپنی خالہ میرالا کاماسانی سے مدد مانگی۔ پھر وہ اپنے شوہر میرالا ایرا بھوپتی کے ساتھ کالیانی چالوکیہ کے بادشاہ تائیلا پا دوم کے پاس گئیں، اور بیٹااول کو ہنمکونڈا دے دیا۔اس طرح کاکتیہ نے ہنمکونڈا سے حکومت شروع کی۔

پرولااول(1052-1076):

پرولا اول نے کالیانی چالوکیہ کی جنگوں میں حصہ لیااور "سمادھیگتا پانچ مہا سبدا" کالقب حاصل کیا۔انہوں نے کالیانی چالوکیہ کے وفادار رہتے ہوئے ہنمکونڈا کو ہمیشہ کے لیے ان سے حاصل کیا۔اس کے بعد کالیانی چالوکیہ نے ماتحت ہونے کی نشانی کے طور پر ورہانشان اپنانا شروع کیا۔ان کالقب "اریگجا کیسری" تھا۔اس لقب کے ساتھ،انہوں نے " کیسری ٹینکس " کی تعمیر شروع کی۔

بیٹادوم(1076-1108):

بیٹادوم نے کالیانی چالوکیہ کے جانشینی تنازعات میں حصہ لیااور وکرمادتیہ ششم کی حمایت کی۔ان کی حمایت کی وجہ سے، وکرمادتیہ ششم نے تخت پر بیٹھنے کے بعد انہیں "وکرم چکری" اور "تری بھون مالا" کے القاب سے نوازا۔انہوں نے " کلامکھا" روایت کی پیروی کی۔ ان کے استاد رامیشور پنڈت تھے۔ انہوں نے ہنمکونڈا میں "شیوپورم" نامی علاقہ تعمیر کیا اور اپنے نام پر "بھیٹیشورمندر" تعمیر کیا،اور اسے پنڈت رامیشور کو گرودکشنا کے طور پر دیا۔

پرولادوم(1116-1157):

پرولا دوم کالیانی کے چالوکیہ بادشاہوں کے وفادار رہے اور ان کے خلاف بغاوتوں کو دبایا۔ کندورونادو کے ریجنٹ تائیلا پا نے پڑوسی منتر کوتا اور پولاسا کے ریجنٹس کے ساتھ ایک آزاد سلطنت بنانے کے لیے معاہدہ کیا اور کالیانی کے چالوکیہ بادشاہوں کے خلاف بغاوت کی۔اس وقت کے کالیانی کے چالوکیہ شہنشاہ جگدیکا مالا دوم نے جگدیکا مالا کی جانب سے ایک فوج کی قیادت کی، بغاوتوں کو کچل دیا اور تائیلا پا کو شکست دی۔منتر کوتا پر حملہ کرتے ہوئے،انہوں نے پولوسا کے ایک معزز گندراجو کو شکست دی،ان کا سر کاٹ دیا اور ان کے سینے پر ورہانشان ثبت کیا۔اس طرح پرولا دوم تلنگانہ میں بغاوتوں کو دبانے کے لیے سری سیلم گئے اور وہاں ایک فتح کا ستون نصب کیا۔ یہ فتح کے سفر بعد میں کاکتیہ کی آزاد ریاست کے قیام میں معاون ثابت ہوئے۔

رودردیوا/ پرتھاپرودرااول(1158-1195):

کاکتیہ سلطنت رودردیوا/ پرتھاپرودرااول کے دور میں آزاد ہوئی۔انہوں نے ایک ہزار ستونوں والا مندر تعمیر کیا اور

ہنمکونڈا کا کتیہ کندہ کیا۔انہوں نے پالناٹی کی جنگ میں نالگمارا جا کی مدد کے لیے 2000 کی فوج بھیجی۔ان کے وزیر گنگا دھارا تھے۔وہ خود ایک شاعر تھے اور انہوں نے سنسکرت میں "نیتی سارا" نامی ایک تصنیف لکھی۔ان کا لقب "ودیا بھوشن" تھا۔

ان کے دور میں، کالیانی کے چالوکیہ بادشاہ تائیلا پاسوم کو ہٹا دیا گیا اور کالچوری بجالا اقتدار میں آئے۔بجالا نے اپنے بیٹے میلگید یو کو رودر دیوا کے پاس بھیجا، لیکن رودر دیوا نے تلنگانہ میں انہیں تسلیم نہیں کیا۔پھر تلنگانہ میں کاکتیہ کے دشمنوں نے میلگید یو کی حمایت کی۔لیکن رودر دیوا نے اس اتحاد کو شکست دی اور مکمل طور پر کرشنا اور گوداوری دریاؤں کے درمیان تلنگانہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور اسے آزاد بنا دیا۔

کاندوری ادیاچوڈا اور رودر دیوا:

جب کاندوری ادیاچوڈا نے پانگلو میں ایک آزاد حکومت قائم کرنے کی کوشش کی، تو رودر دیوا نے ان پر حملہ کیا۔لیکن کاندوری ادیاچوڈا نے اپنی بیٹی پدماوتی کو رودر دیوا سے شادی کے لیے دے دیا۔ان فتوحات کے بعد، رودر دیوا نے ہنمکونڈا کتبہ کندہ کیا، جس میں انہوں نے اپنے والد کی فتوحات اور اپنی فتوحات کا ذکر کیا، اور اس کے ساتھ ایک ہزار ستونوں والا مندر تعمیر کیا۔1195 میں، یادوا بادشاہ جیترا پالا نے رودر دیوا پر حملہ کیا، انہیں قتل کیا، اور ان کے لے پالک بیٹے گناپتی کو قید کر لیا۔

گناپتی دیوا (1199-1262):

گناپتی دیوا تمام کاکتیہ بادشاہوں میں سب سے عظیم تھے۔ان کے دور میں کاکتیہ سلطنت کانچی تک پھیل گئی۔ان کے سپاہی ریچارلا رودر نے کاکتیہ سلطنت کو یادوا بادشاہوں کے قبضے سے بچایا۔جب گناپتی کو رہا کیا گیا، تو انہوں نے کاکتیہ سلطنت کو محفوظ طریقے سے گناپتی کے حوالے کیا اور "کاکتیہ راجیہ بھردوریہ" کا لقب حاصل کیا۔انہوں نے دیویسیما پر حملہ کیا اور آیوانش کے پناچوڈا کو شکست دی۔پھر پناچوڈا نے اپنی بیٹیاں نارمبا اور پیرمبا کو گناپتی سے شادی کے لیے دے دیا۔انہوں نے پناچوڈا کے بیٹے جیپا کو کاکتیہ سلطنت کے ہاتھیوں کا سربراہ مقرر کیا۔

گناپتی نے دھارانی قلعے پر حملہ کیا اور کوٹا رودر کو شکست دی، اور اپنی بڑی بیٹی گناپمبا کی شادی اپنے بیٹے بیٹا سے کر دی۔انہوں نے اپنی چھوٹی بیٹی رودرمادیوی کی شادی نیدادھولو ویرابھدراسے کر دی۔انہوں نے نیلور کے منوما سدھی بادشاہوں کی کئی بار مدد کی۔جب مدورائی کے بادشاہ جاتاورمن سندرا پانڈیا نے نیلور پر حملہ کیا، تو انہوں نے نیلور کی حمایت کی اور جاتاورمن سندرا پانڈیا کے خلاف جنگ کی، اور 1263 میں مٹھکور کی جنگ میں شکست کھائی۔

رودرمادیوی (1269-1289):

رودرمادیوی تلگو علاقے پر حکومت کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔چونکہ وہ ایک خاتون تھیں، جب کئی پڑوسی سلطنتوں نے کاکتیہ سلطنت پر حملہ کیا، تو کاکتیہ سپاہیوں نے سلطنت کو بچایا۔جب دیوگیری کے بادشاہ مہادیوا نے کاکتیہ سلطنت پر حملہ

کیا،تو رودر مادیوی نے انہیں شکست دی۔ رودر مادیوی کے دور میں، کیا یستا بادشاہ امبادیوا نے بغاوت کی اور کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ رودر مادیوی نے ان کے ساتھ جنگ کی اور انہیں شکست دینے کی کوشش کی، لیکن 1289 میں وہ شہید ہوگئیں۔ ہمیں یہ معلومات چندو پٹلا کتبے سے معلوم ہوتی ہیں۔

پرتھاپرودرادوم(1289-1323):

پرتھاپرودرادوم رودر مادیوی کی بڑی بیٹی مماد ما کے بیٹے تھے۔ وہ کاکتیہ خاندان کے آخری بادشاہ تھے۔ انہوں نے "نائینکارا" نظام بنایا اور سلطنت کو 77 نائینکارا میں تقسیم کیا اور قابل اعتماد سپاہیوں کو مقرر کیا۔ ان کے دور میں 1303 سے مسلم حملے شروع ہوئے۔ دہلی کے سلطان غیاث الدین تغلق کے دور میں، ان کے بیٹے جونہ خان نے دیوگیری کے راستے وارنگل پر حملہ کیا، اور 1323 میں پرتھاپرودرادوم کو شکست دی اور انہیں دہلی لے جا کر قید کر دیا، جہاں پرتھاپرودرادوم نے دریائے نرمدا میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دی۔

25.5 کاکتیہ سلطنت کی انتظامیہ:

کاکتیہ وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے تمام تلگو بولنے والے لوگوں کو متحد کیا اور ان پر حکومت کی۔ کتب جیسے "نیتی سارا"، "نیتی سارا مکتوالی"، "پورشارتھ سارا" وغیرہ ان کی انتظامیہ کے بارے میں بتاتے ہیں۔

مرکزی حکومت:

بادشاہ سلطنت کا اعلیٰ اختیار ہے۔ وزراء کی ایک کونسل بادشاہ کی مدد کے لیے موجود ہوتی ہے۔ وزراء اور "اشٹا دشا تیر تھاس" بادشاہ کو انتظامیہ میں مشورہ دیتے ہیں۔ ملازمین کو 72 طبقات میں تقسیم کیا گیا، جنہیں "نیوگاس" کہا جاتا ہے۔ سلطنت کو "نادو"، نادو کو "ستھالا"، اور ستھالا کو دیہات میں تقسیم کیا گیا۔ 20 دیہات کو ملا کر ستھالا تشکیل دیا جاتا تھا۔ ہر دیہات میں 12 "ایا گار" ہوتے تھے۔

مذہب:

کاکتیہ دور میں تمام مذاہب کو فروغ ملا۔ پہلے کاکتیہ بادشاہوں نے جین مت کی پیروی کی۔ ان کے دور میں شیوی مت زیادہ ترقی یافتہ ہوا۔ گولا کی ماتا کے عقیدت مندوں نے تلگو علاقے میں "پشوپتا شیوی" کو فروغ دیا۔ ان کے دور میں شیوی اور ویشنوؤں کے درمیان کئی اختلافات تھے، لہذا شاعر ٹکنا نے اپنی مہابھارت کو "ہریہارناتھ" کے لیے وقف کیا۔

ادب:

ان کی سرکاری زبان سنسکرت تھی۔ ان کے دور میں سنسکرت اور تلگو ادب کو فروغ ملا۔ سنسکرت میں، رودر دیوا نے "نیتی سارا"، ودیاناتھا نے "پرتھاپرودرا ایشوبھوشن"، اور جیپا نے "نرتیارتناولی" لکھی۔ پالکورکی سومانا تھا نے تلگو میں "بساوا پورانم"،

"پنڈتارادھیا چریتر" وغیرہ لکھے۔ یادواکل انمایانے "سرویشوراشتکم" لکھا۔ملی کارجنا پنڈت نے "شیوتتوسارا" لکھا۔ ہلا کی بھاسکرانے "بھاسکرارامائن" لکھا۔گونابدھاریڈی نے "رنگناتھارامائن" اورونکونڈاولبھانے "کریدابھیرامم" لکھا۔

ٹینکس:

ان کے دور میں زرعی ترقی کے لیے کئی ٹینکس کھودے گئے۔کوندامبانے "کونڈاسمودرم" نامی ٹینک کھودا، اور پرولا اول نے "کیسری ٹٹاکم" کھودا۔گناپتی کے دور میں "رامپاٹینک" اور "پکالاٹینک" کھودے گئے۔اس کے علاوہ، نرمل جیسے علاقوں میں چین لنک ٹینکس بھی تعمیر کیے گئے۔

تعمیرات:

ان کے دور میں فن اور تعمیرات کو فروغ ملا۔اورگلو قلعہ تین دفاعوں کے ساتھ تعمیر کیا گیا، اوراورگلو کے اردگرد 77 برج تعمیر کیے گئے۔ان کے دور میں تعمیر کیے گئے مشہور مندر "ہزارستونوں والا مندر"، وارنگل میں "رامپا مندر"، اور بھینسا میں "مہادیوا مندر" ہیں۔

اختتامیہ

کاکتیہ جنوبی ہندوستان کے عظیم بادشاہوں میں سے ایک تھے۔ان کے دور میں تعمیر کیا گیا "ہزارستونوں والا مندر" اور "رامپا مندر" آج دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ان کے دور میں تعمیر کیے گئے تالاب جیسے "پکالاٹینک"، "رامپاٹینک" آج بھی زرعی ترقی میں بہت تعاون کر رہے ہیں۔ "کونڈاٹٹاکم"، "کیسری ٹٹاکم"، "کیسری سمودرم"، "نرمل چین لنک ٹینکس"، تلنگانہ ریاست کے کئی حصوں میں تعمیر کیے گئے ایسے تالاب آج بھی موجود ہیں۔ان کے دور میں ذات کا اثر زیادہ بڑھا۔کاکتیہ سلطنت ویلاما اور ریڈی کے درمیان برتری کی جدوجہد کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات:

1. پرتھاپرودرااول
2. رودرمادیوی
3. پرتھاپرودرادوم
4. کاکتیہ کے تالاب

مضمون سوالات:

1. کاکتیہ کے دور کی انتظامیہ کی مختصر وضاحت کریں۔
2. کاکتیہ کا تلنگانہ میں تعاون کیا تھا؟ اس کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

باب 26

مسونوری خاندان اور ریچارلا / پدمنائیکا / ویلاما خاندان

26.1 تعارف:

کاکتیہ سلطنت کے زوال کے بعد، پورا تلگو علاقہ مسلم حکمرانی کے تحت آ گیا۔ ان کے دور میں ہونے والے کئی مظالم کی وجہ سے تلگو علاقوں میں آزادی کی کئی جدوجہد ہوئیں۔ کئی علاقوں میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں۔ مسونوری اور ویلاما ان میں شامل تھے۔

26.2 سبق کے مقاصد:

☆ مسونوری اور ویلاما حکمرانوں کی حکومت کو سمجھنا۔

☆ ان کے کسی بھی تعاون کو جاننا۔

26.3 اکتسابی نتائج:

☆ سیاسی حالات مشکل تھے۔

☆ سیاسی عدم استحکام۔

☆ ادب کو فروغ ملا۔

26.4 مسونوری خاندان:

پرولایا نائیکا:

کاکتیہ کے بعد، پرولایا نائیکا نے بھدرچلم کے علاقے میں ریکھاپلی کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے خلاف ایک آزاد سلطنت قائم کی، جو اورگلو پر حکومت کر رہے تھے۔ ان کے کندہ کردہ "ویلاسا کتبے" میں ان کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

کاپایا نائیکا:

چونکہ پرولایا نائیکا کی کوئی اولاد نہیں تھی، ان کے کزن کاپایا نائیکا اقتدار میں آئے۔ انہوں نے 1336 میں اورگلو قلعے پر

قبضہ کیا اور اسے اورگلو کا مرکز بنا کر حکومت کی۔ان کے القاب " آندھرا دیشا دھیشورا" اور " آندھرا سوراتر نا" تھے۔1347 میں، جب سلطان علاء الدین بہمن شاہ نے دہلی کے خلاف بغاوت کر کے دولت آباد کو مرکز بنا کر ایک آزاد سلطنت قائم کی، تو کاپایا نے بہمنی سلطنت کے ساتھ ایک اتحادی سلطنت کے وعدے کے ساتھ تعاون کیا۔لیکن کاپایا نائیکا کی دی گئی مدد کو بھول کر، 1350 میں کاولاس قلعہ اور 1356 میں بھونگیری قلعہ بہمنیوں نے قبضہ کر لیا۔ جب کاپایا نائیکا کے بیٹے وینا یک دیو نے ان قلعوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی، تو بہمنی بادشاہ محمد شاہ نے حملہ کیا اور وینا یک کو زندہ جلا دیا۔محمد شاہ اول کے حملوں کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے، کاپایا نے گولکنڈہ کو تحفے میں دے دیا۔اس طرح گولکنڈہ ہمیشہ کے لیے بہمنی کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اس وقت، کاپایا نائیکا کے ساتھیوں نے تعاون نہیں کیا، اور ریچارلا کے سنگما نائیڈو نے کاپایا نائیکا کی مخالفت کی اور امانا گلو کو دارالحکومت بنا کر ویلاما سلطنت قائم کی۔ریچارلا سنگما نائیڈو کے بعد اقتدار میں آنے والے اناووٹا نائیڈو نے سلطنت کی توسیع کے لیے کاپایا پر حملہ کیا اور 69-1368 میں بھیمورم کی جنگ میں انہیں قتل کر کے اورگلو پر قبضہ کر لیا۔

اس طرح، کاکتیہ سلطنت کے زوال کے بعد، مسونوری خاندان نے مسلمانوں کے خلاف اورگلو میں ہندومت کی بحالی کے لیے پہلی بار سلطنت قائم کی۔لیکن قابل اعتماد ساتھیوں اور تحفے میں دیے گئے مددگاروں نے ان سے غداری کی اور مسونوری خاندان کے زوال کا سبب بنے۔ان کے دور میں کندہ کیے گئے "ویلاسا کتبہ"، " کلوواچروو کتبہ"، "پولاورم کتبہ" وغیرہ ذات کے حالات کو ظاہر کرتے ہیں۔

26.5 ریچارلا/ پدمنائیکا/ ویلاما خاندان:

پدمنائیکا سلطنت کاکتیہ کے بعد تلگو علاقے میں مسلمانوں کے خلاف قائم کی گئی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ اسے "ریچا کونڈا سلطنت" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ویلاما کے ذریعے قائم کی گئی، جنہیں "پدمانائیکا" بھی کہا جاتا ہے۔ان کی تاریخ کا بنیادی ماخذ "ویلوگوٹی وامساولی" ہے۔ ان کے دارالحکومت امانا گلو، ریچا کونڈا، اور دیورا کونڈا تھے۔ بیٹالا ریڈی ریچارلا خاندان کے بانی ہیں۔

ریچارلا سنگما نائیڈو(61-1326):

کاکتیہ کے بعد، مسونوری نے پرولایا نائیکا کے ساتھ مسلمانوں سے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔آزادی کے بعد، خود غرض سیاست کی وجہ سے تلگو علاقوں میں کئی آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں۔ایسی سلطنتوں میں، ریچارلا سنگما نائیڈو نے جنوبی تلنگانہ کے امانا گلو علاقے میں ویلاما سلطنت قائم کی۔کاکتیہ کے پرتھاپرودرادوم کے دور میں، انہوں نے اپنے والد کے ساتھ کانچی کی جنگوں میں حصہ لیا اور بہادری کا مظاہرہ کیا، اور پرتھاپرودرادوم سے 80 انعامات حاصل کیے۔انہیں " آشیتی ورالاسنگما نائیڈو" کا نام دیا گیا۔

اناووٹانائیڈو(1361-1384):

اناووٹانائیڈو ریچا کونڈا سلطنت کے بانی ہیں۔انہوں نے اپنا دارالحکومت امانا گلو سے ریچا کونڈا منتقل کر دیا۔انہوں نے ان سوما کشتریوں پر حملہ کیا جو ان کے والد کی موت کے ذمہ دار تھے،اور انہیں قتل کر کے "سوما کولا پرشورام" کا لقب حاصل کیا۔ انہوں نے اناووٹا ریڈی کو شکست دی اور سری سیلم علاقے کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔انہوں نے اورگلو کے حکمران کاپایا نائیکا کو بھیمو رم کی جنگ میں قتل کر کے اورگلو پر قبضہ کر لیا۔انتظامیہ کی سہولت کے لیے،انہوں نے اپنی سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور اپنے چھوٹے بھائی مادانائیکا کو دیورا کونڈا کا دارالحکومت مقرر کیا۔اس طرح ان کے دور میں دو ویلاما سلطنتیں قائم ہوئیں،جن کے دارالحکومت ریچا کونڈا اور دیورا کونڈا تھے۔

سنگمانائیڈو دوم(1384-99):

سنگمانائیڈو خود ایک شاعر تھے۔انہوں نے "راسارنوا سدھا کرم"،"سنگیتا سدھا کرم"،اور "رتنا پنچالیکا" لکھی۔ان کے القاب "آندھرا منڈلا دھیشورا"،"پرتیند بھیروا"،اور "کھڈگ نارائن" تھے۔شاعروں نے انہیں "سروجن چکرورتی" اور "سروجن چودامنی" کے طور پر سراہا۔

اناووٹانائیڈو دوم(1399-1421):

اناووٹانائیڈو دوم کے دور میں بہمنی بادشاہوں اور ریڈی بادشاہوں کے ساتھ جنگیں ہوئیں۔

مادھانائیڈو(1421-1430):

مادھانائیڈو نے رامائن پر ایک تبصرہ "رگھویم" لکھا اور اسے بھگوان سری رام چندر کو وقف کیا۔وہ رامانوجاچاریہ کے بیٹے وینکٹاچاریہ کے شاگرد تھے۔ان کی بیوی ناگمبیکا نے 1429 میں ریچا کونڈا کے قریب "ناگ سمودرم" نامی جھیل کھودی۔

سنگمانائیڈو سوم(1430-1475):

سنگمانائیڈو سوم کو "سروجن سنگھا بھوپالو" کے نام سے جانا جاتا تھا۔وہ ریچا کونڈا کے ویلاما بادشاہوں کے آخری بادشاہ تھے۔ان کے دور میں بہمنی بادشاہوں نے کئی حملے کیے۔اڑیسہ کے گجاپتھوں کی مدد کے باوجود،ویلاما سلطنت ختم ہوگئی۔سری ناتھا نے ان کی سلطنت کا دورہ کیا۔بامیرہ پوتانا ان کے دور کے شاعر تھے۔انہوں نے "مہابھاگوتم" لکھا اور اسے بھگوان رام کو وقف کیا۔انہوں نے "بھوجنی دندکا"،"ویربھدر وجیئم"،اور "نارائن شتکم" بھی لکھا۔گورانا،جنہوں نے "نونا تھا چریتر" لکھی، اور کوروی گوپیراجو،جنہوں نے "سنگھاسن دواترمسکا" لکھی،اس دور سے تعلق رکھتے تھے۔ویلاما کے دور میں "رناموکنڈوپو"

کی رسم رائج ہوئی۔

26.6 اختتامیہ

کاکتیہ کے بعد، پدمنائیکا خاندان، جو ریچا کونڈا کو دارالحکومت بنا کر اقتدار میں آیا، نے تلنگانہ میں سلطنت قائم کی۔ یہ سلطنت وجے نگر کے بادشاہوں، بہمنیوں، اور گجاپتھوں کے ساتھ جھڑپوں کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ان کے دور میں "رنا موکڈ و پو" نامی ایک خوفناک رسم رائج ہوئی۔ یہ ایک کھانا تھا جو دشمنوں کے خون اور گوشت کے ساتھ چاول سے تیار کیا جاتا تھا، اور اسے "رنا دیوتا" یعنی بھوتوں کو پیش کیا جاتا تھا۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات:

1. پرولایا نائیکا
2. کاپایا نائیکا
3. ریچا رلا سنگما نائیڈو
4. اناووٹا نائیڈو
5. سنگما نائیڈو
6. رنا موکڈ و پو

تحریری سوالات:

1. کاکتیہ کے زوال کے بعد سیاسی حالات کیسے تھے؟ بحث کریں۔
2. ریچا رلا خاندان کی سیاسی تاریخ کے بارے میں لکھیں۔

باب 26

قطب شاہی سلطنت
(1687-1518)

26.1 تعارف:

قطب شاہیوں نے گولکنڈہ سے حکومت کی اور کئی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے سماجی و سیاسی تعلقات، تجارت، معیشت، اور ثقافت کو فروغ دیا۔ شہر کی منصوبہ بندی، فن و تعمیر، باغات، جھیلیں، بازار، قلعے، محلات، صحت وغیرہ میں بھی تعاون کیا۔

27.2 مقاصد

- قطب شاہیوں اور ان کی حکومت کے بارے میں جاننا۔
- قطب شاہیوں کے تحت انتظامیہ اور معیشت۔
- تمام پہلوؤں میں ان کے تعاون اور میراث کو سمجھنا۔

27.3 اکتسابی نتائج:

- قطب شاہیوں نے تلنگانہ کے مقامی لوگوں کے ساتھ میل جول کیا۔
- تلگو زبان سیکھی اور ادب کو فروغ دیا۔
- معیشت اور تجارت میں ان کا تعاون۔
- باغات کی ترقی، جھیلوں کی تعمیر وغیرہ جیسی سرگرمیاں قابل قدر ہیں۔
- آبپاشی کے لیے ان کی میراث کسی حد تک آج بھی جاری ہے۔
- قلعے اور دیگر مقامات سیاحت کے اہم حصے بن گئے ہیں اور معیشت پیدا کر رہے ہیں۔

27.4 قطب شاہی سلطنت:

1347 میں، جنوبی ہندوستان میں بہمنی سلطنت قائم ہوئی۔ بعد میں یہ پانچ سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی۔ گولکنڈہ سلطنت ان میں سے ایک ہے۔ قطب شاہیوں نے گولکنڈہ کو دارالحکومت بنا کر تلنگانہ کے علاقے پر حکومت کی۔ قطب شاہی خاندان

فارس کے ملک سے آیا تھا۔ یہ "بلیک شیپ" زمرے سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ میں پہلی بار، تمام تلگولوگ قطب شاہیوں کی حکومت کے تحت متحد ہوئے۔ انہیں "آندھرا سلطان" کہا جاتا تھا۔ ان کے دور میں گولکنڈہ کو "دوسرا مصر" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے 1518 سے 1687 تک حکومت کی۔ مغل بادشاہ اورنگزیب نے اس سلطنت کو فتح کیا اور مغل سلطنت میں شامل کرلیا۔

سلطان قلی (1518-1543):

سلطان قلی قطب شاہی خاندان کے بانی تھے۔ وہ وسطی ایشیا سے بہمنی سلطنت میں آئے۔ وہ محمد سوم کے دور میں آئے اور قدم بہ قدم ترقی کی۔ انہوں نے کئی جنگوں میں حصہ لیا اور "بواس خان" اور "قطب الملک" کے القاب حاصل کیے۔ انہیں تلنگانہ کا "طرف دار" مقرر کیا گیا۔ آخر کار، انہوں نے گولکنڈہ کو دارالحکومت بنا کر آزاد قطب شاہی سلطنت قائم کی۔ انہوں نے وجے نگر، ریڈی، اور گجاپتی بادشاہوں کے ساتھ جنگیں لڑیں۔ 1517 میں، انہیں دھونی کی جنگ میں سری کرشنا دیورایا نے شکست دی۔

جمشید (1543-1550):

جمشید نے اپنے والد کو قتل کر کے اقتدار حاصل کیا۔ انہوں نے سات سال حکومت کی۔ 1550 میں وہ کینسر کی وجہ سے وفات پا گئے۔

ابراہیم قلی قطب شاہ (1550-1580):

جمشید سے اپنی جان کے خوف کی وجہ سے، وہ گولکنڈہ سے فرار ہو کر وجے نگر سلطنت میں چھپ گئے۔ جمشید کی موت کے بعد، وہ گولکنڈہ واپس آئے اور بادشاہت سنبھالی۔ انہوں نے سلطنت کو وسعت دی اور مضبوط حکومت قائم کی۔ انہیں "ملکی بھارما" کا لقب ملا۔ انہیں تلگو زبان پر اچھی مہارت حاصل تھی۔ ان کے دربار میں کئی شاعر موجود تھے۔

محمد قلی قطب شاہ (1580-1612):

محمد قلی قطب شاہ تمام قطب شاہی بادشاہوں میں سب سے عظیم تھے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی سلطنت کو وسعت دی بلکہ غیر ملکی ممالک کے ساتھ تجارت بھی کی۔ مغل سفیر اور غیر ملکی سفیر ان کے دربار میں آئے۔ اس دور میں، 1611 میں، ہیون کی قیادت میں ایک برطانوی جہاز مشیلی پٹنم آیا۔ وہ ایک عظیم معمار تھے۔ ان کے دور میں حیدرآباد شہر تعمیر ہوا۔ 1595 میں چار مینار تعمیر کیا گیا۔ انہوں نے دریائے موسیٰ پر ایک بند تعمیر کیا اور حیدرآباد شہر کو تازہ پانی فراہم کیا۔ وہ ایک شاعر تھے اور انہوں نے کئی نظمیں لکھیں۔

عبداللہ قطب شاہ (1626-1672):

عبداللہ قطب شاہ اس خاندان کے سب سے طویل عرصے تک حکومت کرنے والے بادشاہ تھے۔ اورنگزیب نے ان پر حملہ کیا۔ ان کے دور میں اردو کو فروغ ملا۔ ان کی حکومت کو اردو کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ کسٹریا ان کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

گولکنڈہ کا ہیرا ان کے دور میں دریافت ہوا۔

عبدالحسن:

عبدالحسن قطب شاہی خاندان کے آخری بادشاہ تھے۔ ان کا لقب "تانی شاہ" تھا۔ وہ شیعہ تھے۔ انہوں نے اپنے دربار میں ہندو وزراء اکنا اور مدنا کو اعلیٰ عہدے دیے۔ اورنگزیب نے 1687 میں گولکنڈہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ چونکہ اورنگزیب اس حملے میں قلعہ حاصل نہ کر سکے، انہوں نے کئی سازشیں کیں اور قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے رشوت دی۔

27.5 نظم ونسق

مرکزی حکومت:

قطب شاہیوں کے دور میں بادشاہ کے پاس تمام اختیارات تھے۔ بادشاہ کو مشورہ دینے کے لیے ایک مشاورتی کونسل موجود تھی، جس کا نام "مجلسِ دیوانداری" تھا۔ بادشاہ کی مدد کے لیے وزراء کی ایک کونسل موجود تھی۔ اس میں "پیشوا" وزیرِ اعظم تھے۔ 12 وزراء تھے جنہیں "وزیر" کہا جاتا تھا۔ ان کے ماتحت کئی ملازمین تھے۔

نظم ونسق کی سہولت کے لیے سلطنت کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ان کے سربراہ "طرفدار" تھے۔ یہ حصے "سرکاروں" میں تقسیم کیے گئے، اور سرکاریں "پرگنوں" میں تقسیم کی گئیں۔ پرگنا کے سربراہ "تحصیلدار" تھے۔ بھکت رامداسو پالونچا پرگنا کے تحصیلدار تھے۔ خلیل ایک ملازم تھے جو بادشاہ کے احکامات کو نافذ کرتے تھے۔ ان کے دور میں بندرگاہی شہروں کا کنٹرول "حوالداروں" کے پاس تھا۔ لیکن چیف ڈاک آفیسر کو "شابندر" کہا جاتا تھا۔ سب سے آخری سطح گاؤں کی تھی۔ زمین پر وراثتی حقوق رکھنے والوں کو "وارث" کہا جاتا تھا۔ ان کے دور میں 12 "ایبا گار" تھے جنہیں "میراثی حقوق" حاصل تھے، اور انہیں "بالوتیان" یا "بارہ بلونتولو" کہا جاتا تھا۔

زمین کا ٹیکس ان کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ جو لوگ نیلامی میں ٹیکس جمع کرنے کا حق فروخت کرتے تھے، اور جو لوگ یہ حق خریدتے تھے انہیں "مستازیر" کہا جاتا تھا۔ اس طریقہ کو "گٹا پدھتی" کہا جاتا تھا۔ کھیتوں کو پانی دینے اور پانی کے ذرائع کی مرمت کے لیے "واڈیریس" کو مقرر کیا گیا۔ ان کے دور میں نرمل اور نظام آباد لوہے کی صنعت کے لیے مشہور تھے، اور گولکنڈہ ہیرے کے لیے مشہور تھا۔ دنیا کا مشہور کوہِ نور ہیرا کولور کی کان میں دریافت ہوا۔ مشلی پٹنم ان کے دور میں ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔

فارسی ان کی سرکاری زبان تھی۔ اردو کو بھی فروغ ملا۔ میریگنٹی سنگنا چاریہ، جنہوں نے "دشرتھ راجا نندنا چریتر" لکھی، کرشنایا متیا، جنہوں نے "راجنیتی رتنا کرم" لکھی، کشیتریا، کانچرل گوپنا، اور ویمنا اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ کندکوری رودرکوی، جنہوں نے "سگریواوجیہ" لکھی، پونا گنٹی تلگا نچاریہ، جنہوں نے "یایاتی چریتر" لکھی، ادھنکی گنگا دھرا کوی، فیروز،

اور دیگر شاعر اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

حیدرآباد شہر ان کے دور میں تعمیر ہوا۔ گولکنڈہ قلعے کی فصیل، ابراہیم باغ، پول باغ، پورانا پول، حسین ساگر، چار مینار، جامع مسجد، دادومحل وغیرہ ان کے دور میں تعمیر کیے گئے۔

27.6 اختتامیہ

اس طرح قطب شاہیوں نے گولکنڈہ کو دارالحکومت بنا کر 160 سال تک حکومت کی۔ چند واقعات کے علاوہ، انہوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ حکومت کی۔ اس خاندان کے بادشاہ اکثر سلطنت کا دورہ کرتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کے دور کو "چلتا ہوا دارالحکومت شہر" کہا جاتا ہے۔ ان کے دور میں گولکنڈہ قلعہ دشمن کے لیے ناقابل تسخیر بن گیا۔ جب اورنگزیب نے اس سلطنت پر حملہ کیا، تو انہیں چھ ماہ تک اس قلعے میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ ان کے دور میں بھکت رامداسو کو گولکنڈہ جیل میں قید کیا گیا۔

سوالات: مختصر اور تحریری

مختصر سوالات:

1. ابراہیم قلی قطب شاہ
2. محمد قلی قطب شاہ
3. عبدالحسن

تحریری سوالات:

1. قطب شاہیوں کی انتظامیہ کے بارے میں لکھیں۔
2. قطب شاہیوں نے تلنگانہ میں کس طرح تعاون کیا؟ وضاحت کریں۔

باب 28

آصف جاہی دور حکومت
(1948-1724)

28.1 تعارف

قطب شاہیوں کے بعد آصف جاہیوں نے حیدرآباد کو اپنا دارالحکومت بنا کر حکومت کی۔ ان کی حکومت 1724 سے 1948 تک جاری رہی۔ مجموعی طور پر ان کے دس حکمران تھے، لیکن سات افراد کو آصف جاہ کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں جنہوں نے ریاست حیدرآباد کو جدید بنایا۔

28.2 مقاصد

- آصف جاہی حکمرانی، انتظامیہ، معیشت اور فلاحی سرگرمیوں کو سمجھنا
- آصف جاہی دور میں بنیادی ڈھانچے کی ترقی
- ان کے دور کا کرنسی نظام
- تعلیم اور صحت کے شعبوں میں ترقی
- آبپاشی کے نظام میں بہتری

28.3 اکتسابی نتائج

- عوامی فلاح و بہبود کو ترجیح دی گئی
- آصف جاہی ورثہ آج بھی قائم ہے
- سالار جنگ میوزیم قائم ہوا
- پینے کے پانی کے ذخائر (ٹینک) تعمیر کیے گئے
- سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی ہوئی
- نئی کرنسی "ہالی سکہ" کا اجرا ہوا

28.4 آصف جاہی حکمران

28.4.1 نظام الملک (1724–1748)

نظام الملک کا اصل نام "میر قمر الدین" تھا۔ ان کا ایک اور نام "چن قلچ خان" بھی تھا۔ انہیں فتح جنگ، نظام الملک اور آصف جاہ کے القابات دیے گئے۔ ان کے والد شہاب الدین مغل دربار میں ملازم تھے اور قمر الدین نے بھی ان کے ساتھ مغلوں کے تحت ملازمت کا آغاز کیا۔

1691 میں عادل پور (آدونی) کی فتح پر اورنگزیب نے ان کی بہادری کے صلے میں انہیں چن قلچ خان کا لقب دیا۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ کے زمانے میں دہلی میں موجود ذوالفقار خان سے ان کی دشمنی ہوئی، جس نے انہیں دکن میں تعینات نہیں کیا بلکہ خانِ دریا کا لقب دے کر ایودھیا کا صوبہ دار مقرر کیا۔

بعد میں مغل بادشاہ فرخ سیر نے انہیں فتح جنگ اور نظام الملک کے القابات سے نوازا۔ مغل بادشاہ محمد شاہ نے سید برادران کے بعد انہیں وزیر اعظم مقرر کیا، مگر دہلی کی سیاست انہیں پسند نہ آئی۔ وہ دکن آ گئے اور ایک آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی، لیکن دکن کے اس وقت کے صوبہ دار مبارز خان نے ان کا مقابلہ کیا۔ ان دونوں کے درمیان 1724 میں "شکر کھیڑ" کی جنگ ہوئی، جس میں نظام الملک نے فتح حاصل کی اور آصف جاہی سلطنت قائم کی۔

انہوں نے پہلے اورنگ آباد کو اپنا مرکز بنایا۔ محمد شاہ نے انہیں آصف جاہ کا لقب دیا اور آٹھ ہزار منصب عطا کیا۔ بعد میں انہوں نے دارالحکومت کو اورنگ آباد سے حیدر آباد منتقل کر دیا، مگر سکے مغل بادشاہ کے نام پر جاری کیے اور خود کو دکن کا صوبہ دار ظاہر کیا۔

چوتھ اور سردیش مُکھی جیسے محصولات کے معاملے پر مرہٹوں سے تین جنگیں لڑیں اور شکست کھائی۔ 1739 میں نادر شاہ کی دہلی پر چڑھائی کے دوران انہوں نے محمد شاہ کی طرف سے کرنال کی جنگ میں شرکت کی۔ نادر شاہ سے بات چیت کی کوشش ناکام ہوئی اور اس نے دہلی پر حملہ کر دیا۔

ان کے دشمن ایودھیا کے نواب سعادت خان نے نادر شاہ کی مدد کی۔ ان کے بیٹے نذر جنگ نے 1740 میں مرہٹوں کو شکست دی، لیکن نظام الملک نے دکن واپس آ کر داؤلت آباد میں اپنے بیٹے کو شکست دے کر قید کر لیا۔ 1742 میں انور الدین کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ اسی دور میں احمد شاہ ابدالی کے حملے بھی جاری تھے۔ نظام الملک 1748 میں دہلی جاتے ہوئے برہان پور میں وفات پا گئے۔

28.4.2 ناصر جنگ (1748–1751)

نظام الملک کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ناصر جنگ اقتدار میں آئے۔ مگر ان کی بہن بیرون النساء بیگم کے بیٹے مظفر جنگ نے ان کے خلاف تخت کے لیے دعویٰ کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی۔ فرانسیسیوں نے مظفر

جنگ کی مدد کی جبکہ انگریزوں نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا۔ ناصر جنگ جنگ میں کامیاب ہوئے، مگر فرانسیسیوں نے سازش کے تحت کرنول کے نواب روحمت خان کی مدد سے انہیں قتل کروادیا۔

28.4.3 مظفر جنگ (1751–1751)

ناصر جنگ کی موت کے بعد فرانسیسی گورنر "ڈوپلیکس" نے پونڈیچیری میں مظفر جنگ کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا۔ مظفر جنگ نے صوبہ دار بننے کے بعد فرانسیسیوں کو جواہرات اور رقم بطور انعام دی۔ اس نے اپنی دربار میں فرانسیسی ایجنٹ کو "حیدر جنگ" کا لقب دیا اور ڈوپلیکس کو سات ہزار گھڑ سواروں کا منصب دار مقرر کیا۔

کرنول کے نواب روحمت خان کو ناصر جنگ کے قتل کے باوجود کچھ فائدہ نہ ہوا جس پر وہ ناراض ہوگیا اور مظفر جنگ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک دن جب مظفر جنگ پونڈیچیری سے اورنگ آباد جارہا تھا تو 1751 میں کڑپہ سے 35 کلومیٹر دور "لکھی ریڈی پلی" کے مقام پر روحمت خان نے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح مظفر جنگ تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی مارا گیا اور وہ آصف جاہی سلسلے کا حقیقی وارث بھی نہ تھا۔

28.4.4 صلابت جنگ (1751–1761)

مظفر جنگ کی موت کے بعد فرانسیسی لیڈر "بوسی" نے سرداروں کو راضی کر کے صلابت جنگ کو نظام مقرر کیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے اپنے بھائیوں کو قید کیا اور فرانسیسیوں کو کئی تحفے دیے۔ مرہٹوں سے بچانے کے صلے میں فرانسیسیوں نے صلابت جنگ کو سریکاکلم، ایلور، راجامندری، مصطفیٰ نگر اور گنٹور سمیت شمالی سرکاریں دے دیں۔ فرانسیسیوں کو دی گئی ان زمینوں کے خلاف کئی بغاوتیں ہوئیں جن میں تملا پالم، بوبلی، چندورتی، اور کونڈور کی جنگیں شامل ہیں۔

28.4.5 نظام علی خان (1761–1803)

نظام علی خان، نظام الملک کے چوتھے بیٹے تھے۔ صلابت جنگ کو ہٹا کر وہ تخت نشین ہوئے اور "آصف جاہ دوم" کا لقب اختیار کیا۔ اسی وقت سے حکمرانوں نے "نظام" کا لقب اختیار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے 1770 میں دارالحکومت اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل کر دیا۔ تخت نشین ہوتے ہی انہوں نے مرہٹوں سے تحفظ کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ "جوگی پنٹولو" کے سفیر کی مدد سے 1766 میں ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت شمالی سرکاریں انگریزوں کو دے دی گئیں۔ وہ "سبسڈی معاہدہ" کرنے والے پہلے ہندوستانی حکمران تھے۔

انہوں نے انگریزوں سے چھ معاہدے کیے، جن کے تحت شمالی سرکاریں اور "سیڈڈ ڈسٹرکٹس" انگریزوں کو دے دی گئیں۔ انہوں نے حیدرآباد میں توپ سازی کا کارخانہ (Gunfoundry) قائم کیا۔ عوام انہیں "موسرم" کہتے تھے، ان کے نام پر "موسرم باغ" بھی آباد کیا گیا۔ انہوں نے "ریذیڈنسی بلڈنگ" بھی تعمیر کروائی۔

28.4.6 سکندر جاہ (1803–1826)

سکندر جاہ تیسرے آصف جاہ تھے۔انہوں نے "چندو لال" کو پشکار مقرر کیا جو مالیات اور خزانے کا انچارج تھا۔ان کے نام پر "سکندر آباد" شہر تعمیر کیا گیا۔ان کے دور میں نظم ونسق بگڑ گیا، جس کے سد باب کے لیے "رسل کی فوج" بنائی گئی۔یہ فوج نظام حکومت کی ذمہ داری میں تھی اور اس نے "پنداریوں" کو کچل دیا۔1818 میں انگریزوں نے مرہٹوں کے خلاف اسی فوج کے ذریعے کامیابی حاصل کی۔اس فوج کے اخراجات کی وجہ سے مالی حالت بگڑ گئی، اور قرض لینے کے لیے "پامر اینڈ کمپنی" سے بھاری سود پر قرض لیا گیا۔

28.4.7 ناصر الدولہ (1829–1857)

ان کے دور میں دو اہم واقعات ہوئے جس میں ایک وہابی تحریک اور برار معاہدہ شامل تھا۔

1. وہابی تحریک:

یہ تحریک سعودی عرب کے عبداللہ وہاب نے شروع کی۔اس کا مقصد اسلام کو خالص بنانا اور غیر اسلامی رسومات کا خاتمہ تھا۔ہندوستان میں یہ تحریک سید احمد بریلوی کی قیادت میں شمالی ہند میں شروع ہوئی۔انہوں نے پنجاب میں سکھوں اور بعد میں انگریزوں سے جنگ کی، جس کے نتیجے میں انہیں انڈمان جزیروں میں جلاوطن کیا گیا۔جنوب میں یہ تحریک مبارز الدولہ کی قیادت میں چلی، جسے کرنول کے نواب غلام رسول نے بھی حمایت دی۔انگریزوں نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا۔مبارز الدولہ کو گولکنڈہ جیل اور غلام رسول کو ترو چناپلی جیل میں قید کیا گیا۔

2. برار معاہدہ:

ڈلہوزی کے گورنر جنرل بننے کے وقت نظام حکومت کو 67 لاکھ روپے کے بقایا جات ادا کرنے تھے، مگر نظام یہ رقم ادا نہ کر سکا۔چنانچہ 21 مئی 1853 کو نظام نے "برار معاہدہ" پر دستخط کیے، جس کے تحت برار، دھاراشیو، اور رائچور کے اضلاع (41 لاکھ آمدنی والے) ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کیے گئے۔اس وقت کے دیوان "سراج الملک" معاہدہ کے پانچ دن بعد وفات پا گئے۔ان کے بھتیجے "تراب علی خان" کو "سالار جنگ اول" کا خطاب دے کر نیا دیوان بنایا گیا۔رسل نے نظام کی فوج کو "حیدر آباد کنٹنجنٹ" بنا کر برطانوی فوج میں شامل کر دیا۔

28.4.8 افضل الدولہ (1857–1869)

افضل الدولہ کے دور میں سپاہیوں کی بغاوت ہوئی۔اورنگ آباد میں میر فیدا علی اور حیدر آباد میں تربز خان کی قیادت میں بغاوتیں ہوئیں۔نظام نے ان بغاوتوں کو مؤثر طریقے سے دبایا، جس پر انگریزوں نے انہیں "اسٹار آف انڈیا" ایوارڈ دیا اور پچاس لاکھ کا قرض معاف کر دیا۔شولاپور، رائچور، دھاراشیو اور نوادورگ کے علاقے نظام کو واپس دے دیے گئے۔

28.4.9 محبوب علی خان (1869–1911)

افضل الدولہ کی وفات کے وقت محبوب علی خان صرف تین سال کے تھے، اس لیے "سالار جنگ اول" کو ان کا سرپرست مقرر کیا گیا، جو کچھ ہی دن بعد فوت ہو گئے۔ پھر برطانوی حکومت نے میر لیاقت علی خان کو "سالار جنگ دوم" کا خطاب دے کر سرپرست مقرر کیا۔ ب محبوب علی خان بالغ ہوئے تو گورنر جنرل "رپون" نے 5 فروری 1884 کو مکمل اختیارات نظام کو سونپ دیے۔

28.4.10 میر عثمان علی خان (1911–1948)

میر عثمان علی خان ساتویں آصف جاہ اور آخری نظام تھے۔ ان کے دور میں حیدرآباد نے زبردست ترقی کی۔ اسی دوران ہندوستان میں قومی تحریک کا آغاز ہوا، جس کا اثر ریاست حیدرآباد پر بھی پڑا۔ تحریکیں اور سرگرمیاں: آریہ سماج نے ہندو اتحاد کے لیے کام کیا۔ کیشو راو کورٹکر، وامن راو نے کئی سرگرمیاں شروع کیں۔ 1921 میں "آندھرا جنا سنگھ" قائم ہوئی، جو بعد میں 1930 میں "آندھرا مہا سبھا" بنی۔ اس کے سالانہ اجلاس حیدرآباد میں ہوتے رہے جن میں قومی رہنما شرکت کرتے۔ 1944 کے بعد نوجوانوں اور کمیونسٹوں کا اثر بڑھا، جس پر 1945 میں آندھرا مہا سبھا دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا دوسرا "حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس" کے نام سے سیاسی اصلاحات کے لیے سرگرم ہوا۔ تلنگانہ مسلح جدوجہد' کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں ہوئی۔ زمین داروں، رضاکاروں، نظام، اور آخر میں ہندوستانی فوج کے خلاف لڑی گئی۔ "حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس" نے "انڈیا میں شمولیت" کی تحریک جاری رکھی۔

ہندوستان کو آزادی کے بعد نوابی ریاستیں ہندوستان میں ضم ہو گئیں، مگر نظام حیدرآباد نے انضمام سے انکار کر دیا۔ رضاکاروں کی سرگرمیاں بڑھنے لگیں اور تلنگانہ میں کمیونسٹوں کی مسلح جدوجہد جاری رہی۔ نظام ایک آزاد ملک بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ مرکزی حکومت نے 13 سے 17 ستمبر 1948 کے دوران "پولیس ایکشن" کیا اور ریاست حیدرآباد کو ہندوستان میں ضم کر لیا۔

28.5 ترقیاتی سرگرمیاں:

نظاموں کے دور میں ترقی "نظاموں کے دور میں حیدرآباد کی سلطنت نے بہت ترقی کی۔ سلار جنگ اول، جو تین بادشاہوں کے تحت وزیرِ اعظم کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے، نے کئی اصلاحات متعارف کروائیں۔ آخری نظام میر عثمان علی خان نے اپنے دورِ حکومت میں کئی اصلاحات کیں۔ میر عثمان علی خان نے 1918-19 میں عثمانیہ یونیورسٹی قائم کی تاکہ تعلیم کو فروغ دیا جا سکے، جو ابتدا میں صرف اردو میں تعلیم دیتی تھی۔ نظام اسٹیٹ ریلوے بورڈ سلطنتِ حیدرآباد میں قائم کیا گیا اور ریلوے لائنیں بچھائی گئیں۔ 1878 میں، حیدرآباد-واڈی کو جوڑنے والی پہلی ریلوے لائن تعمیر کی گئی۔ آصف جاہی کے دور

میں، محکمہ آثارِ قدیمہ قائم کیا گیا، جس کے تحت اجنتا، ایلورا، اور ہزار ستونوں والے مندر کی حفاظت کی گئی۔

صنعتیں جیسے سرپور پیپر مل، بودھن شوگر فیکٹری، اعظم جاہی ٹیکسٹائل مل، چار مینار سگریٹ فیکٹری، دیوان بہادر رام گوپال مل وغیرہ قائم کی گئیں۔ جھیلیں جیسے عثمان ساگر، نظام ساگر، اور حمایت ساگر کھودی گئیں۔ حیدرآباد اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن قائم کی گئی اور عوام کی سہولت کے لیے ٹرانسپورٹ کی سہولیات فراہم کی گئیں۔ حیدرآباد اسٹیٹ ہائیڈرو الیکٹریسٹی بورڈ کے تحت بجلی کی سہولیات فراہم کی گئیں۔ میر عثمان علی خان نے عثمانیہ اسپتال، نیلوفر چلڈرن اسپتال، فیور اسپتال، بون اسپتال وغیرہ شروع کر کے حیدرآباد ریاست کے عوام کو طبی سہولیات فراہم کیں۔

28.5.1 سالار جنگ اول کے تحت حیدرآباد کی جدیدیت:

میر تراب علی خان، جو اپنے لقب "سالار جنگ" کے نام سے مشہور ہیں، اپنی پالیسیوں اور مختلف اسکیموں کی وجہ سے جدید حیدرآباد کے معمار سمجھے جاتے ہیں۔ جب سراج الملک، جو نذیر الدولہ کے دیوان تھے، وفات پا گئے، تو سالار جنگ کو 31 مئی 1853 کو اپنے چچا کی جگہ دیوان مقرر کیا گیا۔ سالار جنگ پھر تین حکمرانوں، ناصر الدولہ، افضل الدولہ، اور میر محبوب علی خان کے دیوان بنے، اور 1883 تک خدمات انجام دیتے رہے۔ سالار جنگ نے 1857 کی سپاہی بغاوت کو دبانے کے لیے برطانویوں کی حمایت حاصل کی، اور ان کی اصلاحات برطانوی مفادات کے مطابق تھیں۔ ڈائٹونگ، ایک برطانوی افسر، نے سالار جنگ کو ان کی اصلاحات بنانے میں رہنمائی فراہم کی۔

نظم و نسق میں اصلاحات:

حیدرآباد، جو پہلے نظام الملک کے تحت 6 صوبوں (حیدرآباد، اورنگ آباد، بیدر، برار، گلبرگہ، کھنڈیش) پر مشتمل تھا، سالار جنگ کے تحت کھنڈیش کو صوبے کے درجے سے ہٹا کر 5 صوبوں تک محدود کر دیا گیا۔ انہوں نے ریاست میں مختلف صدر دفاتر بنائے، جیسے اورنگ آباد شمال مغرب کے لیے، بیدر مغرب کے لیے، گلبرگہ جنوب کے لیے، پٹنچر و شمال کے لیے، اور بھونگیری ریاست کے مشرقی حصے کے لیے۔ ہر صوبے میں 2-3 اضلاع تھے، جن کے سربراہ "صدر تعلقدار" تھے، جو ایک ریونیو اور ایک عدالتی افسر کی مدد سے کام کرتے تھے۔ انتظامیہ کی اگلی اکائی ضلع تھی، جس کے سربراہ ٹھیکیدار تھے، جنہیں ہٹا کر تعلقداروں کو ان کا سربراہ بنایا گیا۔ 1880 تک 16 اضلاع موجود تھے۔ اگلی اکائی تعلقہ، شہر، اور گاؤں تھی، جس کے سربراہ تحصیلدار، کوتوال، اور پٹواری تھے۔ پورا انتظامیہ دیوان کے تحت تھا، جو نائب وزیرِ اعظم، برطانوی رہائشی، محکمے کے سربراہ، اور وزیرِ خزانہ کی مدد سے کام کرتا تھا۔

1864 میں، انہوں نے "صدر المحامس" تشکیل دی، جس میں ریونیو، عدلیہ، پولیس، عوامی کام، تعلیم، اور صحت کے 4 وزارتیں شامل تھیں۔ 1881 تک یہ محکمے 7 تک بڑھا دیے گئے۔ اس وقت سے ان وزراء کو "صدر المحام" کہا جاتا تھا۔ 1865 میں، سالار جنگ نے "ضلع بندی نظام" متعارف کروایا، جس میں ہر ضلع کو ان کی ریونیو نکالنے کی صلاحیت کے مطابق

3 درجات میں تقسیم کیا گیا۔اسی سال انہوں نے "مجلسِ مالگزاری" متعارف کروائی، جو تحصیلداروں کی نگرانی کرتی تھی۔ سالار جنگ نے مختلف محکمے تشکیل دیے۔ 1860 میں سیکریٹریٹ کا محکمہ، 1863 میں عدالتی سیکریٹری، 1864 میں کسٹمز کا محکمہ، ریونیو سیکریٹریٹ، پولیس محکمہ، اور 1868 میں صدر المحامس تشکیل دیے گئے۔

ریونیو اصلاحات:

ریاست کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔خلصہ/ دیوان: یہ سرکاری زمین تھی جو کل زمین کا تقریباً 60% حصہ تھی۔صرف خاص: یہ تقریباً 10% زمین تھی جو نظام کے اخراجات کے لیے مختص تھی۔ پائگاہ: فوجی اشرافیہ کے لیے مختص زمین۔ جاگیریں: مختلف افراد کو ان کی قابلیت کے مطابق دی گئیں۔

1864 میں ریونیو بورڈ تشکیل دیا گیا، لیکن 1867 میں اسے ختم کر کے "صدر محکمہ مالگزاری" کے نام سے ایک مرکزی ریونیو محکمہ قائم کیا گیا۔ زمین کے ریکارڈ کی سالانہ جانچ کے لیے "زمابندی نظام" متعارف کروایا گیا۔ 1865 میں "ضلع بندی نظام" متعارف کروایا گیا، جس کے تحت ریاست کو 14 اضلاع میں تقسیم کیا گیا۔ سرحدوں کو مقرر کرنے اور زمین کے ریکارڈ کو برقرار رکھنے کے لیے "سروے سیٹلمنٹ سسٹم" متعارف کروایا گیا۔ بٹائی نظام کو ختم کر کے "رائیتواری نظام" متعارف کروایا گیا۔ 1875 میں، جب برطانوی حکومت نے مرکز میں انعام آفس قائم کیا، تو سالار جنگ نے ریونیو جمع کرنے کے لیے دفتر داروں کی جگہ تعلقہ داروں کو مقرر کیا۔

معاشی اصلاحات:

1857 کی بغاوت کو دبانے کے بعد، برطانوی حکومت نے اپنا 50 لاکھ کا قرض معاف کر دیا اور رائچور اور نالدرگ کو دوبارہ حاصل کیا۔ انہوں نے 1000 زیادہ تنخواہ لینے والے افسران کی تنخواہیں کم کیں۔ 1851 میں "ہالی سکہ" نامی سکہ متعارف کروایا اور حیدرآباد میں ایک مرکزی ٹکسال قائم کی۔ 1860 میں درآمدات اور برآمدات پر ٹیکس ختم کر کے نمک پر نیا ٹیکس لگایا۔ 1861 میں "اسٹامپ پیپر آفس" قائم کیا۔ 1867 میں خصوصی جنگلات کا محکمہ تشکیل دیا۔ 1871 میں سنگارینی میں کوئلہ دریافت ہونے کے بعد ٹرانسپورٹ خدمات متعارف کروائیں۔ 1853 سے 1881 کے درمیان، انہوں نے ریونیو کی آمدنی کو 2.5 گنا بڑھایا۔

پولیس اصلاحات:

سالار جنگ نے پولیس فورس کا نام "نظامت" رکھا، جس میں جمعدار، دفتر دار، امین، نائب صدر مہتمم شامل تھے۔ 1867 میں پولیس اور ریونیو بورڈ کو الگ کیا گیا۔ "صدر المحتمی" کو پولیس محکمہ کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ 1869 میں پولیس محکمہ قائم کیا گیا۔

فوجی اصلاحات:

1864 میں نظام کی فوج کے لیے ایک نئی عمارت تعمیر کی گئی، جسے اسسٹنٹ اور سیکریٹریٹ میں تقسیم کیا گیا، جس میں مستقل بٹالینز شامل تھیں۔ 1869 میں فوجی سیکریٹریٹ کے تحت منصب دار افسران مقرر کیے گئے۔ 1875 میں حکومت نے "دفتر نظام جمعیت" قائم کیا۔ 1876 میں فوجی سیکریٹریٹ مقرر کیا گیا۔

عدالتی اصلاحات:

سالار جنگ نے دو خصوصی عدالتیں تشکیل دیں: دیوانی عدالت (سول) اور فوجداری عدالت (کریمنل)۔ 1862 میں عدالتی محکمہ قائم کیا گیا۔ ضلع ہائی کورٹ کو "محکمہ صدر" کہا جاتا تھا، جس کے چیف جسٹس نسیم تھے۔ انہوں نے سول اور کریمنل معاملات کے لیے منصف اور میر عدالت مقرر کیے۔ 1869 میں "صدر المحام عدالت" عدالتی معاملات کی نگرانی کے لیے قائم کی گئی۔ 1872 میں "محکمہ مرافعہ اعلیٰ" قائم کیا گیا، جو اپیل کی عدالت تھی۔ 1877 میں عدالتی معاملات میں حکومت کو مشورہ دینے کے لیے "قانونی سیکریٹریٹ" مقرر کیا گیا۔

تعلیمی اصلاحات:

جدیدیت کے حصے کے طور پر مختلف اسکول قائم کیے گئے، جن میں شامل ہیں۔ 1834: سینٹ گرامر اسکول (حیدرآباد کا پہلا انگریزی میڈیم اسکول) 1855: دارالعلوم اورینٹل اسکول، 1856: سینٹ این کانوینٹ، 1860: سول انجینئرنگ کالج، 1861: سینٹ این ہائی اسکول، 1869: محکمہ تعلیم کا سیکریٹریٹ، 1870: سٹی ہائی اسکول اور انجینئرز کالج، 1872: چادر گھاٹ اسکول، 1873: مدرسہ اولیاء، 1878: مدرسہ عائزہ، 1881: گلوریا ہائی اسکول، 1884: محبوبہ کالج، سالار جنگ کے دور میں 162 نئے اسکول قائم کیے گئے، جن میں 105 فارسی میں، 34 مراٹھی میں، 4 انگریزی میں، اور 19 تلگو میں تھے۔

ٹرانسپورٹ اور مواصلات:

1856: بمبئی کے لیے پہلی برقی ٹیلی گراف لائنیں بچھائی گئیں۔ 1862: حیدرآباد ضلع کے درمیان ایک ڈاک نظام قائم کیا گیا۔ 1866: حیدرآباد-ممبئی-مدراس کے درمیان گرینڈ پینسولر ریلوے لائن بچھائی گئی۔ 1868: حیدرآباد اور شولاپور کے درمیان گرینڈ ٹرنک روڈ۔ 1869: حیدرآباد میں پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا۔ 1870: چاندہ ریلوے اسکیم کا معاہدہ شروع کیا گیا۔ 1874: واڈی اور سکندرآباد کے درمیان ریلوے لائن۔ 1883: نامپلی ریلوے اسٹیشن۔ 1887: حیدرآباد مائننگ کمپنی۔

صنعتی اصلاحات:

سالار جنگ نے صنعتی ترقی کو فروغ دینے اور لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لیے مختلف اصلاحات شروع کیں۔1856: ڈاکٹر اسمتھ کے ذریعے نمائش کا آغاز۔1869: سول انجینئرنگ برانچ۔1873: پہلی اسپننگ اور ویونگ کپڑے کی مل۔1876: توپوں کی فیکٹری قائم کی گئی۔

28.6 اختتامیہ

سالار جنگ اول آصف جاہی دور کے تمام دیوانوں میں سب سے عظیم تھے۔ان کی متعارف کردہ اصلاحات نے جدید حیدرآباد ریاست کی تعمیر میں بہت تعاون کیا۔انہوں نے تین نظاموں کے تحت دیوان کے طور پر خدمات انجام دیں اور برطانوی سرپرستی میں کام کیا۔انہوں نے 1857 کی سپاہی بغاوت میں برطانویوں کی حمایت کی اوران کی تعریف حاصل کی۔ ان کی اصلاحات کی بنیاد پر،آخری نظام،عثمان علی خان، نے حیدرآباد کومزید ترقی دی۔

سوالات:مختصراورمضمون

مختصرسوالات:

1. صلابت جنگ
2. سکندرجاہ
3. محبوب علی خان

تحریری سوالات

1. نظام الملک کے بارے میں لکھیں۔
2. ناصرالدین کے دور کے مختلف واقعات کے بارے میں لکھیں۔
3. میرعثمان علی خان کی ترقیاتی سرگرمیوں کے بارے میں لکھیں۔
4. الارجنگ اول کی اصلاحات کے بارے میں لکھیں۔

باب 29

تلنگانہ کی علیحدہ ریاست کے لیے تحریک (2014-1948):

تلنگانہ کا تصور (1970-1948)

29.1 تعارف:

تلنگانہ کے عوام نے تلنگانہ کو ریاست کا درجہ دلانے کے لیے تحریک شروع کی اور کامیابی حاصل کی۔ عوام، جن میں دانشور، طلباء، ڈاکٹر، وکلاء، اور دیگر شامل تھے، نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ سبق تلنگانہ تحریک کے مختلف مراحل کو بیان کرتا ہے، جو ابتدائی مرحلے سے 2014 تک جاری رہی۔ یہ تحریک تلنگانہ کے تصور سے شروع ہوئی۔

29.2 مقاصد:

- تلنگانہ تحریک اور عوام کے کردار کے بارے میں علم حاصل کرنا۔
- بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اور آئینِ ہند کا کردار۔
- کمیٹیوں، انتخابات، معاہدوں، اور تنظیموں کا کردار۔
- خواتین کا کردار اور ان کی شرکت کی اہمیت۔
- تلنگانہ پر جاسمیتی۔

29.3 اکتسابی نتائج:

- سیاسی تحریکوں نے بڑا کردار ادا کیا۔
- بابا صاحب ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کا چھوٹی ریاستوں کا تصور۔
- عوامی تحریکوں کو بہت سراہا گیا۔
- ٹی پی ایس کی منصوبہ بندیوں نے تحریک کے لیے راہ ہموار کی۔

29.4 تلنگانہ تحریک:

متحدہ ریاست آندھرا پردیش میں تلگو عوام کی تاریخی کہانی ساحلی آندھرا علاقے سے شروع ہوئی۔ تاہم، تلنگانہ تحریک کے تاریخی تناظر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تلگو عوام کی تاریخ تلنگانہ علاقے میں آندھرا علاقے سے پہلے شروع ہوئی۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں، بودھن (نظام آباد) کی اسما کا سلطنت شودش مہاجن پدوں میں ایک نمایاں مرکز کے طور پر پھلی پھولی۔ بعد میں،

کوٹیلنگا میں ستواہنوں کی حکومت شروع ہوئی، جس کے بعد اکشواکو، وشنوکندن، واکاٹک، اور ویملا واڈا چالوکیہ نے تلنگانہ علاقے میں حکومت کی۔ گیارہویں سے چودھویں صدی کے دوران، کاکتیہ نے اوروگالو علاقے پر حکومت کی۔ کاکتیہ دور کے بعد، ویلاما رہنماؤں نے دیوراکونڈا اور راچاکونڈا مراکز کی نگرانی کی۔ ان سلطنتوں کے بعد قطب شاہی اور آصف جاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد، تلنگانہ کو 1956 میں آندھرا-رائلسیما کے ساتھ آندھرا پردیش بنانے کے لیے قائم کیا گیا۔ وقت کے ساتھ، تلنگانہ 2014 میں ایک علیحدہ ریاست کے طور پر ابھری، جو سماجی، اقتصادی، سیاسی، اور ثقافتی عدم مساوات کے خلاف کئی جدوجہدوں کا نتیجہ تھی۔

تلنگانہ تقریباً 17.36° شمالی عرض بلد اور 78.47° مشرقی طول بلد پر واقع ہے، اور قدیم دکن کے سطح مرتفع پر واقع ہے، جو 70 ملین سال سے زیادہ پرانا ہے۔ یہ علاقہ انتہائی کٹے ہوئے، چپٹے پہاڑی پتھروں پر مشتمل ہے اور گنیسک چٹانوں کی ایک طویل پٹی سے جانا جاتا ہے۔ ریاست کی ارضیاتی تنوع میں گرینائٹ، میٹامورفک چٹانیں، اور تلچھٹ کی تشکیل شامل ہیں، جو معدنیات سے مالا مال ہیں۔ تلنگانہ کا موسم نیم خشک ہے، اور سال بھر گرم اور خشک حالات غالب رہتے ہیں۔ ریاست کو دو اہم دائمی دریاؤں، گوداوری اور کرشنا، اور ان کی معاون ندیوں سے سیراب کیا جاتا ہے۔ تلنگانہ کی مٹی بنیادی طور پر سرخ، کالی، اور لیٹرائٹک ہے۔ یہ ایک زمین بند ریاست ہے، جو جنوب مشرق میں آندھرا پردیش، شمال میں چھتیس گڑھ اور اوڈیشہ، شمال مغرب میں مہاراشٹر، اور مغرب میں کرناٹک کے ساتھ سرحدیں رکھتی ہے۔

29.5 آپریشن پولو/ پولیس ایکشن:

آپریشن پولو، جسے پولیس ایکشن بھی کہا جاتا ہے، ہندوستانی حکومت کی ایک اہم فوجی مداخلت تھی، جس کا مقصد نظام کی حکومت کے تحت زمینداروں اور رضاکاروں کے ظلم سے عوام کو آزاد کرانا تھا۔ یہ آپریشن 13-17 ستمبر 1948 کے دوران کیا گیا، جس کے نتیجے میں 17 ستمبر 1948 کو حیدرآباد کے علاقے کو ہندوستانی یونین میں شامل کر لیا گیا، جب نظام نے ہندوستانی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت جواہر لال نہرو وزیر اعظم، سردار ولبھ بھائی پٹیل مرکزی وزیر داخلہ، اور بلدیو سنگھ وزیر دفاع تھے۔

25 جنوری 1950 کو، نظام اور وزیر اعظم نہرو کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت نظام کو راج پرمکھ (موجودہ گورنر کے برابر) مقرر کیا گیا اور انہیں معاوضہ دیا گیا۔ نظام نے یکم نومبر 1956 تک راج پرمکھ کا عہدہ سنبھالا، اور 24 فروری 1967 کو وفات پا گئے۔

جے این چودھری کی فوجی گورنری:

پولیس ایکشن کے بعد، میجر جنرل جے این چودھری کو حیدرآباد ریاست کا فوجی گورنر مقرر کیا گیا، اور وہ 31 دسمبر 1949 تک خدمات انجام دیتے رہے۔ ریاست کے انتظام میں مدد کے لیے ایک ایگزیکٹو کونسل قائم کی گئی۔ 26 جنوری 1950 کو نظام کی راج پرمکھ کے طور پر تقرری سے پہلے، فوجی حکومت "ہز ایکسیلٹڈ ہائنس نظام میر عثمان علی خان" کے تحت کام

کرتی تھی۔

فروری 1946 میں، جے این چودھری نے ایک فرمان جاری کیا، جس کے تحت نظام کی کرنسی، ہالی سکہ، صرف خاص، جاگیرداری نظام، اور فصلی کیلنڈر کو ختم کر دیا گیا۔ مزید برآں، سرکاری تعطیل کو جمعہ سے اتوار میں منتقل کر دیا گیا، اور اردو کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان کے طور پر اپنایا گیا۔ فوجی حکومت کے دوران، کمیونسٹوں اور مسلمانوں کے خلاف تشدد کے واقعات پیش آئے، جس کے نتیجے میں ہندوستانی حکومت نے ان واقعات کی تحقیقات کے لیے پنڈت سندرلال کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی۔

پنڈت سندرلال کمیٹی (1949):

پنڈت سندرلال کمیٹی نے نومبر 1949 میں حیدرآباد ریاست میں مکمل تحقیقات کیں، اور مختلف پس منظر کے افراد سے ملاقات کی۔ کمیٹی کی رپورٹ، جو 21 دسمبر 1949 کو پیش کی گئی، میں انکشاف کیا گیا کہ پولیس ایکشن کے دوران اور بعد میں تقریباً 27,000 سے 40,000 افراد ہلاک ہوئے۔ بعدازاں، کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر، جے این چودھری کو ہٹا کر ایک سول حکومت قائم کی گئی، جس کی سربراہی ایم کے ویلوڈی نے کی۔

ویلوڈی انتظامیہ:

حیدرآباد میں پہلی سول حکومت 26 جنوری 1950 کو قائم کی گئی، جس میں سینئر آئی سی ایس افسر ایم کے ویلوڈی کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ 1948 کے پولیس ایکشن کے بعد اور 1952 میں جمہوری حکومت کے قیام تک، انتظامیہ فوجی طور پر جے این چودھری کے تحت تھی، جبکہ ویلوڈی عوامی انتظامیہ کی نگرانی کرتے تھے۔ تلگو زبان میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے، دونوں افسران نے بمبئی اور مدراس کے صوبوں سے انگریزی بولنے والے افراد کو بھرتی کیا۔ اس کے نتیجے میں مدراس سے آندھرا کے لوگ تلنگانہ میں آ گئے۔ حیدرآباد میں ملکی قوانین کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، کچھ افراد نے ملازمت حاصل کرنے کے لیے جعلی سرٹیفکیٹ بنائے۔

پہلی وشال آندھرا مہاسبھا وارنگل میں:

نومبر 1949 میں، آیا دیورا کلیشورا راؤ نے وجے واڑہ میں وشال آندھرا مہاسبھا قائم کی۔ وشال آندھرا مہاسبھا کا پہلا اجلاس 1950 میں وارنگل میں ہیا گریوا چاری کی قیادت میں ہوا، جس میں حیدرآباد کو دارالحکومت کے طور پر وشال آندھرا ریاست کے قیام کی وکالت کی گئی۔

29.6 پہلی عام انتخابات:

فروری 1952 میں ہونے والے ملک گیر عام انتخابات میں حیدرآباد ریاست کے انتخابات بھی شامل تھے۔ برگولا رام کرشنا راؤ نے منتخب حکومت تشکیل دی، جبکہ عثمان علی خان راج پرمکھ کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ حکومت میں سی ایم تریویدی گورنر، کاسیناتھ راؤ ویدیا اسپیکر، پاپینا گوڑا ڈپٹی اسپیکر، پروٹیم اسپیکر ایم نرسنگا راؤ، اور وی ڈی دیش پانڈے اپوزیشن

لیڈر کے طور پر شامل تھے۔

1952 کی ملکی تحریک:

1952 میں، ورنگل ضلع میں ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز پارتھا سارتھی کی جانب سے تقریباً 180 اساتذہ کے تبادلے کی خبریں سامنے آئیں، جنہیں غیر ملکیوں سے تبدیل کیا گیا۔ مقامی رہنماؤں ہیا گریوا چاری اور رشید الحسن نے پارتھا سارتھی کے اقدامات پر تشویش کا اظہار کیا، جس کے نتیجے میں ڈپٹی ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن ڈی شندار کر نے تحقیقات کیں۔ یہ تحریک 26 جون 1952 کو ورنگل میں شروع ہوئی، اور اگست تک کھمم اور نلگنڈہ اضلاع کے ذریعے حیدرآباد تک پھیل گئی۔ تحریک کے دوران نعرے جیسے "اڈلی سامبر واپس جاؤ"، "غیر ملکی واپس جاؤ"، اور "گونگورا پچڑی واپس جاؤ" لگائے گئے۔ ورنگل میں تلنگانہ ایکشن کمیٹی (ٹی اے سی) تشکیل دی گئی، جس نے غیر ملکی تقریروں کے خلاف 4000 طلباء کی ریلی کا انعقاد کیا۔ جی رامچاری نے عوامی طور پر تحریک کی حمایت کی اور اگست 1952 میں "حیدرآباد ہترا کشنا سمیتی" قائم کی۔

سٹی کالج واقعہ:

3 ستمبر 1952 کو، سٹی کالج میں طلباء کے احتجاج نے تشدد کی شکل اختیار کر لی، جو شہر کے دیگر حصوں تک پھیل گیا۔ اس صورتحال کے نتیجے میں چھ افراد ہلاک ہوئے، جب ہائی کورٹ کے جج عبدالبشیر خان نے پولیس فائرنگ کی اجازت دی۔ تھوٹا آنندراؤ نے سٹی کالج میں احتجاج کی قیادت کی۔

جسٹس جگن موہن ریڈی کمیٹی:

سٹی کالج اور عثمانیہ اسپتال میں ہونے والے واقعات کے جواب میں، ہوم ڈیپارٹمنٹ نے جسٹس جگن موہن ریڈی کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ فائرنگ کی تحقیقات کی جا سکے۔ کمیٹی نے تقریباً سو گواہوں، بشمول وزیر اعلیٰ برگولا رام کرشنا راؤ، کے بیانات قلمبند کیے۔ کمیٹی کی رپورٹ نے تجویز دی کہ اگر حکومت عوام کی شکایات کا جلد جواب دیتی، تو تشدد کو روکا جا سکتا تھا۔ یہ خیال کیا گیا کہ کارکنوں کے پرامن احتجاج حکومت کی مداخلت کا سبب نہ بنتے۔

کابینہ سب کمیٹی:

کابینہ کی ایک سب کمیٹی، جس میں کے وی رنگا ریڈی، نواب جنگ بہادر، اور ڈاکٹر ملکوٹے پلچند گاندھی شامل تھے، ملکی قوانین کا جائزہ لینے کے لیے تشکیل دی گئی۔ انہوں نے طلباء اور دیگر اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت کے بعد ترامیم اور حکمت عملیوں کی تجویز دی۔ حکومت کو جسٹس پنگالی جگن موہن ریڈی کی سربراہی میں کمیٹی کی رپورٹ موصول ہوئی، جس نے سٹی کالج اور عثمانیہ اسپتال میں پولیس فائرنگ کی تحقیقات کی۔

29.6 ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن (ایس آر سی-1953):

آزادی کے بعد، نہرو حکومت نے ملک بھر میں لسانی ریاستوں کے مطالبات کا جائزہ لینے کے لیے ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن (ایس آر سی) قائم کیا۔ ایس آر سی، جس کی قیادت فضل علی کر رہے تھے اور ارکان ایچ این کنزرو اور کے ایم پنی کر شامل تھے، نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس وقت وشال آندھرا کی تشکیل مناسب نہیں تھی۔ یکجہتی کا مسئلہ حیدرآباد ریاستی اسمبلی کے ذریعے طے کیا جانا تھا، جو 1961 کے انتخابات کے بعد تشکیل دی جانی تھی۔ اگر اسمبلی کے دو تہائی ارکان نے یکجہتی کی حمایت کی، تو یہ عمل آگے بڑھے گا۔

امبیڈکر کے لسانی بنیادوں پر ریاستوں کے بارے میں خیالات:

اپنی 1955 کی کتاب "تھوٹس آن لنگوسٹک اسٹیٹس" میں، امبیڈکر نے لسانی اصولوں پر مبنی ریاستوں کے تصور پر تبادلہ خیال کیا۔ اگرچہ امبیڈکر کا ماننا تھا کہ لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیل مثالی نہیں ہے، لیکن انہوں نے اس کی ناگزیریت کو تسلیم کیا۔

حیدرآباد پردیش کانگریس کی قرارداد:

تلنگانہ سے تعلق رکھنے والے حیدرآباد پردیش کانگریس کے ارکان، بشمول برگولا رام کرشنا راؤ، ماری چنا ریڈی، جے وی نرسنگا راؤ، اور کے وی رنگا ریڈی، حیدرآباد میں جمع ہوئے اور "علیحدہ تلنگانہ ریاست" کے قیام کی متفقہ طور پر حمایت کی۔

دوسری وشال آندھرا مہاسبھا، حیدرآباد-1954:

1954 میں حیدرآباد میں دوسری وشال آندھرا مہاسبھا کی حمایت سری رنگم سرینواسا راؤ (سری سری)، بڈم ایلا ریڈی، سوامی رامانند اتیرتھ، اور کالوجی نارائنا راؤ جیسے شخصیات نے کی۔

29.8 شریفانہ معاہدہ 1956:

1956 میں، آندھرا اور تلنگانہ کے انضمام کا عمل شروع ہوا، جس میں آندھرا کے رہنماؤں اور کمیونسٹوں نے اپنی کوششیں شروع کیں۔ اسی وقت، تلنگانہ کے عوام علیحدہ ریاست کے لیے وکالت کر رہے تھے۔ ان متضاد مطالبات کے جواب میں، مرکزی حکومت نے 20 فروری 1956 کو دہلی کے حیدرآباد ہاؤس میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں تلنگانہ اور آندھرا سے دو دو کانگریس رہنماؤں نے شرکت کی، جس کے نتیجے میں ایک معاہدہ ہوا جسے جینٹل مین ایگریمنٹ یا شریفانہ معاہدہ کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ، جو 14 نکات پر مشتمل تھا، مختلف مسائل جیسے زائد فنڈز، شراب بندی، تعلیمی سہولیات، زائد ملازمین، ملازمت کے مواقع، اردو زبان کی حیثیت، ملکی قوانین، ٹی آر سی کے تحت زمین کی خرید و فروخت، تلنگانہ ریجنل کونسل

(ٹی آر سی)، ٹی آر سی کی ساخت اور تشکیل، ٹی آر سی کی نوعیت اور شرائط، کونسل آف منسٹرز کی تقسیم (آندھرا اور تلنگانہ کے درمیان 40:60 کے تناسب سے، ایک تلنگانہ مسلم کے ساتھ)، وزیر اعلیٰ اور نائب وزیر اعلیٰ کے عہدوں کی آندھرا اور تلنگانہ کے درمیان تقسیم، اور حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس جیسے مسائل کو حل کرتا تھا۔ جینٹل مین ایگریمنٹ کی بار بار خلاف ورزیوں نے تلنگانہ تحریک کو جنم دیا۔

29.9 آندھرا پردیش ریاست کی تشکیل:

آندھرا پردیش ریاست کی تشکیل حیدرآباد ریاست کی علیحدگی کے ساتھ ہوئی، جس کے نتیجے میں تلنگانہ علاقے کو آندھرا کے ساتھ ضم کر کے آندھرا پردیش بنایا گیا۔ اہم عہدیداروں میں گورنر چندولال مادھولال تریویدی، وزیر اعلیٰ نیلم سنجیوا ریڈی، اسپیکر آیا دیورا کلیشورا راؤ، کونسل کے چیئرمین مادا پتی ہنومنتھا راؤ، ڈپٹی اسپیکر کلوری سبا راؤ، اور اپوزیشن لیڈر پچالا پلی سندرایا شامل تھے۔ 1957 میں، پارلیمنٹ نے پبلک ایمپلائمنٹ (ریزیڈنس کی ضرورت) ایکٹ منظور کیا، تاکہ آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد تلنگانہ میں ملکی قوانین کے نفاذ کو قانونی حیثیت دی جا سکے۔ بعد ازاں، 1959 کے اے پی پبلک ایمپلائمنٹ رولز جاری کیے گئے، اور ایک ایڈہاک کمیٹی، جس کی سربراہی ہیا گریوا چاری کر رہے تھے، کو سروس رولز اور ملازمت کے مسائل کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا گیا۔

شریفانہ معاہدہ کے حصے کے طور پر قائم کی گئی تلنگانہ ریجنل کمیٹی (ٹی آر سی) نے 31 مارچ 1958 کو اپنے صدارتی انتخابات منعقد کیے، جس کے نتیجے میں کے اچیوتا ریڈی نے روی نارائنا ریڈی کو شکست دے کر ٹی آر سی کے صدر منتخب ہوئے۔ ٹی آر سی نے 1956 سے 1959 کے درمیان تلنگانہ میں فنڈز کی تقسیم میں تضادات کو اجاگر کیا، اور 1961 سے 1963 کے دوران زائد فنڈز کو مختلف اقدامات کے لیے استعمال کیا گیا۔

29.10 تحفظات کی خلاف ورزیاں (1956-69):

1956 سے 1969 کے دوران، مختلف خلاف ورزیاں ہوئیں، جن میں تلنگانہ ریجنل کونسل، تلنگانہ کے وزیر اعلیٰ یا نائب وزیر اعلیٰ کے عہدے، حیدرآباد پردیش کانگریس کمیٹی، ریاست کے نام "آندھرا-تلنگانہ" کا غلط استعمال، زرعی زمینیں، ملازمت، بجلی کا شعبہ، اور آبپاشی کے منصوبے شامل تھے۔ آندھرا اور رائلسیما سے تلنگانہ، خاص طور پر رنگا ریڈی اور حیدرآباد اضلاع میں، ہجرت نے مقامی ملازمت کے مواقع کو کم کر دیا، اور مقامی ثقافت پر اثر ڈالا۔

تلنگانہ پرانتیہ سمیتی (ٹی پی ایس):

تلنگانہ پرانتیہ سمیتی (ٹی پی ایس) یلندو، کھمم ضلع میں تلنگانہ علاقے میں ناانصافیوں کے خلاف لڑنے کے مقصد سے قائم کی گئی۔ ٹی پی ایس کو کولی شیٹی رام داسو نے قائم کیا اور سیکریٹری مٹیم وینکنا نے قیادت کی۔ 30 اپریل 1968 کو، تلنگانہ نان

گزٹیڈ آفیسرز یونین (ٹی این جی او) کے کے آر ایموس کی کوششوں کے نتیجے میں، حکومت نے غیر ملکیوں کو ملکیوں کے لیے مخصوص عہدوں سے ہٹانے کے لیے حکومتی احکامات (جی اوز) جاری کیے۔ تاہم، کئی محکموں نے ان جی اوز پر عمل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں، کے آر ایموس نے 10 جولائی 1968 کو تلنگانہ ہامیلا دنم (تلنگانہ یقین دہانی دن) کے طور پر منانے کا اعلان کیا، تاکہ تلنگانہ کے حقوق اور یقین دہانیوں کا تحفظ کیا جا سکے۔ بعد ازاں، غیر ملکی ملازمین کو کے ٹی پی ایس سے ہٹا دیا گیا، جس کے نتیجے میں آندھرا کے مہاجرین نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ ملکی قوانین کارپوریشنز پر لاگو نہیں ہوتے۔ اس فیصلے نے کھمم کے ایک بی اے طالب علم رویندر ناتھ کو 8 جنوری 1969 کو غیر معینہ مدت کی بھوک ہڑتال شروع کرنے پر مجبور کیا۔ ورنگل، ہنمکنڈہ، نظام آباد، پالونچا، اور کھمم سمیت مختلف علاقوں میں ہڑتالوں نے رویندر ناتھ کے مقصد کی حمایت کی۔

16 جنوری 1969 کو، طلباء کی قیادت میں غیر معینہ ہڑتال کے ساتھ علیحدہ تلنگانہ کے لیے تحریک شدت اختیار کر گئی، جسے کمیونسٹ، جن سنگھ، اور سوشلسٹ گروپوں نے تمام تلنگانہ اضلاع میں حمایت دی۔ وزیر اعلیٰ کی رہائش گاہ پر دوسری کل جماعتی میٹنگ کے دوران، غیر ملکیوں کو فوری طور پر منتقل کرنے، آڈیٹر جنرل آف انڈیا کے ایک خصوصی افسر کے ذریعے تلنگانہ کے زائد فنڈز کا تخمینہ لگانے، حکومتی کارپوریشنز کو اے پی پبلک ایمپلائمنٹ ایکٹ کے تحت لانے، اور تلنگانہ کے منصوبوں کے لیے تلنگانہ کے فنڈز مختص کرنے کے فیصلے کیے گئے۔ ان پیش رفتوں کے باوجود، ایک کل جماعتی میٹنگ نے تلنگانہ ریاست کے مطالبے کی مذمت کی۔ عثمانیہ اسٹوڈنٹس یونین کی ایکشن کمیٹی نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کے لیے وکالت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ خاص طور پر، 23 جنوری 1969 کو آندھرا پردیش حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کمار للت کمیٹی نے مارچ 1969 تک تلنگانہ کے زائد فنڈز کو 34.09 کروڑ روپے قرار دیا۔

مارچ 1969 میں مختلف واقعات پیش آئے، جن میں ٹی این جی او کے صدر اے آر ایموس کی طرف سے بند کی حمایت، اور عثمانیہ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹ یونین کے صدر آر وینکٹ رام ریڈی کی طرف سے اسٹوڈنٹس جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے ملیکر جن کی مخالفت شامل تھی۔ تلنگانہ پیپلز کنونشن نے 17 مارچ کو جمہوریت تحفظ دن کے طور پر منایا، اور سکندرآباد کے مختلف حصوں میں اجلاس منعقد کیے گئے۔ لوک سبھا نے ملکی ضابطے کی پانچ سالہ توسیع کی منظوری دی، اور آندھرا کے ایم پی این جی رنگا نے علیحدہ تلنگانہ کی حمایت کا اظہار کیا۔ ان پیش رفتوں کے درمیان، وزیر اعلیٰ نے تلنگانہ کے وعدوں کے تحفظ کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم کی، اور تلنگانہ سے ایک چیف سیکریٹری مقرر کیا جانا تھا۔ کے وی رنگا ریڈی نے آندھرا پردیش کی تقسیم کی ناگزیریت پر زور دیا۔

29.11 تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس)

مارچ 1969 میں، تلنگانہ پیپلز کنونشن کو تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس) میں تبدیل کر دیا گیا، جس کے ابتدائی صدر مدن

موہن تھے۔ بعدازاں، ماری چنا ریڈی نے تلنگانہ پرجا سمیتی کی قیادت سنبھالی۔ 26 نومبر 1969 کو، چنا ریڈی نے طلباء کے امتحانات اور دیہاتوں میں زرعی سرگرمیوں کی وجہ سے تحریک کو عارضی طور پر روکنے کا اعلان کیا، جس کے نتیجے میں 1969 کی تلنگانہ تحریک مؤثر طریقے سے ختم ہوگئی۔ تاہم، 6 دسمبر 1969 کو، تلنگانہ پرجا سمیتی کی رہنما ٹی این سدالکشمی نے چنا ریڈی کو صدر کے عہدے سے ہٹانے کا اعلان کیا، حالانکہ اس فیصلے کو تنظیم کے دیگر رہنماؤں کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ 1971 میں، چنا ریڈی نے تلنگانہ پرجا سمیتی کو تحلیل کر کے کانگریس پارٹی میں ضم کر دیا۔ یہ پارٹی بعد میں 1983 میں دوبارہ قائم کی گئی، جس کے صدر وندے ماترم رام چندر راؤ اور جنرل سیکریٹری پرتاپ کشور تھے۔

28 مارچ 1969 کو، سپریم کورٹ نے ملکی قوانین کو غیر آئینی قرار دیا، جس کے نتیجے میں 1969 کے حکومتی حکم نمبر 36 کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس قانونی پیش رفت نے تلنگانہ تحریک کو جنم دیا، جس کے نتیجے میں مرکزی حکومت نے آٹھ نکاتی فارمولا متعارف کرایا۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے 11 اپریل 1969 کو لوک سبھا میں یہ فارمولا پیش کیا:

1. زائد فنڈز کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک کمیٹی کا قیام۔
2. غلط استعمال شدہ زائد فنڈز کی وصولی۔
3. وزیر اعلیٰ کے تحت تلنگانہ ریجنل پلاننگ کمیٹی کی تشکیل۔
4. پلاننگ کمیشن کے تحت تلنگانہ ڈویلپمنٹ اور پلاننگ کمیٹی کی تشکیل۔
5. تلنگانہ ریجنل کمیٹی کے اختیارات میں اضافہ۔
6. مقامی ملازمتوں کے تحفظات اور آئینی ترامیم کا نفاذ۔
7. ملازمین کے معاملات کو حل کرنے کے لیے یو پی ایس سی کمیٹی کا قیام۔
8. وزیر اعظم کی قیادت میں ہر چھ ماہ بعد باقاعدہ جائزہ اجلاس۔

ٹی پی ایس کی صدر ٹی ایس سدالکشمی نے آٹھ نکاتی فارمولا کو مسترد کرتے ہوئے سیاسی حل کی وکالت کی۔ ٹی ایس پی نے 15 اپریل کو تلنگانہ پوراٹا دنو تسووم منانے کا اعلان کیا۔ بعدازاں، آندھرا پردیش ریاستی کابینہ نے آٹھ نکاتی فارمولا کے مطابق تلنگانہ ڈویلپمنٹ کمیٹی اور پلان امپلیمنٹیشن کمیٹی تشکیل دی۔ مزید برآں، وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ملکی قوانین کے نفاذ کی نگرانی کے لیے سابق چیف جسٹس کیدار ناتھ وانچو کی سربراہی میں وانچو کمیٹی مقرر کی۔ ایک اور کمیٹی، جس کی قیادت وستا بھارگوا کر رہے تھے، زائد فنڈز کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے مقرر کی گئی۔

سوالات: مختصر اور طویل

مضمون سوالات:

1. تلنگانہ کی تاریخی اور جغرافیائی خصوصیات کا پتہ لگائیں۔
2. 1952 کی ملکی تحریک کے بارے میں لکھیں۔
3. 1969 کی تلنگانہ تحریک، جو ٹی پی ایس (تلنگانہ پرجا سمیتی) کی قیادت میں ہوئی، کو بیان کریں۔

مختصر سوالات:

1. آپریشن پولو/ پولیس ایکشن۔
2. سٹی کالج واقعہ۔
3. جینٹل مین ایگریمنٹ۔
4. ایس آر سی (ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن–1953)۔

باب 30

متحرک مرحلہ
(1990-1971)

30.1 تعارف:

متحرک مرحلے (1971-1990) کے دوران، تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس) نے 5 مارچ 1971 کو 5ویں عام انتخابات میں حصہ لیا، جس میں کانگریس (آئی) نے 518 لوک سبھا نشستوں میں سے 352 پر کامیابی حاصل کی۔ ٹی پی ایس نے 14 لوک سبھا نشستوں میں سے 10 پر کامیابی حاصل کی، سوائے کھمم، میرالگوڈا، نظام آباد، اور عادل آباد کے۔ ٹی پی ایس کے 10 میں سے 8 ایم پی نے اندرا کانگریس کی حمایت کی۔ 18 ستمبر 1969 کو، ٹی پی ایس نے ماری چنا ریڈی کی تلنگانہ کے تحفظ کی شرائط کے بعد کانگریس کے ساتھ انضمام کیا، جس کے نتیجے میں مرکز کی طرف سے پانچ نکاتی اسکیم کی تجویز پیش کی گئی۔

30.2 مقاصد:

- متحرک مرحلے کو سمجھنا۔
- پانچ اور چھ نکاتی فارمولے۔
- تلنگانہ جنا سبھا۔
- تعلیمی ترقیات۔

30.3 اکتسابی نتائج:

- آئین ترمیمی ایکٹ کی اہمیت۔
- تلنگانہ تحریک میں کانگریس کا کردار۔
- متحرک مرحلے نے تحریک کے آخری مرحلے کو مزید حمایت فراہم کی۔
- تعلیم اور تلنگانہ تحریک۔

30.4 پانچ نکاتی فارمولا:

وزیر اعظم اندرا گاندھی نے 27 نومبر 1972 کو پانچ نکاتی فارمولا کا اعلان کیا، جس میں غیر گزٹیڈ عہدوں پر ملکی

تحفظات، ملکی تحفظات کی مدت کی وضاحت، ملازمتوں میں ترقی کے رہنما اصول، ملازمتوں میں ترقی کے طریقہ کار، اور تعلیمی سہولیات کے قیام کے لیے دفعات شامل تھیں۔

30.5 جے آندھرا تحریک:

جے آندھرا تحریک 1972 کی ایک سیاسی تحریک ہے، جو ساحلی آندھرا اور رائلسیما علاقوں کے لوگوں کی محسوس کی گئی ناانصافیوں کے پیش نظر آندھرا ریاست کے قیام کی حمایت میں تھی۔ یہ اس وقت ہوا جب آندھرا پردیش ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف انڈیا نے اس وقت موجود ملکی قوانین کو برقرار رکھا۔ اس نے ریاست کے دارالحکومت میں اپنی ریاست کے لوگوں کو ملازمتیں حاصل کرنے سے محروم کر دیا۔ احتجاج اور پولیس فائرنگ کے نتیجے میں آٹھ افراد ہلاک ہوئے۔ آندھرا پردیش کے نمایاں رہنما: ٹینیٹی وشوانادھم، راجا ساگی سوریہ نارائنا راجو، گوٹھو لچنا، چپودی یگنا نارائنا، این سرینیواسولو ریڈی، بی وی سبا ریڈی، کاکانی وینکٹ راتنم، واسنتھانا گیشورا راؤ، ایم وینکیا نائیڈو، نسانکارا راؤ وینکٹ راتنم، چودھری ستیہ نارائنا، نمایاں طالب علم رہنما جیسے کے سری دھر راؤ، اور آندھرا یونیورسٹی کے ہری بابو، آندھرا میڈیکل کالج کے ایم ایس راجو، اور دیگر نے تحریک میں حصہ لیا۔ یہ 1969 کی تلنگانہ تحریک کا تسلسل تھا۔ تحریک کے لیے 400 سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کیں۔ ایک اہم رائے یہ تھی کہ "ترقی صرف حیدرآباد کے اردگرد دیکھی جاتی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ساحلی اضلاع بھی تیزی سے ترقی کریں۔"

1972 میں، گوٹھو لچنا جے آندھرا تحریک میں ایک نمایاں رہنما کے طور پر ابھرے، جو آندھرا یونیورسٹی کے طلباء کی طرف سے شروع کی گئی تھی۔ تحریک نے آندھرا پردیش کو دو الگ الگ ریاستوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی — ایک آندھرا علاقے کے لیے اور ایک تلنگانہ کے لیے — جو بنیادی طور پر ملکی قوانین سے متعلق شکایات کی وجہ سے چلائی گئی۔ ان قوانین نے دیگر علاقوں کے رہائشیوں کے لیے ریاستی دارالحکومت میں ملازمت کے مواقع کو محدود کر دیا، جس سے وسیع پیمانے پر عدم اطمینان پیدا ہوا۔ احتجاج کے دوران، لچنا کو مشیر بادسینٹرل جیل میں قید کیا گیا اور 1973 میں رہا کیا گیا۔ بدامنی کے دوران، پی وی نرسمہا راؤ حکومت میں آندھرا علاقے کے تمام وزراء نے استعفیٰ دے دیا، اور وجے واڑہ کو دارالحکومت بنا کر ایک متوازی حکومت قائم کی۔ بی وی سبا ریڈی کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا، اور کاکانی وینکٹ راتنم نے نائب وزیر اعلیٰ کے طور پر خدمات انجام دیں۔ یہ متوازی حکومت کئی مہینوں تک کام کرتی رہی، یہاں تک کہ پی وی نرسمہا راؤ حکومت کو صدر کے حکم سے تبدیل کر دیا گیا۔ تحریک اس وقت کمزور پڑنے لگی جب وزیر اعظم اندرا گاندھی نے چھ نکاتی فارمولا متعارف کرایا، جس کا مقصد تمام فریقین کے خدشات کو حل کرنا اور بحران کو سب کے اطمینان کے لیے حل کرنا تھا۔

30.6 چھ نکاتی فارمولا:

چھ نکاتی فارمولا، جو سپریم کورٹ کے 3 اکتوبر 1972 کو تلنگانہ کے ملکی قوانین کو برقرار رکھنے کے جواب میں پیش کیا گیا،

مختلف مسائل کو حل کرنے کے لیے بنایا گیا تھا، لیکن اسے آندھرا کے حق میں اور تلنگانہ کے خلاف ہونے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ فارمولا میں پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے ریاستی سطح پر منصوبہ بندی بورڈ کے قیام، ایک مرکزی یونیورسٹی کے قیام، تعلیمی سہولیات کی توسیع، مقامی افراد کو ملازمت کے مواقع میں ترجیح دینے، بھرتی اور ترقی کے تنازعات کے لیے ایک انتظامی ٹریبونل کے قیام، اور صدر کو فارمولا کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے آئینی ترمیم کی تجویز شامل تھی۔

چھ نکاتی فارمولا کو نافذ کرنے اور ادارہ جاتی بنانے کے لیے، 1973 میں 32 ویں آئینی ترمیمی ایکٹ منظور کیا گیا۔ اس ترمیم کا مقصد آندھرا پردیش کے مختلف علاقوں کے افراد کو سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں مساوی مواقع اور سہولیات فراہم کرنا تھا۔

30.7 صدارتی حکم:

مزید برآں، آرٹیکل 371 (ڈی) کے تحت دیے گئے اختیارات کے تحت، بھارت کے صدر نے 18 اکتوبر 1975 کو ایک صدارتی حکم جاری کیا۔ اس حکم نے آندھرا پردیش ریاست کو چھ زونز میں تقسیم کیا، جس کے نتیجے میں تلنگانہ میں غیر مقامی ملازمین کی بڑی تعداد کو ملازمت دی گئی، جو صدر کے حکم میں دی گئی چھوٹ کی وجہ سے ممکن ہوا۔

جنوری 1983 میں، این ٹی راماراؤ نے وزیر اعلیٰ کے طور پر عہدہ سنبھالا۔ اسی سال، ان کی حکومت نے پٹیل اور پٹواری اداروں کو ختم کر دیا۔ مزید برآں، این ٹی آر نے چھ نکاتی فارمولا پروگرام کے تحت قائم کی گئی تلنگانہ ریجنل بورڈ کو تحلیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1983 کے بعد سے، این ٹی آر انتظامیہ نے چاول سبسڈی پروگرام کے اخراجات کو "ورونی واہنی" کے نام سے مشہور شراب پالیسی سے حاصل ہونے والی آمدنی سے پورا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ مزید برآں، این ٹی آر نے ہندری نیوا اور گالیرو نا گاری (تلگو گنگا پروجیکٹ) کے ذریعے مدراس کو کرشنا پانی منتقل کرنے کا آغاز کیا، اور پانی کو رائلسیما علاقے کی طرف موڑ دیا۔ انہوں نے نارنجنا ساگر ذخائر سے پانی کو رائلسیما علاقے میں منتقل کرنے کے لیے لفٹ آبپاشی بھی نافذ کی۔ مزید برآں، این ٹی آر نے وجے واڑہ میں ایک میڈیکل یونیورسٹی قائم کی، اور ریاست کے تمام میڈیکل کالجوں کو اس کے تحت یکجا کیا، جس میں حیدرآباد کے میڈیکل اسکولز، عثمانیہ میڈیکل کالج، اور عثمانیہ یونیورسٹی جیسے اداروں کو نظر انداز کیا گیا۔ نتیجتاً، این ٹی آر کے دور میں، آندھرا کے افراد، بشمول کاروباری افراد، سرمایہ کار، اور سیاسی رہنما، تلنگانہ میں رئیل اسٹیٹ کے شعبے میں مشغول ہونے پر توجہ مرکوز کرنے لگے۔

30.8 جے بھارت ریڈی کمیٹی:

جے بھارت ریڈی کمیٹی، جس کی قیادت جے بھارت ریڈی آئی اے ایس کر رہے تھے، اور ارکان اومپتی اور کمل ناتھ شامل تھے، چھ نکاتی فارمولا اور صدارتی حکم سے متعلق بے ضابطگیوں کی تحقیقات کے لیے مقرر کی گئی تھی۔ کمیٹی کی تحقیقات سے

انکشاف ہوا کہ 18 اکتوبر 1975 سے 30 جون 1985 کے درمیان، تلنگانہ میں 56,962 غیر مقامی افراد کو غیر قانونی طور پر ملازمت دی گئی، جو صدارتی ہدایات کی خلاف ورزی تھی۔ بعد ازاں، سندرشن کمیٹی نے جے بھارت ریڈی کمیٹی کی رپورٹ کا دوبارہ جائزہ لیا اور اس کے نتائج سے اتفاق کیا۔ ان کمیٹیوں کی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے، این ٹی آر حکومت نے 30 دسمبر 1985 کو جی او 610 جاری کیا، جس کی نفاذ کی تاریخ 31 مارچ 1986 مقرر کی گئی۔

فروری 1985 میں، تلنگانہ جنا سبھا ستیا نارائنا کی قیادت میں قائم کی گئی۔ اسی دوران، علی نریندر نے پی اپیندر کے خلاف حمایت نگر کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ حوصلہ افزا تلنگانہ کارکنوں نے وائی ایم سی اے ہال میں تلنگانہ ڈیموکریٹک فورم کا افتتاح کیا، جس میں ستیا نارائنا کنوینر کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ مزید برآں، تلنگانہ کارکن اور صحافی پرتاپ کشور، اپنے ساتھیوں شیر خان اور شب الدین کے ساتھ، 6 جون 1987 کو حیدرآباد سے دہلی تک ایک پیدل سفر پر روانہ ہوئے، جس میں علیحدہ تلنگانہ ریاست کے لیے وکالت کی گئی۔ راجیو گاندھی اور دیگر مرکزی وزراء کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کے بعد، پرتاپ کشور اور دیگر تلنگانہ کارکنوں نے "تلنگانہ پرجا سمیتی" کو دوبارہ زندہ کیا، اور 1969 کی تنظیم کو دوبارہ بحال کیا۔ مزید برآں، تلنگانہ انفارمیشن ٹرسٹ، ٹی پرابھاکر کی قیادت میں، اور او یو فورم فار تلنگانہ قائم کیے گئے، تاکہ متحدہ ریاست میں تلنگانہ کے لوگوں کو درپیش ناانصافیوں کو حل کیا جا سکے۔ خاص طور پر، ان اقدامات نے اہم تاریخوں جیسے 17 ستمبر کو تلنگانہ آزادی دن اور 1 نومبر کو تلنگانہ ودروہ دن کے طور پر منایا، عثمانیہ یونیورسٹی میں آگاہی سیمینار منعقد کیے، اور تلنگانہ سیاسی نقشہ جاری کیا، تاکہ اس مقصد کے بارے میں آگاہی پیدا کی جا سکے۔

سوالات: مختصر اور طویل

مضمون سوالات:

1. پانچ نکاتی فارمولا اور چھ نکاتی فارمولا کے بارے میں لکھیں۔
2. جے آندھرا تحریک۔

مختصر سوالات:

1. جے بھارت ریڈی کمیٹی۔
2. صدارتی حکم۔
3. تلنگانہ جنا سبھا۔

باب 31

تلنگانہ ریاست کی تشکیل (1991-2014):

31.1 تعارف

1991 سے 2014 کے درمیان، تلنگانہ ریاست کے قیام کی تحریک نے زور پکڑا۔ 1970 سے 1990 کے عرصے سے شروع ہونے والی تلنگانہ تحریک مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی، جس کا مقصد تلنگانہ کی منفرد شناخت کا تحفظ تھا۔ یہ تحریک تلنگانہ علاقے میں سماجی، ثقافتی، سیاسی، اور اقتصادی شعبوں میں تجربہ کی گئی ناانصافیوں کے جواب میں پیدا ہوئی۔ اس تحریک میں تلنگانہ میں نکسلائٹ تحریک، علاقائی سیاسی جماعتوں کا عروج، تلگو قوم کے لیے وکالت، اور نئے اقتصادی فریم ورک کی ترقی جیسے عوامل شامل تھے۔ بالآخر، ان عوامل کے مجموعے نے تلنگانہ ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی۔

31.2 سبق کے مقاصد:

- تحریک کے آخری مرحلے کو سمجھنا اور اس پر علم حاصل کرنا۔
- عوامی بیداری کی تحریکیں۔
- ٹی آر ایس پارٹی کی تشکیل اور اس کا کردار۔
- تلنگانہ پر یو پی اے حکومت۔
- جے اے سی کا کردار۔
- ایس کے سی کا کردار۔
- پارلیمنٹ میں تلنگانہ کو ریاست کا اعلان۔

31.3 اکتسابی نتائج:

- اکثریت کی فعال شرکت نے تلنگانہ ریاست کے حصول میں اہم کردار ادا کیا۔
- عوامی بیداری کی اہمیت۔
- انصاف کے لیے عوامی تحریک کامیاب ہوئی۔
- تاریخی دن-2 جون 2014-تلنگانہ نے ریاست کا درجہ حاصل کیا۔

31.3 عوامی بیداری

کے منوہر ریڈی، عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم رہنما، نے تلنگانہ لبریشن اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (ٹی ایل ایس او-1992) قائم کی، تاکہ تلنگانہ میں غیر مقامی افراد کو مقامی ملازمتوں اور یونیورسٹی کی نشستوں کی تقسیم کی مخالفت کی جا سکے۔ مزید برآں، مچینی کشور راؤ، پورشوتم ریڈی، مدن موہن، مرلی دھر دیشپانڈے، سی ایچ لکشماہ، اور دیگر نے تلنگانہ مکتی مورچہ کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔

تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس) نے ورنگل میں تلنگانہ ودروہ سبھا کا انعقاد کیا، جس کے نتیجے میں تلنگانہ مہا سبھا اور تلنگانہ پرجا پارٹی کی تشکیل ہوئی۔ 27 اکتوبر 1996 کو نظام آباد میں ہونے والے اجلاس، جس میں کالوجی نارائنا راؤ، پروفیسر جے شنکر، کونڈا لکشمن باپوجی، بھوپتی کرشنا مورتی، گدر، اور رگھوویرا راؤ جیسے نمایاں شخصیات نے شرکت کی، نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ کیا۔

مختلف کنونشنز اور اجلاس، بشمول 1 نومبر 1996 کو ورنگل کے موگالیا ہال میں ہونے والے اجلاس، جس کی صدارت بھوپتی کرشنا مورتی نے کی، میں کالوجی، پروفیسر جادھو، اور پروفیسر جے شنکر نے علیحدہ ریاست کے لیے وکالت کی۔ 1997 میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر جے شنکر کی قیادت میں سینٹر فار تلنگانہ اسٹڈیز کے قیام کا مقصد، سائنسی مطالعات کرنا، تلنگانہ کو درپیش ناانصافیوں کو شائع کرنا، اور عوام میں آگاہی پیدا کرنا تھا۔

مزید برآں، 1997 میں فورم فار فریڈم آف ایکسپریشن میٹنگ جیسے فورمز نے، صحافی غلام رسول خان کے خلاف جعلی پولیس مقابلے جیسے ناانصافیوں کی مذمت کی۔ تلنگانہ پرگتی ویدیکا، جو 13 جولائی 1997 کو راپولو آنند بھاسکر کی قیادت میں قائم کی گئی، نے بٹکما تہوار کے دوران تلنگانہ کی ثقافت کو محفوظ رکھنے پر توجہ مرکوز کی۔ 11 اگست 1997 کو سوریہ پیٹ میں تلنگانہ مہا سبھا کے اجلاس، جس کی قیادت ماروجو ویرنا نے کی، نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کے مطالبے کو اجاگر کیا۔

تلنگانہ ایکیا ویدیکا، جو 16 اگست 1997 کو پروفیسر جے شنکر کی قیادت میں قائم کی گئی، نے علیحدہ تلنگانہ کی وکالت کرنے والے مختلف گروپوں کو یکجا کرنے کا مقصد بنایا۔ مزید برآں، تلنگانہ ساہتیہ ویدیکا، جو 1997 میں قائم کی گئی، نے اسکالرز، تحریک کے رہنماؤں جیسے ماروجو ویرنا، اور گلوکاروں جیسے بیلی للیتھا کو، ادب کو سماجی تحریک اور معاشرتی ترقی کے لیے استعمال کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا۔

28 دسمبر 1997 کو، ورنگل اعلامیہ نے ایک اہم لمحے کو نشان زد کیا، جب سماجی کارکنوں اور مختلف اسٹیک ہولڈرز نے تلنگانہ کے لوگوں کے مطالبات کی حمایت کے لیے اتحاد کیا۔ اس تعاون نے آل انڈیا پیپلز ریزسٹنس فورم (اے آئی پی آر ایف) کی تشکیل کی راہ ہموار کی۔ اسی دن ورنگل، تلنگانہ میں منعقدہ اجلاس میں، "ورنگل اعلامیہ" پیش کیا گیا، جس میں 60 مطالبات شامل تھے جو لوگوں کی امنگوں کی عکاسی کرتے تھے۔ یہ اعلامیہ کالوجی نارائنا راؤ نے پیش کیا۔

1999 میں گاڈے انیّا کی قیادت میں قائم کیا گیا تلنگانہ اسٹڈیز فورم، عوام میں تلنگانہ سے متعلق مسائل پر شعور اجاگر کرنے کے لیے پمفلٹس اور کتابیں تیار کرنے پر مرکوز تھا۔ جولائی 1998 میں، اکولا بھومیا اور گدر جیسی اہم شخصیات نے حیدرآباد کے رانا پرتاپ فنکشن ہال میں تلنگانہ جنا سبھا کی بنیاد رکھی۔ اس موقع پر، کالوجی نارائنا راؤ نے "جنا تلنگانہ ماہانہ میگزین" کا آغاز کیا، جو تلنگانہ جنا سبھا کے ساتھ وابستہ ثقافتی ونگ کے طور پر کام کرتا تھا، اور تلنگانہ کالا سمیتی کے ساتھ منسلک تھا۔

یکم نومبر 1998 کو، تلنگانہ سنسکرتیکا ویدیکا کا قیام بشیر باغ پریس کلب میں ہوا، جس میں سنکیر یڈی نارائنا ریڈی، امباتی سورندر راجو، نندنی سدھا ریڈی، کاسولا پرتاپ ریڈی، اور کے سرینیواس جیسے افراد نے شرکت کی۔ 1999 میں، تلنگانہ ڈویلپمنٹ فورم (ٹی ڈی ایف) کا آغاز تلنگانہ کے بیرون ملک مقیم ہندوستانیوں نے پروفیسر جے شنکر کی رہنمائی میں کیا۔

مزید برآں، 12 اگست 1999 کو، سینٹر فار دلت اسٹڈیز کا افتتاح کیا گیا، جس میں مالے پلی لکشمیہ، رامابراہمام، ایواتوری، مادا پتی چنا بسوایا، اور رکا لمبدری جیسی نمایاں شخصیات نے فعال طور پر حصہ لیا۔

31.5 ٹی آر ایس پارٹی کی تشکیل

کے چندر شیکھر راؤ (کے سی آر) نے ڈپٹی اسپیکر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر 27 اپریل 2001 کو تلنگانہ راشٹرا سمیتی (ٹی آر ایس) قائم کی، جس کا اعلان کونڈا لکشمن باپو جی کی رہائش گاہ جلا درشیم سے کیا گیا۔ کے سی آر نے تلنگانہ کے عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے، جیسے پلے بٹا، جلا سادھنا تحریک، تلنگانہ گرجنا، اور دہلی تک کا ریلی۔ انہوں نے ملک بھر میں چھوٹی ریاستوں کے رہنماؤں کے ساتھ اتحاد قائم کیا۔

اگست 2001 میں ہونے والے گاؤں پنچایت انتخابات میں، ٹی آر ایس نے متعدد سرپنچ نشستیں حاصل کیں، جس کے نتیجے میں الیکشن کمیشن نے ٹی آر ایس کو ایک سیاسی جماعت کے طور پر تسلیم کیا۔ کے سی آر نے سدّی پیٹ ایم ایل اے نشست کے دوبارہ انتخاب میں زبردست کامیابی حاصل کی (ٹی ڈی پی سے ٹی آر ایس میں منتقلی کے بعد)۔ 17 نومبر 2001 کو، ٹی آر ایس نے 'کھمم پر جاگر جنا' کا انعقاد کیا، اور اے نریندر کی قائم کردہ تلنگانہ سادھنا سمیتی ٹی آر ایس پارٹی میں ضم ہوگئی۔

9 ستمبر 2003 کو، کے سی آر نے ملک میں نئی ریاستوں کے قیام کی وکالت کے لیے ایک اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں اجیت سنگھ، بنورلال پروہت، بابولال تیواری، فلم اداکار راجہ بندیلا، اور شیبو سورین جیسی نمایاں شخصیات نے شرکت کی، جنہوں نے این ڈی اے حکومت پر نئی علیحدہ ریاستوں کے قیام کے لیے دباؤ ڈالنے کا ارادہ کیا۔ بعد ازاں، "نیشنل فرنٹ فار نیو اسٹیٹس" قائم کیا گیا، اور کے سی آر کو کنوینر مقرر کیا گیا۔ مزید برآں، 27 اپریل 2003 کو، ٹی آر ایس پارٹی نے اپنی دوسری سالانہ "ورنگل جیتر ایاترا" کا انعقاد کیا، جس میں نمایاں مہمانوں نے شرکت کی۔

ٹی آر ایس نے مختلف اجلاس اور تقریبات منعقد کیں، جن میں چندرا بابو نائیڈو حکومت کے ذریعے گرگلانی کمیشن کا قیام،

اکتوبر 2001 میں تلنگانہ راجا ئتلا سنگم کا قیام، 2002 میں ریوری پرکاش ریڈی کمیٹی، اور ثقافتی پلیٹ فارم دھوم دھام شامل ہیں، جس کا مقصد تلنگانہ کو درپیش ناانصافیوں کے بارے میں شعور اجاگر کرنا تھا۔

31.6 یو پی اے حکومت کا تلنگانہ پر موقف:

2004 کے عام انتخابات میں، تلنگانہ راشٹرا سمیتی (ٹی آر ایس) نے 5 لوک سبھا نشستیں اور 26 اسمبلی نشستیں حاصل کیں۔ کانگریس کی صدر سونیا گاندھی نے پارلیمنٹ میں اس بات کی تصدیق کی کہ علیحدہ تلنگانہ ریاست کا معاملہ مشترکہ کم از کم پروگرام کا حصہ ہے، اور اسے بھارت کے صدر کی پارلیمانی تقریر میں اجاگر کیا گیا۔ مرکزی کابینہ نے بھارت کے صدر کی پارلیمانی تقریر میں "علیحدہ تلنگانہ مسئلہ" شامل کیا۔ بعد ازاں، چھ ٹی آر ایس ایم ایل اے وائی ایس آر کی کابینہ میں شامل ہوئے، اور کے چندر شیکھر راؤ (کے سی آر) اور اے نریندر کو مرکزی کابینہ میں شامل کیا گیا، جس سے ان کی حکومت میں پہلی بار شمولیت ہوئی۔

تلنگانہ کے معاملے پر غور کرنے کے لیے، یو پی اے حکومت نے پرنب مکھرجی کی قیادت میں ایک ذیلی کمیٹی قائم کی۔ بی جے پی، جنتا دل ایس، راشٹریہ لوک دل، فارورڈ بلاک، سکم ڈیموکریٹک فرنٹ، این جے پی (آر)، اور کانگریس سمیت گیارہ جماعتوں نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کی حمایت کا اظہار کیا۔ تلنگانہ کے حق میں 36 سیاسی جماعتوں کی حمایت کے باوجود، کانگریس نے اس مسئلے پر کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے گریز کیا۔

فروری 2007 میں، گڈا انجیا، اندیشری، گورتی وینکنا، وی ایس راؤ، اور دیگر نے تلنگانہ کلچرل فیڈریشن قائم کی۔ گڈا انجیا صدر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے، گدر اعزازی صدر تھے، اور بی ایس رامولو اور پشام یادگیری مشیر کے طور پر شامل تھے۔ جون 2008 میں، تلنگانہ جاگرتی، ایک سماجی-ثقافتی تنظیم، کے کویتا نے قائم کی۔ 21 ستمبر 2008 کو، تلنگانہ سنگیدی رائٹرز ایسوسی ایشن بشیر باغ پریس کلب میں قائم کی گئی، جس کا مقصد تلنگانہ کی شناخت، ثقافت، تاریخ، اور ادب کو دریافت کرنا تھا۔ نمایاں شرکاء میں سانگی شیٹی سرینیواس، سنکیر یڈی نارائن ریڈی، جولیری گوری شنکر، مڈیگنتی سجاتا ریڈی، اور بی نرسنگا راؤ شامل تھے۔

تلنگانہ وموشنا سمیتی (ٹی وی ایس)، جووی پرکاش، کے دلیپ کمار، بیلایا نائیک، ڈاکٹر پدما، امکانتھ، سری دھر در ماسانم، بی ایس رامولو، اور دیگر نے قائم کی، وائی ایس آر کی ان پالیسیوں کی مخالفت کرنے کے لیے تشکیل دی گئی، جنہیں تلنگانہ مخالف سمجھا جاتا تھا، کرشنا پانی کے انحراف، اور تلنگانہ ریاست کے قیام کی وکالت کے لیے۔

تلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی) نے ریاست کی تقسیم کی حمایت کا اعلان کیا، چندرابابو نائیڈو نے وجے دشمی کے دن تلنگانہ کے حق میں ایک قرارداد منظور کی، اور پرنب مکھرجی کمیٹی کو ایک خط بھیجا۔ 2009 میں، تلنگانہ تحریک نے ریاستی بی جے پی کو ایک کل جماعتی اجلاس میں تلنگانہ کی تشکیل کی حمایت کرتے ہوئے دیکھا، اور "سنکلپ یاترا" کا انعقاد کیا۔

وزیر اعلیٰ وائی ایس آر کی حادثاتی موت کے بعد، کے روزیا نے عہدہ سنبھالا۔ روزیا کے دور میں، سپریم کورٹ نے حیدرآباد کوفری زون قرار دیا اور 14 ایف شق کوختم کر دیا، جس کے نتیجے میں ملازمین اور طلباء کے درمیان احتجاج شروع ہو گئے۔ کے سی آر کی بھوک ہڑتال نے مزید کشیدگی پیدا کی، جس سے تلنگانہ تحریک کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا۔

21 اکتوبر 2009 کو، ادیوگولا گرجنا سبھا کا انعقاد سدّی پیٹ میں ہوا، جس کے بعد کے سی آر کی غیر معینہ مدت کی بھوک ہڑتال ہوئی۔ وزیر اعلیٰ روزیا نے 14 ایف شق کو منسوخ کر دیا۔ طلباء یونینز نے ایک مشترکہ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) تشکیل دی اور اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا۔

تلنگانہ بل کے مطالبے پر کے سی آر کی بھوک ہڑتال کے نتیجے میں ان کی گرفتاری اور اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ ان احتجاجوں کے دوران، کاسوجوسری کانتھاچاری نے خودسوزی کی۔

ریاستی حکومت نے ایک کل جماعتی اجلاس بلایا، جس میں زیادہ تر جماعتوں نے علیحدہ تلنگانہ بل کی حمایت کی۔ 9 دسمبر 2009 کو، مرکزی وزیر داخلہ چدمبرم نے ابتدائی طور پر تلنگانہ کی تشکیل کا اعلان کیا، لیکن دباؤ کے تحت اس اعلان کو واپس لے لیا۔

کانگریس نے مزید مشاورت کا مطالبہ کیا اور جسٹس سری کرشنا کو ایک کمیٹی کی سربراہی کے لیے مقرر کیا۔ بالآخر، 10 دسمبر 2009 کو، سامائیکیا آندھرا تحریک ریاست کی تقسیم کی مخالفت میں شروع ہوئی۔

23 دسمبر 2009 کو، چدمبرم نے مزید مشاورت کی ضرورت کا اعلان کیا، اور 24 دسمبر 2009 کو، کے سی آر نے کوڈنڈارام سے مشورہ کیا، اور انہیں جے اے سی کا چیئرمین مقرر کیا۔ بی جے پی، سی پی آئی (ایم ایل)، نیو ڈیموکریسی، اور پیپلز آرگنائزیشن کے رہنماؤں نے 24 دسمبر 2009 کو کلنگا فنکشن ہال میں اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا۔

31.7 جے اے سی (مشترکہ ایکشن کمیٹی):

مشترکہ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) 31 دسمبر 2009 کو قائم کی گئی، جس میں مختلف عوامی تنظیموں اور تلنگانہ کی حمایت کرنے والی سیاسی جماعتوں کے رہنما شامل تھے۔ اس میں تمام پرو-تلنگانہ یونینز اور ایسوسی ایشنز شامل تھیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں ودیارتی گرجنا سبھا اور نظام کالج میں ودیارتی رنبھیری کا انعقاد کیا گیا۔ مزید برآں، ٹی جے اے سی (تلنگانہ مشترکہ ایکشن کمیٹی) نے اپنے احتجاج کے حصے کے طور پر "مانواہارم" (انسانی ہار) ایونٹ کا انعقاد کیا۔

31.8 سری کرشنا کمیٹی:

مرکزی حکومت نے 3 فروری 2010 کو جسٹس سری کرشنا، جو سپریم کورٹ آف انڈیا کے ریٹائرڈ جج تھے، کی سربراہی میں سری کرشنا کمیٹی مقرر کی۔ کمیٹی میں پروفیسر رنبیر سنگھ (وی سی، نیشنل لاء یونیورسٹی، دہلی)، ڈاکٹر ابو صالح شریف

(انٹرنیشنل فوڈ پالیسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، دہلی)، ڈاکٹر رویندر کور (پروفیسر، آئی آئی ٹی دہلی)، اور ونود کے ڈگل (سابق ہوم سیکریٹری) شامل تھے۔

کمیٹی نے کئی سفارشات پیش کیں:

1. موجودہ صورتحال کو برقرار رکھنا۔
2. آندھرا پردیش کو سیما آندھرا اور تلنگانہ میں تقسیم کرنا، حیدرآباد کو یونین ٹیریٹری کے طور پر رکھنا۔
3. دو ریاستیں بنانا: رائلہ-تلنگانہ، جس کا دارالحکومت حیدرآباد ہو، اور ساحلی آندھرا پردیش۔
4. آندھرا پردیش کو سیما آندھرا اور تلنگانہ میں تقسیم کرنا، اور ایک وسیع حیدرآباد میٹروپولیٹن علاقے کو ایک الگ یونین ٹیریٹری کے طور پر رکھنا۔
5. ریاست کو تلنگانہ اور سیما آندھرا میں تقسیم کرنا، حیدرآباد کو تلنگانہ کا دارالحکومت اور سیما آندھرا کے لیے ایک نیا دارالحکومت بنانا۔
6. ریاست کو متحد رکھنا اور سماجی-اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لیے ایک قانونی طور پر بااختیار تلنگانہ ریجنل کونسل قائم کرنا۔

ان سفارشات نے تلنگانہ کے حامیوں کی جانب سے احتجاج کو جنم دیا، جنہوں نے محسوس کیا کہ رپورٹ ان کی تحریک کو دبانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ مشترکہ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) نے مختلف احتجاجات کا انعقاد کیا، جن میں کلیکٹریٹس کا محاصرہ، عدم تعاون کی تحریکیں، اور بڑے پیمانے پر مارچ شامل تھے۔

30 جولائی 2013 کو، کانگریس ورکنگ کمیٹی نے 10 اضلاع پر مشتمل تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا اعلان کیا، جس میں حیدرآباد کو تلنگانہ اور سیما آندھرا دونوں کے لیے 10 سال کی مدت کے لیے مشترکہ دارالحکومت کے طور پر رکھا گیا۔ پولاورم پروجیکٹ کو قومی حیثیت دی گئی۔

اس کے بعد، 6 اگست 2013 کو، مرکزی حکومت نے آندھرا پردیش کی تقسیم پر مزید تبادلہ خیال کے لیے اے کے انٹونی کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی، جس کی صدارت وزیر دفاع اے کے انٹونی نے کی، اس میں ویرپا موئلی (یونین وزیر)، دگ وجے سنگھ (اے آئی سی سی جنرل سیکریٹری)، اور احمد پٹیل (سونیا گاندھی کے سیاسی سیکریٹری) شامل تھے۔

بالآخر، 3 اکتوبر 2013 کو، وزیراعظم منموہن سنگھ کی قیادت میں یونین کابینہ نے آندھرا پردیش کو نئی ریاست تلنگانہ میں تقسیم کرنے کی منظوری دی۔ حیدرآباد کو 10 سال کی مدت کے لیے دونوں ریاستوں کے لیے مشترکہ دارالحکومت کے طور پر نامزد کیا گیا۔ نئی ریاست تلنگانہ موجودہ تلنگانہ علاقے کے 10 اضلاع پر مشتمل ہوگی۔ تقسیم کے عمل اور متعلقہ مسائل کی نگرانی کے لیے وزراء کے ایک گروپ (جی او ایم) کو بھی مقرر کیا گیا۔

وزراء کے گروپ (جی او ایم) کی تقرری:

8 اکتوبر 2013 کو، مرکزی حکومت نے تلنگانہ ریاست کی تشکیل سے متعلق اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے لیے وزراء

کے ایک گروپ (جی او ایم) قائم کیا۔ جی او ایم کی صدارت سشیل کمار شندے، جو اس وقت وزیر داخلہ تھے، نے کی۔ انہیں آندھرا پردیش کی تقسیم سے متعلق 11 مخصوص اقتصادی مسائل کا جائزہ لینے کا کام سونپا گیا۔

کانگریس، بی جے پی، ٹی آر ایس، سی پی آئی، اور ایم آئی ایم جیسی مختلف سیاسی جماعتوں نے جی او ایم کو اپنے خیالات پیش کیے۔ تاہم، ٹی ڈی پی، وائی ایس آر سی پی، اور سی پی ایم جیسی جماعتوں نے اس عمل میں حصہ نہیں لیا۔ 6 دسمبر 2013 تک، مرکزی وزارت داخلہ نے تلنگانہ کا مسودہ بل، جسے آندھرا پردیش تنظیم نو بل، 2013 کہا جاتا ہے، جائزہ اور منظوری کے لیے بھارت کے صدر کو بھیج دیا۔

بعد ازاں، 7 فروری 2014 کو، مرکزی کابینہ نے تلنگانہ کے مسودہ بل کو 32 ترامیم کے ساتھ منظور کیا۔ اس منظوری نے بھارت کی پارلیمنٹ میں بل پیش کرنے کی راہ ہموار کی، جس سے تلنگانہ کی نئی ریاست کی تشکیل کے لیے قانون سازی کا عمل شروع ہوا۔

31.9 پارلیمنٹ میں تلنگانہ ریاست کا اعلان:

4 مارچ 2014 کو، مرکزی حکومت نے اعلان کیا کہ تلنگانہ بھارت کی 29 ویں ریاست کے طور پر باضابطہ طور پر تشکیل دی جائے گی، جس کا ریاستی تشکیل کا دن 2 جون 2014 مقرر کیا گیا۔ یہاں اس تاریخی اعلان تک پہنچنے والے واقعات کا خلاصہ دیا گیا ہے 13 فروری 2014: وزیر داخلہ سشیل کمار شندے نے لوک سبھا میں تلنگانہ ریاست کی شناخت کا بل پیش کیا۔ 18 فروری 2014: پارلیمنٹ میں تلنگانہ بل پر بحث شروع ہوئی۔ وزیر داخلہ شندے نے بحث کے دوران تقریر کی۔ تلنگانہ بل بالآخر لوک سبھا میں ایک کاسٹنگ ووٹ کی حمایت سے منظور ہوا، اور اسپیکر میرا کمار نے اس کی کامیابی کا اعلان کیا۔ 20 فروری 2014: وزیر داخلہ شندے نے راجیہ سبھا میں تلنگانہ بل پیش کیا۔ بل ایک بار پھر کاسٹنگ ووٹ کی مدد سے منظور ہوا، اور ڈپٹی چیئرمین نے اعلان کیا "بل منظور ہو گیا۔ 1" مارچ 2014: صدر پرنب مکھرجی نے تلنگانہ بل پر دستخط کیے،** اور باضابطہ طور پر اس کی منظوری دی۔ 2 مارچ 2014: مرکزی حکومت نے گزٹ نوٹیفکیشن جاری کیا،** جس سے تلنگانہ بل بھارت میں قانونی طور پر نافذ ہو گیا۔ 4 مارچ 2014: مرکزی حکومت نے باضابطہ طور پر 2 جون 2014 کو تلنگانہ کے ریاستی تشکیل کے دن کے طور پر اعلان کیا۔ یہ واقعات تلنگانہ کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تشکیل دینے میں منتج ہوئے، جو بھارت کی سیاسی اور انتظامی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی نشاندہی کرتا ہے۔

1 مارچ 2014 کو، وزیر اعلیٰ این کرن کمار ریڈی کے استعفیٰ کے بعد، ریاست کے گورنر ای ایس ایل نرسمہن نے آندھرا پردیش میں صدر کے حکم کی سفارش کی۔ صدر کا حکم بعد میں بھارت کے آئین کے آرٹیکل 356(1) کے تحت نافذ کیا گیا۔ صدر کا حکم، آئینی شق کے مطابق، مرکزی حکومت کو ریاست کے انتظامیہ پر براہ راست کنٹرول حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے، جب ریاست میں آئینی مشینری ناکام ہو جاتی ہے یا آئین کے دفعات کے مطابق کام کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ یہ فیصلہ وزیر اعلیٰ کے استعفیٰ کے بعد لیا گیا، جس نے ایسی صورتحال پیدا کی جہاں ریاستی حکومت اپنی ذمہ داریوں کو مؤثر طریقے سے انجام دینے سے قاصر تھی۔ صدر کے حکم کے دوران، ریاست کو صدر کے ذریعے گورنر کے ذریعے براہ راست چلایا جاتا ہے، اور انتظامیہ مرکزی حکومت کے مقرر کردہ مشیروں کی مدد سے چلائی جاتی ہے۔ یہ مدت عام طور پر اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ نئی حکومت تازہ انتخابات یا دیگر آئینی ذرائع کے ذریعے تشکیل نہ دی جائے، اور ریاستی حکومت کے معمول کے کام کو بحال نہ کیا جائے۔

سوالات: مختصر اور طویل

مختصر سوالات:

1. جے اے سی (مشترکہ ایکشن کمیٹی)
2. سری کرشنا کمیٹی

تحریری سوالات:

1. تلنگانہ تحریک کے لیے "عوامی بیداری" میں مختلف تنظیموں کے کردار کی وضاحت کریں۔
2. تلنگانہ تحریک میں ٹی آر ایس پارٹی کی تشکیل اور کردار کے بارے میں لکھیں۔
3. تلنگانہ ریاست کی تشکیل کے بارے میں لکھیں۔

نوٹس